طاغوت

انوار صدیقی

رحمانی اور طاغوتی طاقتوں کے تصادم میں جنم لینے والی ایک

ناقابلِ فراموش کہانی

طاغوت

انوار صدیقی



القریش پبلی کیشنز

اسٹاکسٹ : مکتبہ القریش ، اردو بازار، لاہور۲

آگ اور دھوئیں کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے.... اس رشتے کو توڑ سکو تو مانوں....!!

انوار صدیقی

مورخہ یکم فروری 2000ء

"تمہارا نام کیا ہے—؟"

"عالیہ—" اس نے سہمی سہمی نظروں سے اس عجیب الخلقت شخص کو دیکھا جو اس کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا۔

وہ ادھیڑ عمر اور دوہرے بدن کا مالک تھا۔ کبھی اس کے چہرے کے نقوش یقیناً خوبصورت رہے ہوں گے لیکن شاید کسی دشمن نے بھیانک انتقام لینے کی خاطر اس کے چہرے پر تیزاب کی بوتل الٹ دی تھی۔ اس کا بچ بچایا ہوا چہرہ بڑا ہی بھیانک اور کریہہ نظر آ رہا تھا۔ پورے چہرے پر گوشت آبلوں کی شکل میں ابھرا ابھرا دکھائی دے رہا تھا۔ پیشانی پر کسی گہرے زخم کا نشان تھا۔ ایک کان صحیح سلامت نظر آ رہا تھا۔ لیکن دوسرے کی لو اس طرح بے ہنگم طور پر کٹی نظر آ رہی تھی جیسے کسی نے دانتوں سے چبا ڈالا ہو۔ شاید اس کی آنکھیں بھی تیزاب کے اثر سے متاثر ہوئی تھیں اسی لئے اس نے گہرے سیاہ رنگ کا چشمہ پہن رکھا تھا۔ سر پر سیاہ رنگ ہی کی ٹوپی موجود تھی۔

عالیہ نے آج اسے پہلی بار دیکھا تھا اور اس پر نظر پڑتے ہی اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی۔ نیم تاریک کمرے میں' اور وہ بھی نصف رات گزر جانے کے بعد کسی بھیانک شکل والے اجنبی کو دیکھ کر پہلے وہ یہی سمجھی تھی کہ شاید کسی خواب کی کیفیت سے دو چار ہے۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ رات نو بجے کھانے سے فارغ ہو کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی تھی۔ حسب معمول اس نے کمرے کو اندر سے بند کرنے کے بعد شب خوابی کا لباس پہنا تھا پھر بستر پر لیٹ کر وہ تقریباً ایک گھنٹہ تک خواتین کے ایک

رسالے کا مطالعہ کرتی رہی پھر لائٹ بجھا کر اس نے سونے کے ارادے سے آنکھیں موندھ لی تھیں۔ دیوار گیر کلاک نے جب دس بجے کے گھنٹے بجائے وہ اس وقت غنودگی کی کیفیت سے دو چار تھی پھر اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ ہمیشہ گہری نیند سونے کی عادی تھی۔ درمیانی رات میں وہ کسی ضرورت کی خاطر اٹھنے کی عادی بھی نہیں تھی۔

اس روز بھی وہ گھوڑے بیچ کر خواب غفلت سے دو چار تھی جب کسی نے اسے پوری شدت سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا تھا۔ وہ آنکھ ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی خیال پیدا ہوا کہ شاید ماں کو کوئی ضروری کام پیش آ گیا ہو گا۔ اس سے پیشتر بھی ایک دو بار اس کی ماں اسے سوتے سے جگا چکی تھی۔ کچی نیند میں بیدار ہونے سے اس کے ذہن پر کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑا تھا۔ آنکھ مسلتے ہوئے وہ جھلا کر ماں سے کچھ کہنے کے بارے میں غور کر ہی رہی تھی کہ اچانک اسے یاد آ گیا کہ اس نے سونے سے پہلے کمرے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔۔ پھر ماں کمرے میں کس طرح آ گئی؟ اس خیال کے آتے ہی اس کے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوری توجہ سے جگانے والے کو دیکھنے کی کوشش کی اور دیکھتی ہی رہ گئی۔ خوف اور دہشت کا احساس اس کے وجود میں تیزی سے سرایت کر گیا۔ اس نے ڈر کر چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز جیسے اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر دروازے کی سمت دیکھا جو بدستور بند تھا۔ وہ اپنے بچاؤ کی خاطر اگر اچانک اٹھ کر بھاگنے کی کوشش بھی کرتی تو اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

عجیب الخلقت شخص اس کے اور دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا تھا اور دروازہ بند تھا۔ عقبی کھڑکی سے پھوٹنے والی مدھم مدھم روشنی اس کے چہرے کے نقوش کو جوں جوں اجاگر کر رہی تھی عالیہ کے اندر خوف اور دہشت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے پریشان ذہن میں متعدد سوال گونج رہے تھے۔

وہ خوفناک شخص کون تھا۔۔؟ کس ارادے سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔؟ اگر

اس کا مقصد چوری کرنا تھا تو اس نے سوئی ہوئی عالیہ کو جگانے کی حماقت کیوں کی تھی۔۔؟ وہ چاہتا تو گلا گھونٹ کر اسے مار بھی سکتا تھا۔۔ بوٹی بوٹی کر ڈالتا تب بھی کسی کو کان و کان خبر نہ ہوتی لیکن ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔۔ اس نے تو بس دیوانوں کی طرح عالیہ کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر اتنی شدت سے جھنجھوڑا تھا کہ وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گئی تھی۔۔ اس کا دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی خاطر ہر ممکن کوشش کر رہی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ خطرے کے احساس ہی نے اسے پسینے میں شرابور کر رکھا تھا۔ یہ سوال اس کے ذہن میں رہ رہ کر ابھر رہا تھا کہ وہ کمرے میں داخل کس طرح ہوا تھا۔۔؟

کچھ دیر تک کمرے میں موت کا ہولناک سکوت طاری رہا پھر ہیبت ناک چہرے والے نے کھرکھراتی آواز میں اس کا نام دریافت کیا اور عالیہ نے اس کے جواب میں فوری طور پر اپنا نام بتا دیا۔ اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"خاور برلاس کو جانتی ہو۔۔؟" نووارد جس نے اپنے دونوں ہاتھ جسٹر کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے کھردرے لہجے میں دوسرا سوال کیا۔

"ہاں۔۔ آں۔۔" عالیہ کے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ ایک پل میں کئی مزید سوالات اس کے پریشان ذہن میں ابھر کر گڈمڈ ہونے لگے۔ اس نے مدھم آواز میں کہا۔ "خاور۔۔۔ میرا کلاس فیلو ہے۔"

"صرف کلاس فیلو یا کچھ اور بھی۔۔؟" اس بار اجنبی کے لہجے سے نفرت اور حقارت کا احساس بھی جھلک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ چشمے میں چھپی ہوئی تھیں۔ اس لئے عالیہ اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی خونخوار وحشت نہ دیکھ سکی۔

"ہم۔۔" عالیہ نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم۔۔ ایک دوسرے کے اچھے دوست ہیں۔۔"

"خاور ایک بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔۔ لاکھوں اور کروڑوں میں کھیلتا ہے۔۔ کیوں؟"

"ہاں۔۔" عالیہ نے بدستور سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ "وہ۔۔ وہ ایک ملٹی نیشنل

کمپنی کا مالک ہے۔"

"اور تمہاری اپنی حیثیت کیا ہے—؟" خوفناک چہرے والے نے سرسراتی آواز میں کہا۔ "ایک معمولی اسکول ماسٹر کی بیٹی جو سرکاری کوارٹر میں رہتا ہے—"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اب اس کا ذہن کچھ کچھ کام کرنے لگا تھا— بھیانک شخص جو اس کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا یقیناً اکبر برلاس کا کوئی اجرتی دہشت گرد تھا جو اسے صرف اس حد تک خوفزدہ کرنے پر معمور کیا گیا ہو گا کہ وہ اپنے دل و دماغ سے خاور کا خیال نکال دے۔ خاور اکبر برلاس کا اکلوتا بیٹا تھا اور اکبر برلاس کو شاید یہ منظور نہیں تھا کہ اس کی ہونے والی بہو کسی معمولی اسکول ماسٹر کی بیٹی ہو جبکہ خاور اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور ہر قیمت پر اپنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت زیادہ حسین اور خوبصورت ہو— تمہیں دیکھ کر کوئی بھی ریشہ خطمی ہو سکتا ہے—" اس نے چہرے کو خفیف سی حرکت دی۔ عالیہ کو سر سے پاؤں تک گھورتا ہوا بولا۔ "تمہارے جسم کا ایک ایک عضو قابل تعریف ہے— تمہارا بھرپور حسن و شباب کسی پرانی شراب کی طرح نشہ آور ہے—"

"تم کون ہو—؟" عالیہ نے پہلی بار ہمت کر کے پوچھا۔ اسے فوری طور پر یہ خیال گزرا کہ بھیانک شکل والا حقیقت میں ویسا نہیں تھا جیسا نظر آ رہا تھا۔ ممکن ہے اس نے محض عالیہ کو خوفزدہ کرنے کی خاطر وہ سوانگ بھرا ہو۔

"میں—" ادھیڑ عمر والے شخص نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ "میں بھی تمہارے حسن کا پرستار ہوں۔ بڑے عرصے سے تمہاری ایک ایک ادا کی پرستش کر رہا ہوں۔

"اکبر برلاس نے تمہیں جس مقصد کیلئے خریدا ہے میں جان چکی ہوں۔" عالیہ نے سپاٹ آواز میں کہا۔ پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ "تم اکبر برلاس کو میری طرف سے اس بات کا یقین دلا سکتے ہو کہ میں ماں باپ کی عزت سربازار نیلام کر کے محض اپنی محبت کی خاطر خاور کے ساتھ نہ تو فرار ہوں گی' نہ ہی اس سے چوری چھپے شادی کا کوئی منصوبہ بناؤں گی۔"

"تم مجھے کیا سمجھ رہی ہو—؟" مسخ شدہ چہرے والا بل کھاتا ہوا بولا۔

"تم اس دولت مند شخص کے زر خرید غلام ہو جو میری اور خاور کی دوستی کو غلط انداز میں سوچ رہا ہے—" عالیہ تلملا اٹھی۔ "میں اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں' تم چاہو تو مجھے جان سے مار سکتے ہو لیکن کسی بات کیلئے مجبور نہیں کر سکتے—"

"ہوش میں آؤ لڑکی—" اچانک خوفناک چہرے والے کا لب و لہجہ سفاک ہو گیا۔ "تم مجھے جو سمجھ رہی ہو میں وہ نہیں ہوں۔"

"پھر—" عالیہ نے تیزی سے پوچھا۔ "کون ہو تم—؟"

"تمہارا پرستار—" اس نے ہونٹوں پر زبان پھرتے ہوئے جواب دیا۔ "تم میرے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتیں— یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ تمہیں خاور کی یادوں کو اب کھرچ کر دل سے نکالنا ہو گا ورنہ—"

"ورنہ تم کیا کرو گے—؟"

"میں کیا کروں گا—" چسٹر میں ملبوس شخص نے عالیہ کے سوال کو بڑے مضحکہ خیز انداز میں دہرایا پھر اس طرح قہقہہ لگانے لگا جیسے اس کی کوئی ذہنی رو بہک گئی ہو۔ اس کے قہقہوں کی آواز بڑی دیر تک گونجتی رہی۔ عالیہ کا خیال تھا کہ اجنبی کے پرشور قہقہے اس کے گھر والوں کو نیند سے بیدار کر دیں گے اور پھر وہ کسی چوہے کی طرح پھنس کر رہ جائے گا۔

"نہیں—" یکلخت وہ قہقہہ لگاتے لگاتے رک گیا۔ بڑے پر اعتماد مگر کھردرے لہجے میں بولا۔ "میری آواز تمہارے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا۔ اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ کوئی طاقت مجھے میرے ارادے سے روک سکتی ہے یا میرے راستے کی دیوار بن سکتی ہے۔"

عالیہ ایک بار پھر سہم کر رہ گئی— اسے حیرت تھی کہ جو بات اس نے دل میں سوچی تھی وہ اجنبی کی زبان پر کس طرح آ گئی—؟ اس پر دوبارہ خوف کا غلبہ طاری ہونے لگا۔

"میری بات غور سے سنو—" اجنبی نے غضبناک لہجے میں کہا۔ "خاور کا خیال

aazzamm@yahoo.com

دل سے نکال دو۔۔ تم میرے علاوہ کسی اور کی نہیں بن سکتیں۔۔ اگر تم نے میری بات ماننے سے انکار کیا تو بڑے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔۔"

"تم شاید مجھے اپنی باتوں سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔۔؟" عالیہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"خوف۔۔" اجنبی نے استہزایہ انداز اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا تم نے ابھی تک اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں تمہارے بند کمرے میں کس طرح آ گیا۔۔؟"

"جو لوگ غلط راستوں کے مسافر ہوتے ہیں وہ آہنی سلاخوں کو بھی کاٹ کر قانون کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔" عالیہ نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بند دروازے کی کنڈی تو معمولی چور اچکے بھی کھول لیتے ہیں۔۔"

"مجھے تمہاری گفتگو کا یہ انداز پسند آیا لیکن میں تمہیں یہ تجربہ ضرور کراؤں گا کہ خوف کسے کہتے ہیں۔" بھیانک چہرے والے نے سرد آواز میں جواب دیا پھر اس نے جیب سے سیدھا ہاتھ نکال کر آنکھوں پر لگا چشمہ اتار دیا۔

عالیہ پوری طرح اجنبی کی اصلیت جاننے کیلئے کوشاں تھیں لیکن اس کے چشمہ اتارتے ہی عالیہ کی حالت غیر ہونے لگی۔ اسے اجنبی کی آنکھوں کی جگہ دو روشن اور مختصر دائرے نظر آئے جو بڑی تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ ان دائروں کی گردش میں کوئی ایسا اثر تھا جس نے عالیہ کو پوری طرح ہپناٹائز (Hypnotize) کر دیا پھر وہ مختصر دائرے آہستہ آہستہ اپنا حجم بڑھانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے عالیہ کے وجود کے ساتھ ساتھ پورے کمرے کو اپنی گردش کے اندر سمو لیا۔ روشن دائروں کے حجم کے ساتھ ساتھ ان کی گردش بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔

عالیہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح اپنی جگہ بیٹھی پھٹی پھٹی نظروں سے روشن دائروں کو اپنے اطراف چکراتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں کہیں بہت دور سے آتی ہوئی ایک مدھم مگر واضح آواز گونج رہی تھی۔

میرے علاوہ تم کسی اور کی نہیں بن سکو گی۔۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو

بڑے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔۔"

پھر روشن دائرے جتنی سرعت سے پھیلے تھے اتنی ہی تیزی سے سمٹنے لگے۔ اس کے بعد یکلخت گھپ اندھیرا طاری ہو گیا۔ عالیہ نے چیخنے کی کوشش کی لیکن۔۔ وہ جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ کمرے میں اب اسے اپنے سوا کسی اور کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ خوف اور دہشت کے مارے اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ اس نے ایک دو جھکولے کھائے پھر اپنے بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ نیند کی وادیوں میں غوطے لگا رہی تھی۔ اسے ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے لاتعداد چونٹیاں اس کے بدن پر رینگ رہی ہوں۔ پھر کچھ دیر بعد یہ احساس بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے میں ڈوب گیا۔

دوسری صبح اس کی آنکھ کھلی تو ذہن بوجھل بوجھل سا ہو رہا تھا۔ گزری رات کی دھند ابھی تک اس کے دل و دماغ پر طاری تھی۔ بیدار ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے دروازے پر نظر ڈالی جو اندر سے بند تھا۔ عالیہ نے اطمینان کا سانس لیا پھر اس نے سوچا کہ رات جو کچھ اس نے دیکھا یا محسوس کیا وہ محض اس کا وہم تھا۔ ایک خواب تھا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سونے سے قبل اس نے رسالے کے جس مضمون کا مطالعہ کیا تھا اس کی کہانی بھی ایک ایسی لڑکی کے گرد گردش کرتی تھی جس کے دو طلب گار تھے۔ ایک طلب گار اس کا محبوب تھا جبکہ دوسرے کی محبت یک طرفہ تھی لیکن وہ چونکہ زیادہ دولت مند اور ضدی طبیعت کا مالک تھا اس لئے ہر جائز و ناجائز طریقے سے لڑکی کو اپنانا چاہتا تھا۔ اس نے بھی لڑکی کو اس بات کی دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے کسی اور کے ساتھ شادی کی تو وہ اس کا جینا حرام کر دے گا۔

شاید اسی کہانی کا نفسیاتی اثر لاشعوری طور پر عالیہ کے ذہن میں بیٹھ گیا تھا جو ایک ڈراؤنے خواب کی صورت میں اسے رات بھر پریشان کرتا رہا۔ وہ خاصی دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی پھر تیزی سے اٹھ کر غسل خانے میں منہ ہاتھ دھونے کے ارادے سے گئی۔ ٹھنڈے پانی کا ایک چلو بھر کر اس نے منہ پر چھپکا مارا تو اسے بڑا سکون ملا لیکن یہ سکون زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ آئینے میں اس کی نظر اپنے لباس پر پڑی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی زہریلے بچھو نے اس کو ڈنک مار دیا ہو۔ وہ

چھٹی چھٹی نظروں سے اپنے اس لباس کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی جو اس نے اپنی ایک سہیلی کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کی غرض سے سلوایا تھا۔ وہی لباس اس وقت اس کے جسم پر نظر آ رہا تھا۔

عالیہ کے ذہن میں دوبارہ وسوسے جاگ اٹھے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ رات اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے سب سے پہلے اپنا شب خوابی کا لباس پہنا تھا پھر وہ نیا سوٹ اس کے جسم پر کس طرح نظر آ رہا تھا؟ ایک لمحے کے لئے اس کا ذہن چکرا گیا۔ کچھ سوچ کر وہ تیزی سے واش روم سے نکل کر دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ اس بار اس نے بہت غور سے ایک ایک چیز کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ہر شے اسی قرینے سے اپنی اپنی جگہ موجود تھی جس طرح وہ انہیں رکھنے کی عادی تھی۔ حتیٰ کہ شب خوابی کا وہ لباس بھی ہینگر میں لٹکا نظر آ رہا تھا۔

عالیہ نے پوری شدومد سے اپنی یادداشت کو کریدنا شروع کیا۔ ہینگر میں سلیقے سے لٹکے ہوئے شب خوابی کے لباس کو دیکھ کر وہ الجھ سی گئی تھی۔ کئی پریشان کن سوالات بڑی تیزی سے اس کے ذہن میں ابھرنے لگے۔ بہت سارے امکانات تھے جسے وہ نظر انداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔

ممکن ہے رات لباس تبدیل کرنے سے پیشتر اس نے نئے سلے ہوئے سوٹ کو ایک بار پھر پہن کر اس کی تراش خراش اور فٹنگ کو کچھ نئے زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہو پھر وہ اسے تبدیل کرنے کے بجائے پہنے ہی لیٹ گئی ہو۔ اس نے سوچا ہو کہ مطالعے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے اتار دے گی لیکن آنکھ لگ جانے کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکی ہو— یہ خیال اس کے ذہن میں اپنی جگہ نہ بنا سکا۔ وہ اتنی بدسلیقہ کبھی نہیں تھی کہ کسی نئے سوٹ کو (خاص طور پر جسے اس نے مخصوص تقریب کیلئے بڑے ارمانوں سے سلوایا تھا) پہن کر سو جاتی— اگر اس نے دوبارہ اس کی ٹرائی لینے کی کوشش کی بھی تھی تو عادت کے مطابق اسے شب خوابی کا لباس زیب تن کرنے کے بعد ہی بستر پر لیٹنا چاہئے تھا۔

اور— اگر وہ شب خوابی کا لباس پہن کر ہی لیٹی تھی تو پھر دو ہی صورتیں ممکن

تھیں یا تو اس نے سونے کے بعد دوبارہ نیند کی حالت میں اٹھ کر نیا لباس پہنا ہو گا— یا پھر جو بھیانک شکل والا اسے رات اپنے کمرے میں نظر آیا تھا اس نے وہ لباس عالیہ کو پہنایا ہو— لیکن یہ بھی کس طرح ممکن تھا؟ عالیہ نے جھنجلا کر سوچا۔ کوئی اجنبی اس کے لباس کو اتار کر نیا لباس پہناتا اور اسے خبر تک نہ ہوتی اور پھر اگر یہ محض ایک فیصد فرض بھی کر لیا جائے کہ لباس کی تبدیلی کا عمل عالیہ کی بیہوشی کی حالت میں پیش آیا تو شب خوابی کے لباس کو اتنے سلیقے سے ہینگر میں لٹکانے کی ضرورت کیوں کر محسوس کی گئی؟ اگر مقصد صرف عالیہ کو بے لباس کرنا تھا تو پھر کسی لباس سے بھی اس کا تن ڈھانکنے کی کیا ضرورت تھی—؟ نئے سوٹ پر بھی عالیہ کو ایسی کوئی علامت نہیں نظر آئی جس سے وہ اجنبی کی کسی فحش اور ناپسندیدہ حرکت کا شبہ کر سکتی— اور سب سے اہم اور قابل غور بات یہ تھی کہ اگر کوئی شخص کسی خاص ارادے سے اس کے بند کمرے کی چٹخنی کو کسی طرح کھول کر اندر داخل ہونے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا تو اپنی واپسی کے بعد اس نے چٹخنی کو دوبارہ اندر سے کس طرح بند کیا—؟"

کمرے میں اول تو کوئی ایسی قیمتی شے موجود ہی نہیں تھی جس کی چوری کے امکان پر غور کیا جا سکتا اور جو چیزیں تھیں وہ بدستور اپنی اپنی جگہ موجود تھیں۔ کپڑوں کی الماری میں آرٹی فیشل جولری کا ایک سیٹ ضرور موجود تھا لیکن اسے بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا۔ کمرے کا مختصر سا فرنیچر بھی اپنی اپنی جگہ نظر آ رہا تھا۔

"پھر— وہ سب کچھ کیا تھا—؟"

"محض وہم— یا— ایک ناقابل یقین حقیقت—؟"

عالیہ کا ذہن بری طرح شل ہونے لگا۔ وہ ہر ممکن زاویوں سے تمام امکانات کا جائزہ لے چکی تھی لیکن کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنے سے بری طرح ناکام ہوئی تھی۔ وہ ڈور کو جتنا سلجھانے کی کوشش کرتی اتنی ہی اور الجھتی جاتی تھی پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک آخری خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔

کیا وہ کوئی آسیب تھا جو ایک بھیانک اور خوفناک شکل میں اس کو محض یہ باور کرانے کی خاطر ہوا کا جھونکا بن کر اس کی خواب گاہ میں گھس آیا تھا کہ وہ بھی اس

کے حسن کا پرستار ہے اور اگر عالیہ نے اس کے بجائے خاور کے ساتھ راہ و رسم برقرار رکھی تو وہ اسے کسی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس آخری خیال نے عالیہ کے تنفس کی رفتار تیز کر دی۔ وہ ڈر پوک یا بزدل نہیں تھی لیکن کسی جن بھوت یا پراسرار عفریت سے ٹکر لینا بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی والدہ کے علاوہ کالج کی لڑکیوں سے بھی ایسے جن اور بھوتوں کے قصے سن رکھے تھے جنہوں نے خوبصورت لڑکیوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنی نادیدہ قوتوں کے ذریعہ ان کے ذہنوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ جب تک آسیب کے زیر اثر ہونے والی لڑکیاں ان کے اشاروں پر چلتی رہتیں تو ٹھیک ٹھاک نظر آتیں لیکن اگر لڑکیوں کے والدین اس کے رشتوں کی بات کہیں شروع کرتے تو ان لڑکیوں پر پاگل پن کے دورے پڑنے شروع ہو جاتے۔ وہ گھر اور باہر والوں کی موجودگی میں تو ہذیانی انداز میں دیوانوں کی طرح بال نوچ کھسوٹ کر چلانا شروع کر دیتیں یا واہی تباہی بکنے لگتیں تھیں اور پھر موت ہی انہیں آسیب سے نجات دلاتی تھی۔

عالیہ کے ذہن میں جو طوفان کروٹیں لے رہا تھا وہ بے حد پریشان کن تھا لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو ذرا سی بات پر خوفزدہ ہو کر ہتھیار ڈال دینے کی عادی ہوتی ہیں۔۔ اس نے فوری طور پر ہر خیال کو اپنے ذہن سے نکال کر جلدی جلدی نہا دھو کر لباس تبدیل کیا اور باہر آ گئی۔ جہاں اس کے والدین ناشتے پر اس کے منتظر تھے۔ ماسی عائشہ گرم گرم پوریاں تل کر لا رہی تھی۔ عالیہ والدین کو سلام کر کے دستر خوان پر بیٹھ گئی۔ بظاہر وہ خود کو نارمل پوز کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کا ذہن اب بھی رہ رہ کر الجھ رہا تھا۔

"تمہارے امتحانات کب سے شروع ہو رہے ہیں۔۔؟" ماں نے سوال کیا۔

"ابھی تو پورے دو مہینے باقی ہیں۔۔؟" عالیہ نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"اس بار کیا ارادے ہیں۔۔؟" عالیہ کے والد نے بڑے لاڈ سے دریافت کیا۔

"میری پوری کوشش تو یہی ہے کہ اپنی فرسٹ پوزیشن کو برقرار رکھوں۔۔" عالیہ نے اعتماد سے کہا۔ "آگے جو خدا کو منظور ہو۔"

"محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔۔" عابد حسین نے ایک تجربہ کار اسکول ماسٹر ہونے کی حیثیت سے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم ہمیشہ کی طرح ممتاز پوزیشن حاصل کرو گی لیکن میری ایک نصیحت یاد رکھنا۔۔"

"وہ کیا۔۔" عالیہ نے باپ کی طرف پوری توجہ سے دیکھا۔

"پرچہ پڑھنے سے پہلے اس وظیفے کا ورد ضرور کر لینا جو تمہارے دادا نے بخشا تھا۔ اللہ کے نام اور اس کے کلام میں بڑی برکت ہے۔"

"دادا جان کا وظیفہ تو میں کبھی پڑھنا نہیں بھولتی۔" عالیہ نے کہا۔

"تمہاری سہیلی نرگس کا کیا حال ہے۔۔؟" ماں نے مسکرا کر پوچھا۔ "وہ بھی امتحان کی تیاریاں کر رہی ہے یا شادی کے خیال میں مگن ہے۔۔"

"پوری طرح امتحانات کی تیاریوں میں محو ہے۔" عالیہ نے تیزی سے جواب دیا۔ "رہا اس کی شادی کا مسئلہ تو وہ کہیں غیروں میں نہیں ہو رہی جس کے ساتھ اس کا رشتہ ہو رہا ہے وہ اس کا فرسٹ کزن ہے۔ میں نے بتایا تو تھا آپ کو۔۔"

"آج تمہارا کیا پروگرام ہے۔۔؟" عابد حسین نے پوچھا۔ "گھر پر پڑھو گی یا نرگس کے ساتھ اسٹڈی کرنے کا ارادہ ہے۔"

"اگر اس نے گاڑی بھیج دی تو چلی جاؤں گی ورنہ گھر پر ہی پڑھائی کروں گی۔"

"کیا مطلب۔۔" ماں نے پوچھا۔ "کیا کل تم دونوں نے کوئی پروگرام نہیں طے کیا تھا۔"

"نرگس کے والد اکثر چھٹی والے دن بھی کچھ ضروری اور اہم کام نپٹانے دفتر چلے جاتے ہیں۔" عالیہ نے ماں کو بتایا۔ "ہو سکتا ہے کہ آج بھی جائیں' اگر نہ گئے تو نرگس مجھے بلانے کی خاطر گاڑی بھیج دے گی اس نے یہی کہا تھا۔"

"سردار علی نواز صاحب سے میں صرف دو تین بار ہی بس رواروی میں ملا ہوں۔" عابد حسین نے بیوی سے کہا۔ "صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بہت ملنسار اور نیک دل واقع ہوئے ہیں۔ مجھ سے تو اس طرح ملتے ہیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ اپنی عالیہ کی خیریت تو خاص طور پر دریافت کرتے ہیں۔۔"

"نرگس بھی باپ پر ہی گئی ہے۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔ "اتنے پیار سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے کہ غیریت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔۔"

"اور آپ میری تعریف نہیں کریں گی کہ میں نے سہیلی کا انتخاب کس قدر ٹھونک بجا کر کیا ہے۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"انسان اپنے دوستوں کے انتخاب سے بھی پہچانا جاتا ہے۔" عابد حسین نے بیٹی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر عالیہ دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ نرگس اس کی نہ صرف عزیز ترین سہیلی تھی بلکہ ہمراز بھی تھی۔ عالیہ نے اسے خاور برلاس کے بارے میں بتا رکھا تھا اور نرگس نے عالیہ کو اپنے کزن جمشید (جسے وہ پیار سے جمی کہتی تھی) کے بارے میں خاصی تفصیل سے آگاہ کر رکھا تھا۔ جمشید نے کمیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد پولیس ٹریننگ حاصل کی تھی اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز تھا۔ جمشید سے منگنی ہو جانے کے باوجود خاندان کے بزرگوں نے ان دونوں کے آپس میں ملنے جلنے پر کوئی پابندی نہیں عائد کی تھی اس لئے کہ وہ آپس میں عزیز دار تھے اور انہیں اپنے بچوں پر اعتماد بھی تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ تھوڑا بہت آزاد خیال بھی تھے۔

اپنے کمرے میں آ کر عالیہ نے پڑھنا چاہا لیکن گزری ہوئی رات کی باتیں بار بار اس کے ذہن کو ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ اس نے ان باتوں کے بارے میں اپنے والدین سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خود بھی زیادہ خوفزدہ یا ہراساں نہیں تھی لیکن جو کچھ اس نے دیکھا یا محسوس کیا تھا اس کے بارے میں کسی نہ کسی سے تبادلہ خیالات ضرور کرنا چاہتی تھی تاکہ کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔

صبح عالیہ کے ذہن میں خاور کا خیال آیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ خاور سے اپنے دل کا حال بیان کر کے وہ اپنے ذہن کے بوجھ کو کچھ ہلکا کر سکتی ہے لیکن ناشتے کے بعد اس نے اپنا خیال ترک کر دیا۔ وہ خاور سے کھل کر باتیں ضرور کرتی تھی لیکن اتنی زیادہ بے تکلف بھی نہیں تھی کہ ان باتوں کا برملا تذکرہ کر جاتی جو اس نے دیکھی،

محسوس کی یا سوچی تھیں۔ البتہ وہ نرگس کو وہ سب کچھ بتا سکتی تھی جس نے اس کے ذہن کو الجھا رکھا تھا۔ بھیانک شکل والے کے بارے میں وہ ابھی تک تنہا کوئی آخری رائے قائم کرنے سے قاصر تھی۔ اس کے سالانہ امتحانات نزدیک تھے اس لئے وہ ذہن پر کوئی بوجھ برداشت کرنے کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ مبادا اس کا اثر اس کے امتحان کے نتیجے پر پڑتا۔

عالیہ کیلئے ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ چنانچہ وہ اس وقت بڑی شدت سے اس بات کی دعا مانگ رہی تھی کہ کاش نرگس کے والد کا دفتر جانے کا ارادہ منسوخ ہو جائے اور ان کی گاڑی عالیہ کو لینے آ جائے۔ اس کی دعا ضائع نہیں گئی۔ دو گھنٹے بعد ہی اس کی ماں نے کمرے میں داخل ہو کر گاڑی آنے کی اطلاع دی تو عالیہ کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ وہ جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔۔



نرگس بڑی توجہ سے عالیہ کی ایک ایک بات سن رہی تھی۔ بھیانک چہرے والے کا حلیہ سن کر نرگس کو بھی جھرجھری آ گئی تھی پھر جب عالیہ نے اسے اجنبی کی آنکھوں سے خارج ہونے والی روشنی کا حال سنایا تو نرگس اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی۔

"کیا تم نے پہلے بھی اس شخص کو کبھی خواب میں دیکھا تھا؟" نرگس نے پوری تفصیل کے بعد پوچھا۔

"نہیں۔۔ کل رات پہلی بار ایسا ہوا تھا۔"

"تم نے انکل یا آنٹی سے تذکرہ کیا۔۔؟"

"نہیں۔۔ سب سے پہلے میں نے تمہیں پوری رام کہانی سنائی ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ سب کچھ تمہارا وہم نہیں ہو سکتا؟" نرگس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اتنے سارے اتفاق ایک ساتھ نہیں رونما ہوتے۔" عالیہ نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "چلو مان لیا کہ جو کچھ میں نے دیکھا یا محسوس کیا وہ اس کہانی کا لاشعوری تاثر تھا جو میں نے سونے سے قبل پڑھی تھی لیکن لباس کی تبدیلی کو تم کس خانے میں فٹ

کرو گی؟"

"مجھے تو اس بات پر بھی حیرت ہے کہ تم اس وقت زندہ سلامت کس طرح ہو---؟" نرگس نے ایک بار پھر جھرجھری لے کر کہا۔ "تمہاری جگہ میں ہوتی تو شاید میرا تو ہارٹ فیل ہو جاتا۔"

"موت برحق ہے اور ایک نہ ایک دن ہر شخص کو اس کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے--- وہ کسی وقت اور کسی بہانے آ سکتی ہے۔"

"پھر--- تم نے اب کیا سوچا ہے---؟" نرگس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہی مشورہ کرنے کی خاطر تو میں نے تمہیں پوری داستان سنائی ہے---"

"میری رائے میں تو اب تمہیں اکیلے کمرے میں نہیں سونا چاہیے۔"

"کیا فرق پڑے گا---؟" عالیہ نے ہمت کر کے جواب دیا۔ "اگر وہ خدانخواستہ کوئی آسیب ہی ہے تو کسی جگہ بھی وارد ہو سکتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن دوسروں کی موجودگی میں خوف کا احساس قدرے کم ہوتا ہے۔" نرگس نے دلیل پیش کی پھر سوچ کر پوچھا۔ "کیا تم نے کوئی خاص نتیجہ اخذ کیا ہے---؟"

"کس سلسلے میں---؟"

"میرا اشارہ خاور اور تمہاری طرف تھا۔" نرگس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میں اب بھی تمہارا مقصد نہیں سمجھی---" عالیہ نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"کیا تمہارے اور خاور کے بارے میں تمہارے گھر والوں کو یا کسی اور کو بھنک مل گئی ہے---؟"

"جہاں تک میرے گھر والوں کا تعلق ہے تو ابھی تک وہ ہر بات سے لاعلم ہیں--- رہا کسی اور کا مسئلہ تو ہو سکتا ہے کسی کو ہمارے بارے میں علم ہو لیکن---" عالیہ نے بولتے بولتے اچانک چونک کر نرگس کو بغور دیکھا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کسی ایسے شخص نے جو مجھ سے میری لاعلمی میں دلچسپی لے رہا ہے ایک آسیب کو محض اس لئے

میرے کمرے میں بھیجا تھا کہ وہ مجھے خوفزدہ کر سکے اور خاور کے خیال کو دل سے نہ نکالنے کی صورت میں خوفناک نتائج کی دھمکی دے---؟"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" نرگس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "میں نے محض ایک رسمی سوال کیا تھا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے---؟" عالیہ نے تھوڑے توقف کے بعد دبی زبان میں پوچھا۔ "کیا مجھے خاور سے اس کا تذکرہ کرنا چاہیے۔"

"میں تمہیں جلد بازی کا مشورہ نہیں دوں گی۔" نرگس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے جو کچھ تم نے دیکھا یا محسوس کیا وہ خدا کرے وہم ہی ثابت ہو۔ ایسی صورت میں بلاوجہ دوسروں کو ہنسی مذاق اڑانے کا موقع فراہم کرنا ایک نامناسب عمل ہو گا۔"

"پھر--- مجھے کیا کرنا چاہیے---؟" عالیہ الجھنے لگی۔ "بات اگر صرف بھیانک چہرے والے کی حد تک محدود رہتی تو شاید میں ان تمام باتوں کو صرف ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر فراموش کر دیتی--- لیکن دو باتیں مجھے خاص طور سے کسی پیش آنے والی خطرناک سچویشن کی نشاندہی کرتی محسوس ہو رہی ہیں---"

"وہ کیا---؟"

"ایک تو یہ کہ اس نے مجھے اس بات کی دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے خاور کو اپنے ذہن سے کھرچ کر نہ نکال دیا تو وہ مجھے کسی عذاب میں مبتلا کر دے گا اور دوسرے لباس کی تبدیلی--- میں بڑے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ میں رات اپنا شب خوابی کا لباس پہننے کے بعد ہی بستر پر لیٹی تھی---"

"ان دونوں باتوں سے تم کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو---؟" نرگس نے تعجب سے دریافت کیا۔

"ابھی تک میں بھی ان باتوں کا کوئی جواز تلاش کرنے سے قاصر ہوں لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی حس رہ رہ کر مجھے اس بات کا احساس دلا رہی ہے کہ خاور کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی طاقت ضرور مرا راستہ کھوٹا کرنے کی کوشش کرے گی۔"

"ویٹ از اٹ---" نرگس تیزی سے بولی۔ "میں یہی کہنا چاہ رہی تھی کہ وہ

بھیانک چہرے والا بھی تمہارے ہی ذہن کا ایک تصوراتی ہیولا ہے جو رات تمہیں نظر آیا تھا۔ خاور سے منسوب ہونے میں تمہارے لاشعور میں جو خطرات لاحق ہیں ان ہی کی ایک مسخ شدہ ہولناک صورت جو پہلی بار ایک متحرک منظر کی شکل میں تمہارے سامنے آئی ہے۔

"چلو تمہاری یہ بات مجبوراً تسلیم کئے لیتی ہوں لیکن صبح بیدار ہونے کے بعد میرے جسم پر ایک ایسے لباس کا نظر آنا جو میں نے خاص طور پر کسی تقریب کیلئے تیار کرایا تھا کیا معنی رکھتا ہے۔۔۔؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن میرا ذاتی مشورہ پھر بھی یہی ہے کہ فی الحال تم ان باتوں کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھو۔" نرگس نے بڑے خلوص سے کہا۔ "ہاں اگر دوسری بار ایسی کوئی نوبت آئی تو پھر ہمیں سنجیدگی سے کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"مثلاً۔۔۔؟"

"مثلاً یہ کہ ہمیں کسی ایسے معتبر شخص کی تلاش کرنی ہوگی جو جن بھوت سر سے اتارنے میں مہارت رکھتا ہو۔"

"کیا تم کسی ایسے شخص سے واقف ہو۔۔؟" عالیہ نے بدستور سنجیدگی سے دریافت کیا۔ شاید اس کے ذہن میں گربہ کشتن روز اول والا محاورہ کلبلا رہا تھا۔

"ابھی تک تو میرے اوپر ایسا کوئی برا وقت نہیں آیا۔" نرگس نے زیر لب مسکرا کر کہا۔ "لے دے کر ایک بیچارہ جمی ہے، اگر ضرورت پڑی تو اسی کو اعتماد میں لینا پڑے گا۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" عالیہ نے جواب دیا۔ "لیکن جب تک میں نہ کہوں تم جمشید سے میرے سلسلے میں کوئی ذکر نہ کرنا۔"

"خاور کے بارے میں تم نے کیا سوچ رکھا ہے۔۔۔؟" نرگس بولی۔ "میرا مطلب ہے کہ امتحانوں میں دو مہینہ رہ گیا ہے۔ اس کے بعد تمہارے اور اس کے درمیان ملاقاتوں کی صورت ذرا مشکل ہوگی۔"

"میں سمجھی نہیں۔۔۔" عالیہ نے وضاحت طلب انداز اختیار کیا تو نرگس تلملا کر

بولی۔

"تمہارے سر پر تو اب شاید وہی خوفناک صورت والا آسیب سوار رہے گا جس کی آنکھوں سے روشنیاں پھوٹتی ہیں۔۔ خدا کی بندی میرا مطلب یہ ہے کہ اب خاور اور تمہارے معاملے کو کسی طور آگے بڑھنا چاہئے۔"

"اس کی صورت تو خاور کے گھر والے ہی۔۔۔"

"ڈونٹ بی سلی عالیہ۔۔۔" نرگس نے اس بار جذباتی انداز میں کہا۔ "تم جانتی ہو کہ خاور کی ماں کس قدر مغرور اور نک چڑھی خاتون ہے۔ وہ خاور کی شادی کہیں اپر کلاس میں کرنے کے منصوبے بنا رہی ہوگی۔۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کیلئے کوئی لڑکی پسند بھی کر لی ہو اور آج کل اس کو اپنے اسٹینڈرڈ کی کسوٹی پر ناپ تول کر پرکھ رہی ہو۔۔ البتہ خاور کے ڈیڈ نہایت شریف، نیک اور ملنسار طبیعت کے مالک ہیں۔ کم از کم ان کے کانوں تک تو تمہاری اور خاور کی بات پہنچ جانی چاہئے۔"

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔۔۔" عالیہ نے بظاہر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وہ کیا۔۔۔؟" نرگس نے جلدی سے پوچھا۔

"تم برلاس انکل کا فون ملاؤ۔۔ میں براہ راست بات کئے لیتی ہوں۔"

عالیہ کے اس برجستہ جواب پر نرگس بے اختیار ہنس پڑی۔ کچھ دیر تک وہ دونوں اسی قسم کے دلچسپ اور انوکھے طریقوں کے بارے میں ہنستی بولتی رہیں پھر نرگس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم کہو تو میں ڈیڈ سے بات کروں وہ برلاس انکل کے اچھے واقف کار ہیں۔"

"لیکن اس سے پیشتر میرے گھر والوں کو بھی ہموار کرنا پڑے گا۔" عالیہ نے دبی زبان میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ امی اور ابو بھی اتنے اونچے گھرانے میں رشتہ کرنے سے گریز کریں۔۔۔"

"یہ تو تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ اب باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔" نرگس نے عالیہ کو بڑی بوڑھیوں کے انداز میں ڈانٹا پھر بڑی محبت اور اپنائیت سے بولی۔ "تم پریشان مت ہو۔۔ میں تمہارے ابو اور امی کو بھی رام کرنے کی خاطر کوئی راستہ نکال

لوں گی۔۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔" عالیہ نے نرگس کو خاموش ہوتا دیکھ کر تیزی سے دریافت کیا۔

"میری فیس ذرا تگڑی ہو گی۔۔" نرگس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سوائے خاور کے جو مانگو گی ملے گا۔" عالیہ نے بڑی سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ اگر چاہو تو انعام کے طور پر خوفناک چہرے والا آسیب بھی مل سکتا ہے۔"

پھر نرگس نے کوئی برجستہ جواب دینے کیلئے پہلو بدلا ہی تھا کہ کمرے کے پائیں باغ میں کھلنے والی کھڑکی کا شیشہ ایک پرشور آواز سے ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ نرگس اور عالیہ دونوں ہی خوف سے چیخ مار کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں لیکن کچھ دیر بعد اس وقت دونوں ہی کو اپنی بزدلی پر شرمندہ ہونا پڑا جب نرگس کا چھوٹا بھائی اپنی کرکٹ کی وہ گیند لینے کمرے میں داخل ہوا جو کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی آ گری تھی۔۔



عالیہ کے امتحانات شروع ہونے میں اب صرف بیس روز رہ گئے تھے۔ وہ شب و روز پڑھائی میں مصروف تھی۔ اس کی ماں نے امتحان کی تیاری کے پیش نظر اس سے گھر کا کام کاج لینا بھی بند کر دیا تھا اور ہر طرح سے بیٹی کا خیال رکھتی تھی۔ اسے اپنی بیٹی پر فخر تھا جو پہلی جماعت سے اب تک ہمیشہ ممتاز نمبروں سے کامیابی حاصل کرتی رہی تھی۔ ان کامیابیوں میں عابد حسین کا بھی ہاتھ تھا۔ انہوں نے عالیہ کو شروع سے ایسی تعلیم دی تھی کہ زندگی میں ہمیشہ کامیابیوں سے ہمکنار ہوتی رہی۔ ان کا رکھ رکھاؤ بیٹی سے باپ جیسا نہیں تھا۔ وہ ایک بے تکلف دوست کی حیثیت سے ہمیشہ عالیہ سے بہت کھل مل کر بات کرنے کے عادی تھے۔ اسی دوستی نے عالیہ کے اندر خود اعتمادی کی صورت پیدا کر دی تھی۔ اس نے ماں باپ کے عزت و احترام میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔ کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا تھا جو والدین کیلئے سبکی کا باعث بنتا۔ البتہ خاور کے سلسلے میں وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی۔

خاور سے عالیہ کے لگاؤ کی کہانی بھی بڑی سادہ تھی۔ ان دنوں وہ تیسرے سال کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ جب اس کے ایک اہم مضمون کے نوٹس کی کاپی نہ جانے کہاں گم ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی کسی ہم جماعت نے دیدہ و دانستہ نظریں بچا کر اس کی کاپی اڑا لی تھی۔ وہ کسی پر اپنے شبے کا اظہار نہیں کر سکتی تھی لیکن کاپی کی گمشدگی نے اسے ذہنی طور پر بہت الجھا دیا تھا۔ اگر وہ نئے سرے سے نوٹس تیار کرنے بیٹھتی تو اس کا اچھا خاصہ قیمتی وقت برباد ہو جاتا جب کہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کرنے کی عادی نہیں تھی۔ کوئی پیریڈ خالی ہوتا' نماز اور کھانے کا وقفہ ہوتا تو وہ کالج کی لائبریری میں جا کر بیٹھ جاتی اور وہاں ان کتابوں سے بھی استفادہ حاصل کرتی جنہیں وہ

خریدنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ لائبریری کی ان موٹی موٹی اور قیمتی کتابوں کے ریفرنس سے اسے بے حد مدد ملتی تھی۔ ان ہی کتابوں کی روشنی اور کلاس میں دیئے جانے والے لیکچروں کی مدد سے وہ بڑی محنت سے اپنے نوٹس تیار کرتی تھی جو اس کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔

تقریباً ایک ہفتے تک وہ اپنی گمشدہ کاپی کے سلسلے میں ذہنی طور پر بہت پریشان رہی پھر ایک روز وہ لائبریری سے نکل رہی تھی کہ خاور اچانک اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔ عالیہ اس کی کلاس میٹ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ خاور کروڑ پتی بزنس مین اکبر برلاس کا بیٹا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی کئی ہم جماعت لڑکیاں خاور برلاس کی شخصیت میں دلچسپی لیتی تھیں اور اس کا قرب حاصل کرنے کی خاطر قسم قسم کے بہانے تراشہ کرتی تھیں لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ خاور ٹھوس کردار کا مالک تھا۔ اپنی کلاس کے لڑکوں اور لڑکیوں سے ملنا جلنا اور ہنستا بولتا ایک علیحدہ بات ہے لیکن کم از کم عالیہ کا یہی خیال تھا کہ خاور کی نگاہوں میں کسی لڑکی کو دیکھ کر وہ چمک کبھی نہیں پیدا ہوئی تھی جسے محبت یا پسندیدگی سے تعبیر کیا جاتا۔

خاور صورت و شکل کے علاوہ بھی بہت ساری خوبیوں کا مالک تھا۔ کروڑ پتی باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کے باوجود اس کی طبیعت میں غرور و تکبر نام کو بھی نہیں تھا۔ وہ سب سے گھل مل جانے کا عادی تھا۔ پڑھائی میں بھی وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس کے علاوہ ایک اچھا اسپورٹس مین بھی تھا۔ بیڈمنٹن اس کا پسندیدہ کھیل تھا جس میں گزشتہ دو سالوں سے وہ کالج کا چیمپین تھا۔ دوسری لڑکیوں کی طرح عالیہ بھی اس کی خوبیوں کی مداح تھی لیکن اس نے نہ تو کبھی خاور کے بارے میں کوئی سہانے خواب دیکھے تھے نہ کبھی اس کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ اس روز جب اس نے خاور کو خلاف توقع اپنے راستے میں کھڑا دیکھا تو اسے تعجب ہی ہوا۔ خاور کی نگاہوں میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس نے عالیہ کے قدم پکڑ لئے تھے ورنہ وہ اس سے کترا کر اپنا راستہ بنا سکتی تھی۔

"آپ ——" اس نے خاور کو محض ایک واقف کار کلاس فیلو کی حیثیت سے

مخاطب کیا۔

"مجھے آپ سے ایک درخواست کرنی ہے ——" خاور نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا میں امید رکھوں کہ آپ میری درخواست رد نہیں کریں گی۔"

"قبل از وقت کوئی فیصلہ بھلا کس طرح کر سکتی ہوں۔" وہ بڑی سادگی سے بولی۔

"آپ بتائیں تو سہی بات کیا ہے ——؟"

"بات یہ ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیں تو کیا آپ معاف کر دیں گی۔" خاور کے لہجے میں عجیب سی معصومیت تھی۔

"معاف کر دوں ——" عالیہ گڑبڑا گئی۔ "مگر کس سلسلے میں ——؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"میں آپ کا مطلوبہ مجرم ہوں۔"

"مطلوبہ مجرم ——" عالیہ نے کنکھیوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھی نہیں ——"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ گزشتہ چند دنوں سے کچھ پریشان پریشان سی ہیں ——"

"اول تو میں پریشان نہیں ہوں۔" عالیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "امتحانات قریب ہیں اس لئے ممکن ہے آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ قائم کر لیا ہو —— لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ میں پریشان ہوں تو میری کسی پریشانی سے آپ کے مجرم ہونے کا کیا تعلق ہے؟"

"گویا آپ کے خیال میں میں مجرم نہیں ہوں ——" خاور نے جلدی سے پوچھا۔

"خاور صاحب' آپ کیوں مجھ سے کسی ایسی بات کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں جس سے میں سرے سے واقف ہی نہیں ہوں۔" وہ قدرے الجھ سی گئی۔

"اچھا پہلے یہ بتا دیجئے کہ کیا میں صورت شکل سے مجرم نظر آتا ہوں ——؟"

"قطعاً نہیں ——" وہ جان چھڑانے کی خاطر بولی۔ یوں بھی اسے یقین تھا کہ خاور جیسا طالب علم جسے وہ گزشتہ تین سال سے جانتی تھی کسی ایسے جرم کا ارتکاب

aazzamm@yahoo.com

نہیں کر سکتا جو قابل معافی نہ ہو۔

"ایک اور بات معلوم کرنا چاہوں گا۔" خاور نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اگر ضرورتاً" کوئی چیز چوری کر لی جائے اور پھر بڑے خلوص اور نہایت شکریے کے ساتھ اسے اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے تو کیا آپ اسے ناقابل معافی جرم کے زمرے میں شمار کریں گی؟"

"پلیز مسٹر خاور۔۔۔" عالیہ نے اس بار بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ بلاوجہ مجھ سے فری ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کو غالباً" علم نہیں ہے کہ میں ایک غریب مگر غیور اسکول ماسٹر کی بیٹی ہوں۔ میں راستے میں پیش آنے والی مشکلات سے کبھی خوفزدہ یا ہراساں نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن۔۔۔ میں کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"آپ کی گمشدہ کاپی۔۔۔" جواب میں خاور نے اپنے شانوں سے لٹکے ہوئے اسپورٹس بیگ سے عالیہ کی کھوئی ہوئی کاپی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔ "ایک ہفتہ پہلے آپ اسے لائبریری میں بھول گئی تھیں۔ میری نظر پڑی تو میں نے اسے اٹھا لیا۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے پہلی فرصت میں آپ کو لوٹا دوں گا مگر نہ جانے کیوں میرے دل میں بے ایمانی آ گئی۔ شاید ان قیمتی اور ضروری نوٹس کی وجہ سے جو کاپی میں موجود تھے۔ میں نے آپ سے اجازت لئے بغیر ان کو اتار لیا۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اس کاپی کی واپسی کی خاطر میں نے آپ کو ایک دوست کی حیثیت سے اس وقت روک لیا تھا لیکن۔۔۔ میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے کبھی آپ کے خلاف کسی اسکینڈل کے بارے میں بھول کر بھی نہیں سوچا۔ اسی لئے تو دل پر جبر کر کے آپ سے ہمیشہ دور دور ہی رہا۔۔۔"

پھر اس سے پہلے کہ عالیہ کوئی جواب دیتی خاور کاپی واپس کر کے تیزی سے مڑا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا دور نکل گیا۔ عالیہ بت بنی کھڑی خاور کو دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں خاور کی زبان سے نکلے ہوئے آخری جملے صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگے۔

"خدا گواہ ہے کہ میں نے کبھی آپ کے خلاف کسی اسکینڈل کے بارے میں بھول کر

بھی نہیں سوچا' اسی لئے دل پر جبر کر کے آپ سے ہمیشہ دور دور ہی رہا۔۔"

عالیہ اتنی بچی نہیں تھی کہ خاور کے ان جملوں کا مفہوم نہ سمجھ سکتی۔ بڑی دیر تک وہ اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی ان جملوں کی باریکیوں پر غور کرتی رہی پھر وہ کچھ دیر کیلئے کمزور پڑی تو وہ جملے موقع پا کر اس کے ذہن سے پھسل کر دل کی گہرائیوں میں جذب ہو گئے۔ وہ چھوئی موئی کے معصوم پودے کی مانند اپنے وجود میں سمٹ کر رہ گئی۔ اس نے انکھیوں سے قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی کلاس روم کی جانب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگی۔ خاور کا تصور اور اس کے جملوں کی گہرائی عشق پیچاں کی بیل کی مانند عالیہ کے خواب و خیال پر پھیل رہی تھی۔۔ پھر رفتہ رفتہ وہ خاور کے قریب ہوتی چلی گئی۔ اتنے قریب کہ خاور سے جدائی کا تصور بھی اسے کسی قیمت پر منظور نہیں تھا۔



اس وقت بھی جب رات کے دو بجے وہ پڑھائی سے فارغ ہو کر تھکی ماندی بستر پر لیٹی تو خاور کا خوابناک تصور اس کے ذہن کو تھپکیاں دینے لگا۔ نرگس کی سنجیدہ کوششوں نے اس کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کی خاطر بڑا موثر قدم اٹھایا تھا۔ اس نے اپنی ماں کے ذریعہ یہ بات عالیہ کی ماں کے کانوں تک پہنچا دی تھی کہ اگر عالیہ اور خاور کی دوستی کسی خوشگوار رشتے میں تبدیل ہو جائے تو نہایت مناسب ہو گا۔ نرگس کی ماں نے اس سلسلے میں اپنی ہر ممکن خدمات بھی پیش کی تھیں۔

ماں نے بیٹی سے کوئی ذکر نہیں کیا لیکن عالیہ کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اب اس کے گھر میں اس کے والدین کے درمیان خاور کے رشتے کے سلسلے میں راز و نیاز شروع ہو چکے ہیں۔ عالیہ کو اپنے والدین کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے والدین اپنی اولاد کی خوشیوں کی خاطر ضرور موثر کردار ادا کریں گے۔ اگر کوئی خطرہ لاحق تھا تو خاور کی ماں کی طرف سے تھا۔ نرگس نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ بیحد مغرور اور نک چڑھی عورت ہے ہر کام میں اپنے اسٹیٹس کا خیال رکھنا اس کی عادت تھی۔ ایک بار عالیہ نے دبی زبان میں خاور سے بھی مستقبل کے بارے میں مختصر

سی گفتگو کی تھی۔ خاور نے صرف اتنا جواب دیا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکے گی۔

اس وقت بھی وہ خاور ہی کے بارے میں سوچتے سوچتے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔ وہ کتنی دیر محو خواب رہی اسے کچھ یاد نہیں رہا۔ لیکن اتنا ضرور یاد تھا کہ دوسری بار وہ اس وقت بیدار ہوئی جب دیوار پر کلاک نے رات کے چار بجے کے عمل کا اعلان کیا تھا۔ ٹن—— ٹن—— ٹن—— ٹن بجنے والے گھنٹے کسی آہنی ہتھوڑے کی مانند اس کے ذہن پر ضرب لگا رہے تھے۔ گھنٹوں کی آواز ختم ہوئی تو اس نے دوسری کروٹ بدلی—— اسی وقت بند دروازے پر ہلکی ہلکی دستک کی آوازیں ابھرنی شروع ہوئیں تو ایک لمحے کو خوفزدہ سی ہو گئی—— "اتنی صبح صبح کون ہو سکتا ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا پھر دل کڑا کر کے اٹھی اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی دروازے تک آ گئی۔ وہ دروازے کی جھری سے باہر دیکھنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ماں کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"عالیہ—— دروازہ کھول بیٹی—— عالیہ—— عالیہ——"

اس نے جلدی سے دروازے کی چٹخنی کھول دی۔ ماں کی آواز شناخت کرنے میں اس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ دروازے کے پٹ کھولنے کے بعد اس نے ماں ہی کو دروازے پر کھڑا دیکھا۔ وہ کچھ پریشان پریشان سی نظر آ رہی تھی۔

"کیا بات ہے ماں——؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "سب خیریت تو ہے——"

"ہاں—— خیریت ہی ہے——" ماں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا پھر جب وہ اندر سے دروازہ بند کرنے لگی تو عالیہ کے ذہن میں وسوسے جاگ اٹھے۔

"ماں—— آخر بات کیا ہے؟" عالیہ نے پریشان سے لہجے میں دریافت کیا۔ "تم یہ دروازہ کیوں بند کر رہی ہو—— ابو کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

پریشان مت ہو میری جان——" ماں نے اس بار مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یوں ہی دل گھبرا رہا تھا اس لئے تمہارے پاس چلی آئی۔"

کچی نیند میں بیدار ہونے کے سبب عالیہ کو بار بار جماہیاں آ رہی تھیں۔ ماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر وہ مطمئن ہو گئی تھی اس لئے نیند میں اونگھتی ہوئی دوبارہ اپنے بستر پر دراز ہو گئی۔ ماں بھی اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ غنودگی کی کیفیت اتنی شدید تھی کہ عالیہ نیند کی آغوش میں ڈوبتی جا رہی تھی لیکن کچھ دیر بعد ہی وہ چونک اٹھی اسے یکلخت ہی اس بات کا احساس ہوا تھا کہ جو لمس وہ محسوس کر رہی ہے وہ ایک ماں کا نہیں تھا پہلے بھی متعدد بار وہ ماں کے ساتھ ایک ہی بستر پر سو چکی تھی لیکن کسی اجنبیت کا وہم بھی اس کے ذہن میں نہیں ابھرا تھا مگر آج نہ جانے کیوں اسے اپنا دل سینے کی گہرائیوں میں خوف اور لذت کے ملے جلے احساس سے دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے وجود میں ایک انجان سی کیفیت سر ابھار رہی تھی۔ چند ثانیے کے لئے وہ اس نا آشنا کیفیت کے بارے میں غور کرتی رہی پھر ایک پریشان کن خیال نے اسے بری طرح خوفزدہ کر دیا۔ اس نے بڑی تیزی سے کروٹ بدل کر ماں کے وجود کی تصدیق کرنی چاہی لیکن اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دل کی دھڑکنیں دوچند ہو گئی۔ اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ سو فیصد ماں کی آواز تھی جسے سن کر اس نے خوابگاہ کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ نیند میں ضرور تھی لیکن اس نے ماں کو پہچاننے میں بھی کوئی غلطی نہیں کی تھی لیکن اب وہ جسے سہمی سہمی نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ اس کی ماں نہیں تھی ایک خوبرو کھبرو جوان تھا جس کی بڑی بڑی آنکھوں میں شیطانی جذبات کی سرخیاں رقص کر رہی تھیں۔ ہونٹوں پر غلیظ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ عالیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو لیکن جب نوجوان کے ناپاک ہاتھوں کا لمس دوبارہ اس کے بدن پر جاگا تو ساری جان سے لرز اٹھی۔ اس خیال سے ہی وہ کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند کپکپا کر رہ گئی کہ وہ جس پچویشن سے دو چار تھی اس کی انتہا نہ صرف بے حد شرمناک تھی بلکہ اس کے روشن مستقبل کو ہمیشہ کیلئے گہنا بھی سکتی تھی۔

عالیہ نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالا۔ خوفزدہ ذہن کو مدافعت کیلئے آمادہ کیا۔ پھر منتشر قوتوں کو یکجا کر کے اس نے پوری کوشش کی کہ ایک ہی جھٹکے میں

ان ہاتھوں کے حصار سے نکل کر دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل جائے جو زہریلے ناگ بن کر اس کے وجود کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر اسے پہلی بار احساس ہوا کہ نوجوان کا جسم لباس سے عاری ہے تو اس کا سانس گھٹنے لگا۔

وحشت اور خوف کا احساس عالیہ کو جنونی کیفیت سے دو چار کر رہا تھا۔ اپنی بربادی کے تصور ہی سے وہ دیوانی ہو رہی تھی۔ اس نے پوری قوت لگا کر ایک بار پھر ان ناپاک ہاتھوں کے شکنجے کو توڑنا چاہا لیکن کلبلا کر رہ گئی۔ آنے والے لمحے اس کے دل و دماغ کو نشتر لگا رہے تھے۔ اس نے پوری قوت سے حلق پھاڑ کر چیخنا چاہا لیکن یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ کسی غیر مرئی قوت نے اس کی قوت گویائی کو سلب کر رکھا تھا۔ وہ کسی ماہر شکاری کے مضبوط جال میں پھنسے کسی کمزور پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگی۔ آزادی اور رہائی کے سارے راستے مسدود ہو گئے تھے۔

"حماقت سے کام مت لو۔۔۔" نوجوان نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ میرا کہا مانو تو ہنسی خوشی اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔۔۔ ورنہ تم نے وہ مثال ضرور سنی ہو گی کہ دلدل میں پھنسا ہوا انسان اپنے بچاؤ کیلئے جس قدر ہاتھ پاؤں مارتا ہا اتنا ہی دلدل کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔"

"کون ہو تم۔۔۔؟" عالیہ نے خوفزدہ نظروں سے اسے گھورا۔

"تمہارا پرستار۔"

"میں تمہیں نہیں جانتی۔۔۔" عالیہ نے اسے حقارت سے مخاطب کیا۔ خود اسے اپنی آواز کسی کنوئیں کی اتھاہ گہرائیوں سے گھٹی گھٹی ابھرتی محسوس ہو رہی تھی۔

"اسی لئے تو میں آج تمہارے اتنے قریب آ گیا ہوں کہ دوبارہ ہمارے درمیان کسی قسم کے تکلف کی دیوار حائل نہ ہو سکے۔"

"خدا کے لئے۔۔۔" عالیہ نے تڑپ کر التجا کی۔ "مجھے برباد مت کرو۔"

"ایک شرط پر ایسا ممکن ہے۔۔۔" نوجوان نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "تم خاور کو ہمیشہ کیلئے بھول جانے کا وعدہ کرو۔"

"تم۔۔۔" عالیہ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ اس کے ذہن میں وہ بھیانک شکل والا ابھر آیا جس نے خاور کے سلسلے میں عالیہ کو خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی۔۔۔ "تو کیا۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" نوجوان نے معنی خیز انداز میں عالیہ کے ذہن میں ابھرتے ہوئے سوال کو محسوس کر کے جواب دیا۔ "میں وہی ہوں اس روز تم مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی تھیں اس لئے تمہیں خوش کرنے کی خاطر میں نے آج ایک خوبصورت شکل اختیار کر لی۔۔۔ "کیا میں تم کو خاور سے زیادہ خوبصورت اور تندرست نظر نہیں آ رہا۔۔۔؟"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نوجوان کا جواب سن کر وہ اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا یقیناً شکلیں اور ہیت بدلنے پر پوری طرح قادر تھا۔۔۔ لیکن اس نے ماں کا روپ اختیار کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ اگر وہ بند دروازے سے بھی ہوا کے تیز و تند جھونکے کی مانند گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا تو پھر اسے ڈھونگ رچانے کی کیا حاجت تھی۔۔۔" عالیہ کے پریشان ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ اس کی نگاہیں جس سے خوف اور رحم طلب کرنے کا احساس جھانک رہا تھا بدستور نوجوان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ جو بڑے سکون سے اس کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ عالیہ اس کے قرب کو برداشت کرنے پر مجبور تھی اس لئے کہ وہ ماورائی قوتوں کا مالک تھا۔

"اپنے ذہن کو پریشان مت کرو۔۔۔" نوجوان نے عالیہ کے ریشمی بالوں سے کھیلتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہارے ذہن میں جو بھی خیال ابھرتا ہے میں اسے پڑھ لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہوں۔ مجھے تمہاری ماں کی صورت کیوں اپنانی پڑی۔۔۔؟ اس کی بھی ایک اہم وجہ ہے۔ تمہاری ماں نے میرا راستہ روکنے کی خاطر تمہارے کمرے پر کچھ پڑھ کر پھونک رکھا تھا' وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتی لیکن کبھی کبھی تمہارے سکون و آرام اور تحفظ کی خاطر اس کی ممتا پھڑک اٹھتی ہے۔۔۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا اس لئے مجھے اس کا توڑ کرنے کی خاطر اسی کی شکل اپنانی پڑی۔"

"میں۔۔۔ میں تم سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔۔۔" عالیہ نے بے بسی کے عالم

میں سوچا۔

"مجھے تمہاری ہر خوشی منظور ہے لیکن اس شرط پر کہ تم خاور کا خیال ذہن سے نکال دو۔" نوجوان نے عالیہ کے گالوں پر ہلکی سی چٹکی لے کر اپنی محبت کا اظہار کیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم کبھی کسی سے شادی کرو۔۔۔ تم سچے دل سے وعدہ کر لو تو میں دور دور رہ کر تمہاری پرستش کرتا رہوں گا۔۔۔ تم کسی اور کی آغوش کی زینت بنو یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ اور اگر تم نے میرا حکم ماننے سے انکار کیا تو بہت نقصان میں رہو گی۔۔۔ بولو' کیا تمہیں میری شرط منظور ہے۔۔۔؟"

عالیہ دل مسوس کر رہ گئی۔ وہ کسی آسیب کی محبت میں زبردستی گرفتار ہو کر زندگی گزارنے کا وعدہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔" نوجوان کی نگاہوں میں خون کی سرخیاں تیرنے لگیں۔ تم شرافت سے میری بات نہیں مانو گی لیکن میں نے بھی یہ عہد کر رکھا ہے کہ اگر تم نے میری محبت کو ٹھکرانے کی کوشش کی تو میں بھی سکون کا ایک ایک پل تمہارے اوپر حرام کر دوں گا۔"

عالیہ نوجوان کی خوفناک نگاہوں کی سرخیاں برداشت نہ کر سکی۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں موند لیں۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ دوبارہ آنکھ کھول کر نوجوان کے منحوس وجود کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اس خیال کے ذہن میں ابھرتے ہی عالیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے پورا کمرہ شدید اور ہولناک زلزلے کی زد میں آ گیا ہو۔ اس کا وجود کسی بے سہارا تنکے کی مانند بپھری ہوئی موجوں پر ڈگمگانے لگا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن گھپ اندھیروں میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن اپنے ارادے میں بری طرح ناکام رہی۔ پھر اچانک بھیانک قہقہوں کی خوفناک آوازیں اس کی قوت ساعت سے ٹکرانے لگیں۔ وہ دم سادھے پڑی تھی کہ یکلخت اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے فضا میں بلند کر کے زمین پر پھینک دیا ہو۔

عالیہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی

نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے کمرے میں ہی تھی۔ وہاں اس کے سوا کوئی اور موجود نہیں تھا۔ کمرے کا دروازہ پوری طرح بند تھا لیکن صرف ایک تبدیلی ایسی تھی جسے دیکھ کر وہ خوف سے کانپ اٹھی۔ وہ اس وقت اپنے بستر کے بجائے فرش پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔۔۔ گویا جو کچھ اس نے محسوس کیا تھا وہ محض خواب نہیں تھا۔ یقیناً" وہ کوئی نادیدہ قوت ہی تھی جس نے اسے بستر سے اٹھا کر زمین پر پھینک دیا تھا۔۔۔

دہشت کا احساس اتنا شدید تھا کہ عالیہ اپنی گھٹی گھٹی چیخ پر قابو نہ پا سکی لیکن پھر اس نے دونوں ہاتھ منہ پر جما کر ان چیخوں کو دور تک پھیلنے سے روک لیا جو کچھ اس پر گزر رہی تھی وہ فوری طور پر اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خود پر کسی حد تک قابو پانے کے بعد اس نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

عالیہ نے جلدی سے اٹھ کر بتی روشن کی۔ دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھو کر وضو کیا پھر جاء نماز بچھا کر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔



دوسری بار ناقابل یقین حالات سے دو چار ہونے کے بعد عالیہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ اس نے ماں کو اصل صورت حال سے تو آگاہ نہیں کیا لیکن اس بات کی درخواست ضرور کی کہ اس کیلئے کامیابی کی دعا کریں۔ اس دعا کے بہانے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ امتحان کی وجہ سے رات کو اس کا ذہن منتشر رہنے لگا ہے۔ عجیب عجیب سے خواب نظر آتے ہیں اس لئے وہ کوئی ایسی دعا بھی پڑھ کر دم کر دیا کریں کہ وہ سکون و اطمینان سے گزار سکے۔

"میں تو اکثر دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی ہوں۔" ماں نے بڑی شفقت سے کہا۔ "آئندہ پابندی سے خیال رکھوں گی۔ ویسے تم بھی سوتے وقت چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کرو۔۔۔ خدا نے چاہا تو تمہیں برے خواب آنا بند ہو جائیں

گئے۔"

ماں کے کہنے کے بعد اس نے بڑی پابندی سے چاروں قل پڑھنے شروع کر دیئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی وہ یہ دعا مانگ کر سوتی تھی کہ خدا اس کو اپنے حفظ و اماں میں رکھے۔ اسے خوشی تھی کہ اب اسے رات میں پرسکون نیند آنی شروع ہو گئی تھی۔

پہلی بار عالیہ نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا اس کا ذکر وہ نرگس سے کر چکی تھی لیکن دوسری بار اس نے کسی سے کوئی ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ امتحانات کی وجہ سے وہ اپنی تیاریوں میں شب و روز اس قدر منہمک رہتی تھی کہ اسے کسی دوسری بات پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ البتہ یہ بات اسے نرگس کی زبانی معلوم ہو چکی تھی کہ خاور سے اس کے رشتے کی بات اکبر برلاس تک پہنچ چکی تھی۔ خود نرگس کے والد سردار علی نواز نے اس ضمن میں گفتگو کی تھی۔ نرگس کے بیان کے مطابق خاور کے والد نے اس رشتے پر ہمدردی سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا رہا۔ امتحانات شروع ہوئے تو عالیہ کو سر اٹھانے کا بھی ہوش نہیں رہا۔ ایک پرچہ ختم ہوتا تو وہ دوسرے کی تیاری میں مصروف ہو جاتی۔ گذشتہ ایک ماہ سے اس نے خاور کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی لیکن جس دن وہ آخری پرچہ دے کر اپنے سنٹر سے باہر نکلی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ نرگس اور اس کا سنٹر ایک ہی تھا اس لئے وہ اسی کے ساتھ آتی جاتی تھی۔ راستے میں دونوں دوسرے دن کے پرچے کے بارے میں مصروف گفتگو ہو جاتیں۔ نرگس ہر روز عالیہ سے یہی پوچھتی تھی کہ اس کا پرچہ کیسا ہوا۔۔۔؟ آخری پرچہ ختم ہونے کے بعد بھی اس نے یہی سوال کیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمام پرچے اچھے ہوئے ہیں۔" عالیہ نے خوشی کا اظہار کیا۔

"گویا اس بار بھی پہلی پوزیشن لینے کا ارادہ ہے۔۔۔"

"اگر خدا کو منظور ہوا تو۔۔۔" عالیہ نے انکساری سے کام لیا پھر دبی زبان میں بولی۔ "آج کا پروگرام تو تمہیں یاد ہے نا۔۔۔"

"کون سا پروگرام۔۔۔؟" نرگس نے شوخی سے دریافت کیا حالانکہ اسے یاد تھا کہ

آج عالیہ کو خاور سے ملنا تھا اور یہ کام نرگس کے ذمہ تھا کہ وہ عالیہ کو اس جگہ پہنچا دیتی جہاں خاور نے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" عالیہ نے بھی مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔ "اگر تمہیں زحمت ہو رہی ہے تو میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

"کہاں چلی جاؤ گی۔۔۔؟" نرگس نے بدستور شرارت سے پوچھا۔ "کچھ پتہ تو چلے۔۔۔"

"جمشید کے پاس۔۔۔" عالیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اے لڑکی۔۔۔" نرگس نے یکلخت سنجیدگی اختیار کر لی۔ "حواسوں میں رہنا اپنے۔۔۔ خبردار جو تم نے کبھی مذاق میں بھی دوسری بار جمشید کا نام لیا۔ میں مذاق میں بھی یہ برداشت نہیں کروں گی کہ کوئی دوسرا میری موجودگی میں جمی کا نام لے۔۔۔"

"پھر سیدھی طرح بتاؤ کہ تمہیں آج کا پروگرام یاد ہے کہ نہیں۔۔۔؟"

"مری کیوں جا رہی ہو میری جان۔" نرگس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ آج ہماری لیلٰی کو اپنے مجنوں سے ملنے جانا ہے۔"

عالیہ نرگس کے انداز تخاطب پر شرما کر رہ گئی۔ دونوں سہیلیاں ہنستی بولتی سنٹر سے باہر آئیں تو نرگس کی گاڑی وہاں موجود تھی۔ ڈرائیور نے انہیں قریب آتا دیکھ کر لپک کر دروازہ کھول دیا۔

"آج مجھے عالیہ کے ساتھ کہیں شاپنگ کیلئے جانا ہے اس لئے تم گھر واپس چلے جاؤ۔" نرگس نے ڈرائیور کو ہدایت کی پھر اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ عالیہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"تمہاری امی کو تمہارے دیر سے گھر پہنچنے پر کوئی تشویش تو نہیں ہو گی؟" نرگس نے راستے میں پوچھا۔

"میں امی کو بتا کر آئی ہوں کہ آج مجھے تمہارے ساتھ کسی سہیلی سے ملنے جانا ہے۔"

"کیا مطلب ـــ؟" نرگس نے پیار سے چونک کر کہا۔ "اب تمہاری خاطر مجھے آنٹی کے آگے جھوٹ بھی بولنا پڑے گا۔"

"فی الحال تو ایسا ہی ہے ـــ" عالیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"عالیہ ـــ" نرگس نے کچھ دیر بعد سرسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ "وہ بھیانک چہرے والا تمہیں دوسری بار تو نظر نہیں آیا۔"

"نہیں ـــ" عالیہ نے جلدی سے کہا لیکن نہ جانے کیوں اس کے تذکرے پر خوف کی ایک لہر عالیہ کے جسم میں ضرور دوڑ گئی تھی۔

پندرہ منٹ بعد نرگس نے عالیہ کو ایک پوش علاقے میں واقع سپر اسٹور کے سامنے اتار دیا۔ عالیہ نے دور ہی سے خاور کی گاڑی کو پہچان لیا تھا لیکن وہ سیدھی گاڑی کی طرف نہیں گئی۔ سپر اسٹور کے اندر چلی گئی جہاں خاور اس کا منتظر تھا۔ دونوں نے تھوڑی بہت شاپنگ کی پھر باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان امتحان کے بارے میں گفت و شنید ہوتی رہی پھر خاور نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"ہماری ایک مشکل سردار انکل نے آسان کر دی ہے۔ ہم دونوں کو اس سلسلے میں نرگس کا شکرگزار ہونا چاہئے۔"

"تمہارے ڈیڈ کا کیا خیال ہے ـــ؟" عالیہ نے کسمسا کر مدھم آواز میں دریافت کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ڈیڈ کو میری مرضی معلوم ہو جانے کے بعد کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"کیا تمہاری ممی بھی مجھے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی؟" اس بار عالیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"ان کو ہموار کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔" خاور نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ "وہ اپنے اسٹیٹس اور گروپ کا بہت زیادہ خیال رکھتی ہیں لیکن بہرحال انہیں میری خوشی اور پسند کو قبول کرنا پڑے گا۔"

"اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو ـــ؟"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" خاور نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "میں نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اسے ہر قیمت پر نبھاؤں گا۔ میں ڈیڈ کی اجازت لے کر تم سے کورٹ میرج کر لوں گا۔ بعد میں ممی کو بھی یہ رشتہ مجبوراً قبول کرنا پڑے گا۔"

"جو رشتے مجبوری سے قبول کئے جائیں وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتے ـــ" عالیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے تمہارے ڈیڈ تمہیں کورٹ میرج کی اجازت دے دیں لیکن میرے والدین اس بات پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔"

"ڈونٹ وری ـــ" خاور نے لاپرواہی سے کہا۔ "اگر ہماری محبت سچی ہے تو کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

"خاور ـــ" عالیہ نے تھوڑے توقف کے بعد کچھ سوچ کر پوچھا۔ "کیا تمہیں خوابوں پر اعتبار ہے۔"

"خوابوں پر اعتبار ـــ" خاور نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں بھی نہیں سمجھ سکی ـــ لیکن گزشتہ دنوں میں دو تین بار ایسے پریشان کن خواب دیکھ چکی ہوں جس سے مجھے ایک نامعلوم سا خوف رہنے لگا ہے ـــ"

"خواب کیا تھے ـــ؟" خاور نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"کئی بار میں نے تمہیں اور اپنے آپ کو عروسی جوڑے میں دیکھا۔" عالیہ نے بڑی خوبصورتی سے نظر آنے والے ڈراؤنے خواب میں ردوبدل کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "ایک بڑے سے ہال میں تمام مہمان جمع ہیں۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا ہے لیکن عین نکاح کے وقت ایک عجیب الخلقت پرندہ نمودار ہو کر افراتفری پھیلا دیتا ہے۔ اس کی کریہہ اور بھیانک آواز سن کر مہمانوں میں بھگدڑ مچ جاتی ہے پھر ایک منحوس آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے ـــ تمہارے خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے۔ سرخ جوڑا تمہیں کبھی راس نہیں آئے گا اور ـــ پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے ـــ"

"وہاٹ نان سنس ـــ" خاور نے بیزاری سے کہا۔ "تم پڑھی لکھی ہو کر ایسے

سیدھے خوابوں سے پریشان ہو رہی ہو۔"

"میں نے بھی خود کو تسلی دینے کی بہت کوشش کی ہے لیکن۔۔۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔" خاور نے تیزی سے کہا۔ "تمہیں میرے اوپر اعتماد کرنا چاہیے۔۔۔ تم خوفناک پرندے کی بات کر رہی ہو۔۔۔ اگر ہمارے راستے میں کوئی آدم خور شیر بھی آیا تو تمہاری خاطر میں اسے بھی چیر پھاڑ کر رکھ دوں گا۔"

عالیہ نے محبت بھری نظروں سے خاور کی جانب دیکھا۔ اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا لیکن یہ خوشی زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکی۔ عالیہ نے خاور کی جانب سے نظر گھما کر سامنے کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اپنے خواب کے حوالے سے اس نے ایک فرضی عجیب الخلقت پرندے کا ذکر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر کیا تھا لیکن اب وہ حقیقت میں ایک ایسے پرندے کو فضا میں منڈلاتا دیکھ رہی تھی جو چیل سے مشابہہ تھا۔ اس کے پر پوری طرح فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان پروں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ سر کی جگہ ایک گول دائرہ نظر آ رہا تھا۔ جس میں متعدد بڑی بڑی نوکدار سونڈیں کسی دھات کی مانند چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ گول سر کے درمیان ویسے ہی گول اور روشن دائرے تیزی سے گردش کرتے نظر آ رہے تھے جیسے عالیہ نے پہلی بار نظر آنے والے بھیانک چہرے والے کی آنکھوں میں گردش کرتے دیکھے تھے۔ پرندے کا رخ کار ہی کی سمت تھا اور وہ فضا کی بلندیوں سے تیزی سے پرواز کرتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔ عالیہ خوف سے کانپ اٹھی۔ اس نے خاور کو اس پرندے سے ہوشیار کرنے کی خاطر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خاور۔۔۔ وہ دیکھو وہ خوفناک پرندہ ہماری ہی کار کی سمت آ رہا ہے۔۔۔"

"مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔۔۔" خاور نے دور تک نظر دوڑانے کے بعد کہا۔ "کم آن عالیہ۔۔۔ پلیز' خواب میں نظر آنے والی باتوں کو بھولنے کی کوشش کرو وہ تمہارے وہم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔۔۔"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور اسی عجیب و غریب پرندے پر مرکوز تھیں جو ونڈ اسکرین کے قریب آ کر رک گیا تھا۔ روشن دائروں کی گردش ہر

لمحہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ پھر عالیہ کے کانوں میں ایک کھرکھراتی ہوئی آواز گونجی۔۔۔

"میری رعایت سے فائدہ مت اٹھاؤ۔۔۔ ورنہ تمہاری زندگی بڑی عذاب ناک ثابت ہو گی۔"

عالیہ نے اس ہیبت ناک پرندے کی دہشت سے چیخنے کی کوشش کی لیکن گردش کرتے ہوئے روشن دائروں کے حصار میں الجھتی چلی گئی پھر اس نے اپنا سر سیٹ پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب رہا تھا۔ "عالیہ' ہوش میں آؤ پلیز۔۔۔ عالیہ۔" خاور نے اس کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے اسے دو تین آوازیں دیں لیکن عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر جھلملانے والے پسینے کے قطرے خاور کو الجھن میں مبتلا کر رہے تھے۔۔۔ کچھ سوچ کر اس نے گاڑی کی رفتار کو کم کیا پھر اسے بائیں جانب موڑ کر نرگس کی رہائش گاہ کی سمت فراٹے بھرنے لگا۔۔۔ عالیہ بدستور دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہی تھی۔۔۔

اکبر برلاس انتہائی شریف' دور اندیش اور معاملہ فہم شخصیت کے مالک تھے۔ نرگس کے والد سردار علی نواز سے ان کی واقفیت شروع شروع میں کاروباری نوعیت کی تھی لیکن دونوں کی طبیعتوں میں چونکہ یکسانیت تھی اس لئے وہ بہت جلد کاروباری لین دین کے علاوہ ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ ان دونوں کے گھروں میں میل جول بھی بڑھنے لگا۔ اکبر برلاس کو خاص طور پر نرگس بہت پسند تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر سردار علی نواز سے ان کی دوستی رشتہ داری میں تبدیل ہو جائے تو دو کاروباری ذہن مل جل کر بزنس کی دنیا میں نئے نئے انقلاب لا سکتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ وہ نرگس کیلئے ہاتھ بڑھاتے اس کا رشتہ جمشید سے ہوگیا۔ نرگس کے والدین جب مٹھائی کے ساتھ اس کے رشتے کی خوشخبری سنانے آئے تو اکبر برلاس کی حسرت دل کی دل میں ہی رہ گئی۔ انہیں اس بات کا ملال ہوا کہ ایک دیکھا بھالا اور موزوں رشتہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے بعد جب سردار صاحب نے انہیں خاور کیلئے عالیہ کے رشتے کی تجویز پیش کی تو انہوں نے اس رشتے پر ہمدردی سے غور کرنے کا وعدہ کر لیا۔

سردار صاحب نے چونکہ دبی زبان میں اس بات کا ذکر بھی کر دیا تھا کہ خاور اور عالیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اس لئے اکبر برلاس نے تمام پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کیا۔ خاور ان کا اکلوتا بیٹا تھا اس لئے وہ شادی سے پہلے لڑکی کے گھر والوں کو ہر پہلو سے ٹھونک بجا کر دیکھنا چاہتے تھے۔ انہیں اپنے خون پر اعتماد تھا لیکن عالیہ کے سلسلے میں انہوں نے مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرانی شروع کر دیں اور بالآخر انہوں نے ذاتی طور پر اس رشتے کو پسند کر لیا۔

عالیہ کے سلسلے میں اکبر برلاس کو اگر کوئی الجھن تھی تو وہ اس کے درمیانہ درجے

سے متعلق ہونے سے تھی۔ اکبر برلاس نے بھی اپنے ماضی کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ خود ان کا اپنا تعلق بھی ایک اوسط درجے کے گھرانے سے تھا لیکن جب قسمت کی دیوی ان پر مہربان ہوئی تو وہ کروڑوں اور اربوں میں کھیلنے لگے۔ یہ سب ان کی ذاتی محنت' خدا کی ذات پر مکمل اعتماد و ایمانداری اور شب و روز کی محنت کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے نرگس کی ذات۔۔۔ اس کے گھریلو ماحول اور خاندان کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل کی تھیں وہ ان کے نزدیک نہایت اطمینان بخش تھیں۔ انہیں اس بات پر بھی بھروسہ تھا کہ نرگس کے والد نے پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی عالیہ کی بات ان کے کان میں ڈالی ہو گی۔ اس کے علاوہ سب سے اہم بات یہ تھی کہ عالیہ خاور کی پسند بھی تھی۔

اکبر برلاس کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ خاور کے امتحانات ختم ہوتے ہی اپنی مرضی کا اعلان کر دیتے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ انہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ ان کی بیوی حسب عادت نرگس کے اسٹیٹس اور اس کے خاندانی پس منظر کو جاننے کے بعد اس میں مین میخ نکالنے کی کوشش کرے گی۔ شاید اس لئے کہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی تھی اور سونے کا چمچہ منہ میں لئے پیدا ہوئی تھی۔ جس ماحول میں وہ پروان چڑھی تھی اس میں ہر طرف نوکر چاکر ہاتھ باندھے کھڑے اس کی جنبش نظر کے منتظر رہتے تھے۔ ان باتوں نے شبانہ کی طبیعت میں غرور اور تکبر پیدا کر دیا تھا۔ سیدھی سادھی بات میں بھی کوئی نہ کوئی ایسا عیب نکالنا جو اس کی برتری کا پہلو لئے ہو اس کی فطرت بن گئی تھی۔ وہ اکثر بلا سوچے سمجھے ایسی تلخ اور نازیبا بات بھی کہہ جاتی تھی جو دوسروں کی دل آزاری کا سبب بن جاتی تھی۔ اکبر برلاس اسے پیار و محبت سے سمجھانے کی کوشش کرتے تو وہ ان سے بھی الجھنے لگتی۔ ان ہی سب باتوں کے پیش نظر اکبر برلاس نے عالیہ کا ذکر بیوی کے سامنے نہیں کیا تھا۔ وہ کسی ایسے موقع کے منتظر تھے جب شبانہ بیگم بہت زیادہ موڈ میں ہوں اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کا ذاتی تجربہ تھا کہ جب شبانہ بیگم بہت زیادہ خوشی کے موڈ میں ہوتی تھیں تو اکثر ان باتوں کے سلسلے میں بھی اپنی رضا مندی کا اظہار کرنا باعث فخر سمجھتی

تھیں جو عام حالات میں انہیں ناپسند ہوتی تھیں۔

اس روز چھٹی کا دن تھا۔ اتفاق سے صبح سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بارش شبانہ بیگم کی کمزوری تھی جس میں دل بھر کر انجوائے (Enjoy) کرنا وہ اپنا پیدائشی حق سمجھتی تھیں۔ چنانچہ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ہی انہوں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا کہ "آج ہم دونوں اپنے فارم پر جا کر بارش سے لطف اندوز ہوں گے۔"

اکبر برلاس جیسے کاروباری آدمی کو فرصت کے لمحات بہت کم میسر آتے تھے۔ ان لمحات میں وہ گھر پر رہ کر آرام کرنے کو اپنے لئے بہترین تفریح سمجھتے تھے لیکن اس روز انہوں نے شبانہ بیگم کی خواہش کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ ملازموں کی ایک ٹیم پہلی کھیپ کی صورت میں فارم پر روانہ کر دی گئی۔ پھر شبانہ بیگم نے بھی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

دوپہر کا کھانا دونوں نے فارم ہاؤس میں کھایا۔ کھانے سے پہلے شبانہ بیگم بچوں کی طرح بارش میں بہت دیر تک فارم کے قابل دید باغ میں چہل قدمی کرتی رہیں۔ نہاتی رہیں اور دل کھول کر بات بات پر قہقہے بلند کرتی رہیں۔ اکبر برلاس ان کی دلجوئی کی خاطر ساتھ دیتے رہے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دونوں فارم ہاؤس کے برانڈے میں آ کر راکنگ چیئرس پر بیٹھ گئے جہاں سے موسلا دھار بارش میں وسیع و عریض فارم میں لگے ہوئے پھل اور پھول کے درخت اور پودے بڑا دلفریب منظر پیش کر رہے تھے۔ شبانہ بیگم بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔

"واپسی کا ارادہ کب تک ہے---؟" اکبر برلاس نے دبی زبان میں پوچھا۔

"سورج ڈھلنے سے پیشتر نکل جائیں گے--- کیوں؟" شبانہ بیگم نے بڑے پیار سے شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو اس موسم میں بھی کوئی ضروری کام یاد آ گیا۔"

"چھٹی والے دن تو میرا سب سے ضروری کام صرف آپ ہوتی ہیں۔" اکبر برلاس نے مسکرا کر جواب دیا تو شبانہ بیگم کسی کمسن دوشیزہ کی طرح شرمانے لگیں۔ یہی وہ موزوں وقت تھا جب اکبر برلاس نے خاور کا ذکر چھیڑ دیا۔ دبی زبان میں بولے۔

"خاور کے سلسلے میں بھی کچھ سوچا ہے آپ نے۔"

"خاور کیلئے کیا سوچنا ہے---؟" شبانہ بیگم نے لاپرواہی سے کہا۔ "ہمارا کاروبار پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ خاور کو کسی چیز کی بھلا کیا کمی ہے۔ ابھی اس کے امتحانات ختم ہوئے ہیں۔ دو چار مہینے اور آزادی سے گھوم پھر لے اس کے بعد ہمیں اپنے کاروبار میں اسے کوئی اہم ذمہ داری سونپنی پڑے گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اکبر برلاس نے بیوی کو ہموار کرنے کی خاطر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا پھر اصل موضوع چھیڑا۔ "اگر کاروباری ذمہ داریوں کے ساتھ زندگی کی ذمہ داریاں بھی سونپنے کا بندوبست ابھی سے کر دیا جائے تو سونے پر سہاگے والی بات ہو گی۔"

"کیا مطلب---؟" شبانہ بیگم نے وضاحت چاہی۔

"میرا مقصد ہے کہ اب ہمیں خاور کی شادی کے بارے میں بھی غور کرنا چاہئے۔"

"ہاں---" شبانہ بیگم نے مسکرا کر ہاں کو طویل انداز میں کھینچا پھر معنی خیز لہجے میں بولیں۔ چار چھ لڑکیاں میری نظر میں ہیں لیکن ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔"

"کیا ارادے ہیں---؟" اکبر برلاس نے شوخی سے کہا۔ "ایک بیٹے کی شادی کیا بیک وقت چار چھ لڑکیوں سے کرنے کا ارادہ ہے---؟"

"میرا بیٹا مجھ پر گیا ہے--- آپ پر نہیں۔" شبانہ بیگم نے شوہر کو چھیڑنے کی خاطر مصنوعی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں لڑکی پسند کر لوں گی تو وہ نیک بچوں کی طرح اسی سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گا--- آپ کی طرح دس بارہ گھروں میں تانک جھانک نہیں کرے گا۔"

"یہ سراسر بہتان ہے میری ذات پر۔" اکبر برلاس نے ہاتھ اٹھا کر احتجاج کیا۔ "میں نے آپ کی تصویر دیکھے بغیر ہی والد صاحب مرحوم کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا تھا۔"

"اسی لئے تو اب دولت میں کھیل رہے ہیں---" شبانہ بیگم کے لہجے میں تکبر

جھلک رہا تھا۔

اکبر برلاس کچھ دیر تک بیوی کو باتوں باتوں میں گھماتے پھراتے رہے پھر قدرے سنجیدگی سے بولے۔

"سردار علی نواز صاحب نے خاور کے سلسلے میں ایک لڑکی کا ذکر کیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کرلی ہیں۔"

"کیا آپ نے لڑکی کو بھی دیکھ لیا ہے---؟" شبانہ بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کس اسٹیٹس کے لوگ ہیں؟"

"نرگس جانتی ہے ان لوگوں کو-- سردار صاحب نے لڑکی کو بھی دیکھا ہے۔"

اکبر برلاس نے بیوی کی اسٹیٹس والی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ ان کا خیال ہے کہ لڑکی ہر اعتبار سے اپنے خاور کیلئے مناسب رہے گی۔"

"نام کیا ہے لڑکی کا---؟" شبانہ بیگم نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"عالیہ---"

"گڈ-- نام تو خوبصورت ہے' تعلق کس گھرانے سے ہے ان لوگوں کا؟" میرا مطلب ہے وہ کس گروپ سے تعلق رکھتے ہیں؟"

"سردار صاحب بتا رہے تھے کہ عالیہ اور نرگس کلاس فیلو بھی ہیں---" اکبر برلاس نے دبی زبان میں بات آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

"وہاٹ--" شبانہ بیگم کی رگ تجسس پھڑپھڑائی۔ "اگر عالیہ اور نرگس کلاس میٹ ہیں تو پھر خاور بھی نرگس کو جانتا ہو گا۔"

"ظاہر سی بات ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہو سکتا ہے کہ خاور عالیہ کو پسند بھی کرتا ہو---؟" شبانہ بیگم نے عقلی گھوڑے دوڑائے۔ "اسی نے نرگس کو اکسایا ہو گا۔ نرگس نے باپ کے کان میں بات ڈالی ہو گی اور سردار صاحب نے بیٹی کے کہنے پر آپ سے نرگس کے سلسلے میں---"

"ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو---" اکبر برلاس نے پہلو بدل کر کہا۔ پھر

بولے۔ "اگر خاور نے لڑکی کو دیکھ کر پسند کیا ہے تو یہ کوئی معیوب بات تو نہیں ہے-- وہ آپ کا لاڈلا ہے' اس نے غلط انتخاب تو نہیں کیا ہو گا--"

"لڑکی کا باپ کیا کرتا ہے---؟" شبانہ بیگم نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

"وہ-- اسکول ماسٹر ہے۔" اکبر برلاس نے راست گوئی سے کام لیا۔

"کیا---؟" شبانہ بیگم کے چہرے کے خوشگوار تاثرات یکلخت حیرت میں بدل گئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اکبر برلاس نے انہیں کوئی بہت ہولناک خبر سنا دی ہو۔ وہ شوہر کو تعجب سے گھورتے ہوئے بولیں۔ "کیا آپ ایک آرڈنری اسکول ماسٹر کی بیٹی کو میری بہو کا درجہ دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں--؟"

"آپ غلط سوچ رہی ہیں--" اکبر برلاس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "وہ شخص جو لوگوں میں علم بانٹتا ہو' تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتا ہو اچھے برے کی تمیز سکھاتا ہو اس کی حیثیت ایک معمار جیسی ہوتی ہے اور معمار کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے۔ خواہ وہ غربت ہی کی زندگی کیوں نہ گزار رہا ہو-- اور پھر عزت اور شرافت کسی خاص گروپ کی میراث نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ---"

"خاور اور عالیہ شاید ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں۔" شبانہ بیگم نے شوہر کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "آپ شاید مجھے یہی بتانا چاہ رہے ہیں--"

"محبت کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔" اکبر برلاس نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ سب فلمی باتیں ہیں۔" شبانہ بیگم نے تیوری پر بل لاتے ہوئے بیزاری کا اظہار کیا۔ "فلمیں باکس آفس پر ہٹ ہونے کے باوجود سلور جوبلی یا گولڈن جوبلی کرنے کے بعد ڈبوں میں بند کر کے گوداموں میں پھینک دی جاتی ہیں-- میں خاور کی شادی کو کسی ایسی سچویشن میں دوچار نہیں ہونے دوں گی--"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ ایک نظر عالیہ اور اس کے گھر والوں کو دیکھنے کے بعد کوئی آخری فیصلہ کریں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" اکبر برلاس نے خود پر قابو پاتے ہوئے

"زندگی میں ایک بار کوئی لمبا جوا کھیل کر اگر کامیاب ہو جائے تو دانشمندی یہی

aazzamm@yahoo.com

ہے کہ وہ آئندہ کیلئے توبہ کر لے۔۔" شبانہ بیگم نے نظریں گھما کر بڑے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ اکبر برلاس اس جملے میں چھپے گہرے طنز کو محسوس کر کے تلملا اٹھے۔ شبانہ بیگم نے براہ راست ان کی شخصیت پر چوٹ کی تھی۔ لیکن حالات کے پیش نظر وہ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہی رہے۔ اس خیال سے کہ بات نہ بڑھ جائے۔ وہ ہونٹ چباتے ہوئے تیزی سے اٹھے اور اندر کمرے میں چلے گئے۔ شبانہ بیگم نے شوہر کے اٹھ کر چلے جانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بدستور اپنی جگہ بیٹھی خلاء میں گھورتی رہیں۔ ان کے چہرے پر ندامت یا شرمندگی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔۔



عالیہ تین دنوں سے شدید بخار میں مبتلا تھی۔ عابد حسین اور ان کی بیوی جمیلہ خاتون بیٹی کی طرف سے بہت زیادہ پریشان تھیں۔ عالیہ تین دنوں میں ہی بخار کی شدت کی وجہ سے تپ کر بے حال ہو گئی تھی۔ بخار کسی طرح اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ عابد حسین دو ڈاکٹروں کو دکھا چکے تھے لیکن دونوں کی کوششیں رائیگاں ہو گئیں۔ دماغ پر زیادہ گرمی چڑھنے کے سبب وہ کبھی کبھی ہزیان بکنا شروع کر دیتی تھی۔ کم از کم عابد حسین اور جمیلہ خاتون کا یہی خیال تھا کہ بخار کی گرمی عالیہ کے ذہن پر اثر انداز ہو رہی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ دراصل عالیہ کے ذہن پر ابھی تک وہ خوفناک اور عجیب الخلقت پرندہ طاری تھا جس کے بارے میں اس نے خواب کے حوالے سے ایک فرضی شکل خاور کو بتائی تھی لیکن جب وہی فرضی شکل حقیقت کا روپ اختیار کر کے اس کے سامنے آئی تو وہ ساری جان سے لرز اٹھی۔ خوف کی لہر نے اس کے وجود کو بجلی کے ننگے تاروں کی طرح اس شدت سے اپنے حصار میں لیا تھا کہ وہ دہشت کے مارے بیہوش ہو گئی تھی۔

ہوش آنے پر اس نے خود کو اپنے کمرے میں پایا تھا۔ وہ وہاں کس طرح پہنچی تھی اسے یہ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنے ذہن پر جس قدر زور ڈالتی اتنا ہی اور الجھتی جاتی۔ خوفناک پرندہ بار بار اس کے تصور میں ابھرنے لگتا۔ وہ خوف سے آنکھیں بند کر لیتی اور کبھی خطرے کی شدت اتنی بڑھ جاتی کہ وہ دیوانوں کی طرح خلاء میں

ادھر ادھر دیکھ کر چلانے لگتی۔

"وہ۔۔ وہ آ رہا ہے۔۔ دیکھو۔۔ اس کے پر سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔۔ مجھے بچاؤ۔۔ مار دو۔۔ مار دو اسے۔۔ نہیں نہیں۔۔ مجھے جان سے مت مارو۔۔ امی۔۔۔ ابو۔۔ مجھے روشنی کے دائروں سے بچا لو۔۔ میں۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔ ہٹو۔۔ وحشت۔۔ آہ آہ۔۔"

پرندے کی شبیہ اس کے تصور میں ابھرتی تو وہ ہذیانی انداز میں بے ربط الفاظ منہ سے نکالنے لگتی۔ تین دنوں میں جیسے اس کے جسم کی ساری جان نکل گئی۔ ڈر اور خوف نے اس کے چہرے کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کو زیادہ سے زیادہ سکون پہنچانے کی خاطر خواب آور گولیاں دی جا رہی تھیں جو تین چار گھنٹوں کیلئے عالیہ کے ذہن کو معطل کر دیتیں لیکن گولیوں کا اثر جیسے ہی زائل ہوتا اس کے چہرے پر دوبارہ خوف کے سائے منڈلانے لگتے۔ وہ پھر واہی تباہی بکنا شروع کر دیتی۔

اس وقت بھی وہ دوا کے زیر اثر محو خواب تھی۔ جمیلہ خاتون اس کے سرہانے بیٹھی آہستہ آہستہ اس کا سر دبا رہی تھیں۔ عابد حسین قریب ہی کھڑے بے چین اور پریشان نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔

"خدا جانے میری ہنستی کھیلتی بیٹی کو کس دشمن کی نظر لگ گئی۔" جمیلہ خاتون نے ایک سرد آہ بھر کر شوہر سے کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ عالیہ کو کسی عامل کو دکھایا جائے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" جمیلہ خاتون نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہوش آنے پر یہ جس انداز میں خوفزدہ ہو کر ایک ہی بات بار بار دہراتی ہے اس سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں خدانخواستہ۔۔۔"

"ایسی بری بات زبان سے مت نکالئے ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔" جمیلہ خاتون کی آواز بھرا گئی۔ "خدا نہ کرے کہ ہماری بچی پر کسی بری بلا کا سایہ ہو۔"

"بہرحال ہمیں کوئی نہ کوئی علاج تو کرنا ہو گا۔۔۔"

اسی لمحے گھر میں کام کرنے والی ماسی عائشہ نے کمرے میں داخل ہو کر عابد حسین

aazzamm@yahoo.com

نے کہا۔

”ڈاکٹر زیشان صاحب آئے ہیں۔“

”ڈاکٹر زیشان۔۔۔“ عابد حسین نے ذہن پر زور دے کر کہا۔ ”نام تو سنا ہوا ہے لیکن۔۔۔“

”آپ بھول گئے ہیں صاحب۔۔“ عائشہ نے جلدی سے کہا۔ ”ابھی دو مہینے پہلے ہی تو گلی کے کونے والا مکان آباد ہوا ہے۔ ڈاکٹر زیشان صاحب ہی نے اسے کرائے پر لیا ہے۔“

”اچھا۔۔ تم ان سے کہو میں آ رہا ہوں۔۔“ عابد حسین نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”کیا وہ مکان آباد ہو گیا۔۔۔“ عائشہ کے جانے کے بعد جمیلہ خاتون نے عابد حسین سے دریافت کیا۔ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں۔۔“ عابد حسین نے جواب دیا۔ ”ایک جوان ڈاکٹر نے اسے کرائے پر لیا ہے اور اپنے مطب کا بورڈ بھی لگا دیا ہے۔“

”کیا لوگوں نے اسے اس مکان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔۔؟“ جمیلہ خاتون نے تجسس سے دریافت کیا۔

”میں نے کسی سے کریدنے کی کوشش نہیں کی ویسے دو ایک بار ڈاکٹر زیشان سے سلام و دعا ضرور ہوئی ہے۔ دیکھنے میں تو شریف اور محنتی لگتا ہے۔“ عابد حسین نے سرسری لہجے میں کہا پھر قدم اٹھاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر زیشان اپنا ایمرجنسی بیگ لئے باہر دروازے پر کھڑا تھا۔ عابد حسین سے علیک سلیک اور ہاتھ ملانے کے بعد سنجیدگی سے بولا۔ ”میں نے سنا ہے کہ آپ کی صاحبزادی تین چار روز سے بخار میں مبتلا ہے۔“

”جی ہاں۔۔“ عابد حسین نے جواب دیا۔ ”تین روز میں دو ڈاکٹر دیکھ چکے ہیں لیکن بخار نے کم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔“

”میں تو آپ کے پڑوس میں تھا مجھے بلا لیا ہوتا۔“

”بس۔۔ کچھ یاد نہیں رہا۔۔“

”اب کیسی کیفیت ہے۔۔۔؟“

”بخار ویسا ہی ہے۔“ عابد حسین نے مختصر الفاظ میں عالیہ کی حالت کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ”جتنی دیر خواب آور گولیاں کام کرتی ہیں وہ پرسکون رہتی ہے۔ جب دوا کا اثر ختم ہوتا ہے تو پھر ہذیانی کیفیت سے دو چار ہو جاتی ہے۔“

”آپ کو اس وقت میرا بن بلائے آنا ناگوار تو نہیں گزرا۔۔؟“ ڈاکٹر زیشان نے بڑے مہذب انداز میں دریافت کیا۔

”آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔“ عابد حسین نے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

”میں ایک نظر دیکھ سکتا ہوں مریضہ کو۔۔۔“

”تشریف لائیے۔۔“

عابد حسین نے اندر پردہ کرایا پھر ڈاکٹر زیشان کو لے کر اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں عالیہ بے سدھ پڑی تھی۔ جمیلہ خاتون برابر کے کمرے میں کھڑی دعائیں کر رہی تھیں کہ ڈاکٹر زیشان عالیہ کیلئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہو۔

ڈاکٹر زیشان نے پوری توجہ سے مریضہ کو دیکھا پھر عابد حسین سے مخاطب ہوا۔

”نیند کی دوا دیئے کتنی دیر ہو چکی ہے۔۔؟“

”میرا خیال ہے کہ دو گھنٹے ہو چکے ہوں گے۔“

”نیند کی گولیاں یا دوسری خواب آور دوائیں وقتی طور پر مریض کو سکون ضرور دیتی ہیں لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ ذہن پر کوئی خوشگوار اثر نہیں چھوڑتیں۔۔“ ڈاکٹر زیشان نے کہا پھر عالیہ کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو میں مریضہ کا علاج شروع کر دوں۔۔ لیکن میری دو شرطیں ہوں گی۔“

”میں سمجھا نہیں۔۔“ عابد حسین نے وضاحت چاہی۔

”آپ میرے بزرگ بھی ہیں اور پڑوسی بھی اس لئے مجھے فیس دینے کی کوشش نہیں کریں گے۔“ ڈاکٹر زیشان نے بجد اپنائیت سے کہا پھر عالیہ کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ ”دوسری درخواست یہ ہے کہ اب آپ مریضہ کو میرے علاوہ کسی اور کو نہیں

aazzamm@yahoo.com

دکھائیں گے---"

"اگر بچی کو آپ کے علاج سے شفا ہو گئی تو مجھے آپ کی دونوں شرطیں منظور ہیں---" جمیلہ خاتون نے دوسرے کمرے سے کہا۔ نہ جانے کیوں ڈاکٹر ذیشان پہلی ہی نظر میں بہت بھلا آدمی لگا تھا۔

ڈاکٹر ذیشان نے ایک نظر عابد حسین کی طرف ڈالی پھر ایمرجنسی بیگ کھول کر ایک انجکشن تیار کرنے لگا۔ عالیہ کو انجکشن لگانے کے بعد وہ اس طرح مریضہ کے پلنگ کے پاس کھڑا ہو گیا کہ اس کا سیدھا ہاتھ عالیہ کی کلائی پر جما ہوا تھا اور نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ عابد حسین قدم بڑھاتے ہوئے عالیہ کے سرہانے جا کھڑے ہوئے۔

"آپ کے خیال میں بچی کو کوئی خطرہ تو درپیش نہیں ہے---؟" جمیلہ خاتون نے پرامید لہجے میں پوچھا۔ وہ ابھی تک دوسرے کمرے کے دروازے سے لگی کھڑی کبھی عالیہ اور کبھی ڈاکٹر ذیشان کو دیکھ رہی تھیں۔

"آپ دعا کریں--- میں دوا کر رہا ہوں۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر عالیہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

دس منٹ تک کمرے میں خاموشی کا راج رہا پھر عالیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔"

"اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں---؟" ڈاکٹر ذیشان نے بڑے نرم مگر ٹھوس لہجے میں دریافت کیا۔

عالیہ ایک اجنبی کو سامنے دیکھ کر سٹپٹا سی گئی لیکن جب عابد حسین نے ڈاکٹر ذیشان کا تعارف کرایا تو اس کی نگاہوں میں ابھرنے والا تجسس جاتا رہا۔

"کمزوری بہت زیادہ محسوس کر رہی ہوں۔" تین روز بعد پہلی بار عالیہ نے نارمل انسانوں کی طرح جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں وہ وحشت اور تجسس بھی نہیں تھا جو ہوش میں آنے کے بعد اسے بے چین کرنے لگتا تھا۔

"آپ کو کچھ یاد ہے کہ آپ کس وجہ سے بیمار ہوئی تھیں---؟"

"جی---" عالیہ نے حیرت سے ڈاکٹر کے چہرے کو دیکھا پھر نقاہت سے بولی۔ "مجھے کچھ یاد نہیں---"

"گڈ---" ڈاکٹر ذیشان نے بدستور عالیہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔ "انسان کو صرف صحت مند باتیں یاد رکھنی چاہئیں دکھ بیماری تو آنے جانے والی شے ہیں۔ انہیں زیادہ لفٹ نہیں کرانی چاہئے--- کیا خیال ہے آپ کا؟"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ اس کے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر ایک پھیکا سا تبسم ابھر آیا۔ اس کی نگاہیں ڈاکٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر ذیشان بھی پوری توجہ سے اسے دیکھتا رہا پھر بستر سے ہٹ کر قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ خاموشی سے اس نے اپنے ایمرجنسی بیگ سے نکالی ہوئی چیزیں دوبارہ سلیقے سے واپس رکھیں پھر اسے بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" اس نے عالیہ کی سمت دیکھے بغیر عابد حسین سے کہا۔ پھر باہر کی جانب قدم بڑھانے لگا۔ عابد حسین اس کے ساتھ ساتھ باہر تک آئے۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" عابد حسین نے باہر آ کر دریافت کیا۔ کیا اب مریضہ ہذیانی کیفیت سے دو چار نہیں ہو گی۔"

"میں نے جو انجکشن لگایا ہے اس کے بعد ایسا ہونا تو نہیں چاہئے۔ رہا بخار تو وہ دو تین گھنٹوں میں اتر جائے گا۔" ڈاکٹر ذیشان نے پورے اعتماد سے کہا۔ "ویسے میں آٹھ نو بجے رات تک ایک چکر اور لگا لوں گا۔"

"اگر آپ کو زحمت ہو تو میں آ کر حال بتا دوں۔"

"آپ بھول رہے ہیں کہ آپ میرے بزرگ ہیں اور میں آپ کا پڑوسی۔" ڈاکٹر ذیشان نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں---"

"فی الحال آپ مریضہ کے پاس جا کر بیٹھیں باقی رسمی باتیں آئندہ ملاقاتوں کیلئے چھوڑ دیں۔" ڈاکٹر ذیشان نے مسکرا کر کہا پھر ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔



اکبر برلاس اپنے دفتر میں بیٹھے بڑی سنجیدگی سے خاور اور عالیہ کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ انہیں اس بات کا بخوبی تجربہ تھا کہ شبانہ بیگم جس سلسلے میں ایک بار انکار کر دیں پھر کوئی طاقت ان کے ارادے کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ اکبر برلاس عالیہ کی تصویر دیکھ چکے تھے۔ وہ ہر اعتبار سے خوبصورت اور حسین کہلانے کی مستحق تھی۔ سردار علی نواز نے اس کی شرافت کی تصدیق کی تھی لیکن شبانہ بیگم کے نزدیک عالیہ کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اکبر برلاس بیوی کی ایک ایک نس سے واقف تھے اسی لئے انہوں نے عالیہ کی تصویر انہیں نہیں دکھائی تھی نہ ہی زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ عمر کا طویل حصہ شبانہ بیگم کے ساتھ گزارنے کے بعد اب وہ اپنی گھریلو زندگی میں کوئی بدمزگی نہیں پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن خاور کی پسند کا خیال بھی درپیش تھا۔ وہ ان کا اکلوتا لڑکا تھا۔ انہیں اولاد کی دل شکنی بھی منظور نہیں تھی۔ وہ کوئی ایسا حل تلاش کرنا چاہتے تھے کہ خاور اور عالیہ کی شادی بھی ہو جائے اور شبانہ بیگم سے ان کے تعلقات میں کوئی دراڑ بھی نہ پڑے۔ اس وقت بھی وہ اپنے شاندار دفتر میں بیٹھے اسی مسئلے کا کوئی مناسب حل تلاش کرنے میں مصروف تھے جب فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے بادل نخواستہ ریسیور اٹھا لیا۔

"اکبر برلاس——" حسب معمول انہوں نے بڑے مہذب اور نرم لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم اس وقت اپنے دفتر میں ہی ہو گے——" دوسری جانب سے کھرکھراتی آواز میں جواب ملا۔

"کون ہو تم——؟" اکبر برلاس نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

"تمہارا بہی خواہ——" اس بار اکھڑے ہوئے انداز میں کہا گیا۔ "میں جانتا ہوں کہ اس وقت تم ایک ذہنی الجھن شکار ہو حالانکہ اس کا حل تمہاری خوبصورت سیکرٹری کی میز پر پڑا ہوا ہے۔ تم نے اسے ڈسٹرب نہ کرنے کی ہدایت کی تھی ورنہ بادامی رنگ کا وہ لفافہ جو اس وقت اس کی تحویل میں ہے تمہارے سامنے ہوتا—— اور—— تم بھی اپنی بیوی کے ہم خیال بن جاتے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو——؟" اکبر برلاس نے اس کی باتوں کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں بعد میں اپنا تفصیلی تعارف کراؤں گا۔ فی الحال انٹرکام اٹھاؤ اور اپنی سیکرٹری سے کہو کہ بادامی رنگ کا لفافہ تمہیں پہنچا دے۔ دیر ہو جانے کی صورت میں اگر کہیں اس نے غلطی سے لفافہ کھول لیا تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔"

"کیا بک—— واس——"

اکبر برلاس اپنا جملہ مکمل نہ کر سکے۔ دوسری جانب سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ ان کا موڈ یکلخت خراب ہو گیا۔ کاروباری زندگی میں آج سے پیشتر نہیں کبھی اس قسم کا فون پہلے نہیں آیا تھا۔ "نانسنس" انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے فون کرنے والے کو برا بھلا کہا پھر انٹرکام اٹھا کر اپنی سیکرٹری کو ڈاک لانے کی ہدایت کی۔

فون پر دوسری جانب سے بادامی لفافے کے بارے میں جو تاکیداً بات کہی گئی تھی وہ اکبر برلاس کے ذہن میں جگنوؤں کی مانند چکرا رہی تھی۔ ایک منٹ بعد ہی ان کی خوبصورت سیکرٹری نے کمرے میں داخل ہو کر بادامی رنگ کا ایک درمیانہ سائز کا لفافہ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"بیس منٹ پہلے ایک نوجوان یہ لفافہ دے گیا تھا۔ اس نے درخواست کی تھی کہ اس میں کچھ ضروری دستاویز ہیں اس لئے فوری طور پر آپ کو پہنچا دیا جائے۔ لیکن آپ نے چونکہ——"

"کہاں سے آیا تھا وہ نوجوان——؟" اکبر برلاس نے تیزی سے سوال کیا۔

"میں نے دریافت کیا تھا سر، لیکن اس نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ لفافہ میرے سامنے رکھ کر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔"

"کیا وہ پہلے بھی کبھی آ چکا ہے——؟"

"جی نہیں——" سیکرٹری نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔"

پھر سیکرٹری کے جانے کے بعد اکبر برلاس نے لفافہ کھولا تو ان کے چہرے پر حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات پھیل کر گہرے ہوتے چلے گئے۔ وہ ان تصویروں کو ایک ایک کر کے بڑے تعجب اور حیرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے جو لفافے سے برآمد ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں اکبر برلاس اور ان کی لیڈی سیکرٹری کی تھیں جو غسل خانوں میں نہاتے وقت کھینچی گئی تھیں۔ دونوں کو علیحدہ علیحدہ کپڑوں سے بے نیاز حالت میں مختلف زاویوں سے اکسپوز کیا گیا تھا۔

تصویریں دیکھنے کے بعد اکبر برلاس نے واپس لفافے میں ڈال کر اپنی سیف میں بند کیا پھر اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ غصے کی شدت سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ٹہلنے کے دوران وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا بھی رہے تھے۔ انہیں حیرت تھی کہ وہ تصویریں ان کی کوٹھی کے غسل خانوں میں کس طرح کھینچی گئیں جبکہ انہوں نے اپنی لیڈی سیکرٹری کو کبھی کوٹھی پر نہیں بلایا تھا۔۔۔ "تصویر کھینچنے والا کون تھا؟ ان تصویروں کو شرمناک حالت میں اتارنے سے اس کا مقصد کیا تھا۔۔۔ بلیک میلنگ۔۔۔ یا کوئی ایسا اسکینڈل جو بنی بنائی ساکھ کو تباہ کر دے۔۔۔؟"

اکبر برلاس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔ ان کا ماضی اور حال دونوں آئینے کی مانند صاف و شفاف تھے لیکن وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اگر وہ تصویریں اخباروں تک پہنچ گئیں تو ان کی اپنی صفائی میں پیش کی جانے والی تمام وضاحتیں بیکار ہوں گی۔ جو عزت اور ساکھ انہوں نے برسوں کی محنت کے بعد بنائی تھی وہ پل بھر میں خاک ہو جائے گی۔ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔

تصویروں کے سلسلے میں اکبر برلاس کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ سب سے اہم سوال یہ تھا کہ تصویریں کس نے کھینچیں اور انہیں سامنے لانے کا مقصد کیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی تو اکبر برلاس نے چونک کر سہمی ہوئی نظروں سے فون سیٹ کو دیکھا پھر تین چار گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھا لیا۔

"تصویریں پسند آئیں اکبر برلاس۔۔۔؟" اکبر برلاس کے ریسیور کان سے لگاتے ہی دوسری جانب سے سپاٹ اور کھردرے لہجے میں پوچھا گیا۔

"کون ہو تم۔۔۔؟ کیا چاہتے۔۔۔؟" اکبر برلاس نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"عالیہ کو بہو بنانے کا خیال ذہن سے نکال دو۔۔۔" اس بار درندوں جیسی غراہٹ سنائی دی۔ "انکار کی صورت میں تمہاری اور تمہاری لیڈی سیکرٹری کی ایسی تصویریں بھی منظر عام پر لائی جا سکتی ہیں جو تمہاری شرافت کی دھجیاں اڑا دیں گی۔"

"تمہارا عالیہ سے کیا تعلق ہے۔۔۔؟" اکبر برلاس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"بحث مت کرو۔۔۔" سرد اور سفاک لہجے میں کہا گیا۔ "تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے لیکن اتنا یاد رکھو کہ اگر تم نے عالیہ کے بارے میں سوچا تو تمہارا انجام بیحد عبرتناک ہو گا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" دوسری جانب سے تیزی سے کہا گیا۔ "تم کوئی سوال مت کرو۔۔۔ جو کہا جا رہا ہے صرف اس پر عمل کرو۔۔۔"

جملے کی ادائیگی کے فوراً بعد فون کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ اکبر برلاس ایک لمحے کیلئے سکتے کی حالت سے دو چار رہے پھر انہوں نے فوری طور پر یہی مناسب سمجھا تھا کہ جو تصویریں انہیں موصول ہوئی تھیں انہیں پہلی فرصت میں جلا دیا جائے۔ وہ کوئی ایسا شرمناک ثبوت اپنے دفتر میں نہیں رکھنا چاہتے تھے جو کسی وقت بھی انہیں رنگے ہاتھوں پکڑوانے میں معاون ثابت ہو سکے۔ انہوں نے جلدی سے سیف کو دوبارہ کھولا لیکن اس وقت اس کا دل پوری شدت سے دھڑکنے لگا جب بادامی رنگ کا لفافہ مع تصاویر کے غائب تھا۔ اکبر برلاس نے گھبراہٹ اور پریشانی میں پوری سیف کے تمام کاغذات اور اہم چیزوں کو ایک ایک کر کے باہر نکالا لیکن جو لفافہ انہیں درکار تھا وہ پراسرار طور پر غائب ہو چکا تھا۔

بڑی دیر تک وہ دوبارہ اپنی آرام دہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھے ان حالات پر غور کرتے رہے جس سے ان کا واسطہ زندگی میں پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ پھر انہوں نے ایک ماتحت کو بلوا کر سیف کے بکھرے ہوئے کاغذات وغیرہ کو دوبارہ اندر رکھوا کر سیف بند کیا اور گھر جانے کے ارادے سے آفس سے باہر آ گئے۔ لیڈی سیکرٹری کے کمرے کے

سامنے سے گزرتے وقت اچانک ایک خیال ان کے ذہن میں تیزی سے ابھرا اور وہ قدم بڑھاتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ لیڈی سیکرٹری خلاف توقع اکبر برلاس کو اپنے آفس میں دیکھ کر گڑبڑا گئی پھر جلد ہی خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"سر۔۔ میرے لائق کوئی خدمت۔۔۔؟"

"کیا آپ اگر اس نوجوان کو دوبارہ دیکھیں تو پہچان لیں گی جو بادامی رنگ کا لفافہ دے گیا تھا۔۔؟" اکبر برلاس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"بادامی لفافہ۔۔" سیکرٹری نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھی نہیں سر۔۔ آپ کس لفافے کی بات کر رہے ہیں؟"

"ابھی کچھ دیر پیشتر آپ نے مجھے ایک درمیانہ سائز کا بادامی لفافہ دیا تھا۔۔" اکبر برلاس نے سیکرٹری کو بغور گھورتے ہوئے یاد دلایا۔ "آپ ہی نے کہا تھا کہ کوئی نوجوان وہ لفافہ آپ کو دے گیا تھا۔۔"

"میں نے کہا تھا۔۔؟" سیکرٹری نے اس انداز میں اکبر برلاس کی طرف دیکھا جیسے ان کی ذہنی کیفیت پر افسوس کا اظہار کر رہی ہو۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ "میں تو گزشتہ ایک گھنٹے سے اپنے کمرے میں موجود ہوں سر۔۔ ایک لمحے کو بھی باہر نہیں گئی۔"

"اوہ۔۔۔" اکبر برلاس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ لفافے اور تصاویر کے غائب ہونے کے بعد اب لیڈی سیکرٹری کا اس لفافے کے بارے میں لاعلمی کا اظہار بھی انہیں حیرت سے دو چار کر رہا تھا۔

"سر۔۔" لیڈی سیکرٹری نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔ "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔۔؟"

اکبر برلاس نے جواب دینے کے بجائے تھکے ہوئے انداز میں پیشانی پر ہاتھ پھیرا پھر قدم اٹھاتے ہوئے لفٹ کی جانب بڑھ گئے۔ بادامی لفافے کے سلسلے میں انہیں جو پراسرار تجربہ ہوا تھا اس نے ان کے ذہن کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بات اگر صرف لفافے کی حد تک محدود ہوتی تو شاید وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر بھلانے کی کوشش کرتے لیکن فون پر کسی اجنبی سے دو بار ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ ان کے ذہن میں محفوظ

تھا۔

راستے بھر وہ ذہنی خلفشار میں الجھے رہے۔ گھر پہنچ کر گاڑی سے نیچے اترے تو شبانہ بیگم نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ وہ کہیں جانے کی خاطر پوری طرح تیار نظر آ رہی تھیں۔

"خیریت۔۔" اکبر برلاس نے بیوی کو سرتاپا دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں جانے کی تیاری ہے۔۔؟"

"اتنی جلدی بھول گئے۔۔" شبانہ بیگم نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "آپ ہی نے تو فون کر کے تیار رہنے کو کہا تھا۔"

"میں سمجھا نہیں۔۔" اکبر برلاس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے کہاں جانے کو کہا تھا۔۔؟"

"سردار علی نواز کے گھر۔۔" شبانہ بیگم نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مجھے یقین تھا کہ عالیہ کے سلسلے میں آپ بھی بالآخر وہی فیصلہ کریں گے جو میں نے کر رکھا تھا۔۔ مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند کبھی زیب نہیں دیتا۔۔ عالیہ اور خاور کے رشتے کی بات سن کر بالکل یہی جواب میرے ذہن میں بھی ابھرا تھا۔ شکر ہے کہ آپ بھی میرے ہم خیال ثابت ہوئے۔"

اور شبانہ بیگم کی بات سن کر اکبر برلاس کو ایسا لگا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہے ہوں۔ انہیں اپنا وجود کسی پھرکی کی مانند تیزی سے گردش کرتا محسوس ہوا۔ پے در پے رونما ہونے والی پراسرار اور حیرت انگیز باتوں نے ان کی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو جیسے یکلخت معطل کر دیا۔ انہوں نے عجیب نظروں سے شبانہ بیگم کو دیکھا پھر۔۔ اگر کار کا سہارا لے کر خود کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو شاید چکرا کر زمین پر ہی اوندھے منہ گرے ہوتے۔

"ارے۔۔ یہ کیا ہوگیا۔۔؟ ڈرائیور' صاحب کو سنبھالو۔"

شبانہ بیگم کے پریشانی میں ادا کئے ہوئے چند جملے اکبر برلاس کے ذہن میں کہیں دور سے ابھرتے سنائی دیئے پھر ان کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

ڈاکٹر ذیشان کے علاج سے عالیہ کو حیرت انگیز افاقہ ہوا تھا۔ دو روز کے اندر اندر اس کی کھوئی ہوئی ساری توانائی لوٹ آئی تھی لیکن ڈاکٹر نے ابھی اسے مزید دو تین روز تک بستر سے نیچے قدم نہ اتارنے کی تاکید کی تھی۔ بیٹی کی طبیعت کی بحالی نے جمیلہ خاتون کو بھی ذیشان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ماں ہونے کے ناطے ان کے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا تھا کہ اگر عالیہ ڈاکٹر ذیشان سے منسوب ہو جائے تو زیادہ مناسب ہو گا لیکن انہوں نے یہ بات زبان سے نہیں نکالی تھی۔ اس لئے کہ نرگس کی ماں انہیں بتا چکی تھیں کہ عالیہ خاور کو پسند کرتی ہے۔ اس کا ذکر جمیلہ خاتون نے شوہر سے بھی کر دیا تھا۔ عابد حسین خاور برلاس کا نام سن کر چونکے تھے۔ بیٹی کی خوشی کی خاطر انہوں نے بھی کھل کر اس رشتے کے بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا لیکن انہیں یہ خدشہ ضرور تھا کہ اکبر برلاس جیسے ارب پتی خاندان میں عالیہ کا رشتہ میل نہیں کھائے گا۔ اس ضمن میں ان کی گفتگو صرف بیوی سے ہوئی تھی۔ جمیلہ خاتون نے بھی محتاط انداز میں شوہر کے خیال کی تائید کی تھی اس کے بعد دونوں نے یہی طے کیا تھا کہ جب تک خود اکبر برلاس کے گھر والوں کی سمت سے کوئی پہل نہ ہو وہ رشتے کی بات کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں گے کسی اور سے کوئی ذکر نہیں کریں گے۔

جمیلہ خاتون نہ فرسودہ خیالات کی مالک تھیں نہ ہی انہیں وہم کی بیماری تھی لیکن نرگس کی والدہ نے انہیں شبانہ بیگم کے بارے میں جو تفصیل بتائی تھی وہ اکثر ان کے ذہن میں کلبلاتی رہتی۔ چنانچہ جب عالیہ کی طبیعت اچانک خراب ہوئی اور اس نے بخار کی کیفیت میں دیوانوں کی طرح ہذیان بکنا شروع کیا تو ان کے ذہن میں اس شبے نے ضرور سر ابھارا تھا کہ کہیں شبانہ بیگم نے بیٹے کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بعد عالیہ پر کوئی جادو ٹونہ تو نہیں کرا دیا کہ اس کا ذہن پلٹ جائے اور وہ خاور کی شادی اپنی خواہش کے مطابق کہیں اور کرا دیں۔ تین روز تک وہ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہیں اور خدا سے عالیہ کی زندگی کی بھیک مانگتی رہیں۔ اس کے بعد جب ڈاکٹر ذیشان نے کسی بن بلائے فرشتے کی طرح خود سامنے آ کر عالیہ کا علاج کیا اور عالیہ اس

کی مسیحائی سے دوبارہ چاق و چوبند نظر آنے لگی تو جمیلہ خاتون کے دل میں ڈاکٹر ذیشان کیلئے کسی ہمدرد گوشے کا ابھرنا کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں تھی۔

اس وقت بھی جب ڈاکٹر ذیشان عالیہ کو دیکھنے کی خاطر آیا تو وہ اس کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ عابد حسین بھی موجود تھے۔ عالیہ اپنے بستر پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"اب جناب کی طبیعت کیسی ہے۔۔؟" ڈاکٹر ذیشان نے عالیہ سے بے تکلفی سے دریافت کیا۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔۔" عالیہ نے زیر لب مسکرا کر شکوہ کیا۔ "آپ نے بلاوجہ پلنگ سے نیچے نہ اترنے کی پابندی لگا رکھی ہے۔"

"آپ کیلئے کیا مفید ہے اور کیا نقصان دہ۔۔ یہ میں بہتر جانتا ہوں۔" ڈاکٹر ذیشان نے عالیہ کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "آپ کی بیماری نے آپ کے امی ابو کو کس قدر پریشان کیا ہے اس کا کچھ اندازہ ہے آپ کو۔۔؟"

"میں کوئی جان بوجھ کر تو بیمار نہیں پڑی تھی۔۔" عالیہ نے تیزی سے جواب دیا۔

"اچھا ذرا سوچ کر بتائیں کہ آپ بخار کی شدت میں کیا باتیں کیا کرتی تھیں۔۔"

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔۔" عالیہ نے معصومیت سے کہا۔

"یاد کیجئے۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے سنجیدگی سے کہا۔ "کوئی ایسا خوفناک پرندہ۔۔ جس کے پر سے آپ نے خون کی بوندیں ٹپکتی دیکھی ہوں۔۔"

"خوفناک پرندہ۔۔" عالیہ چونک اٹھی۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں پھر وہی عجیب الخلقت پرندہ ابھر آیا جس نے بڑے خطرناک انداز میں خاور کی کار پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے ماں کو دیکھا پھر خود کو انجان ظاہر کرنے کی خاطر حیرت سے بولی۔ "کیا میں بخار کی حالت میں کسی پرندے کا ذکر کرتی تھی۔۔؟"

"صرف پرندہ نہیں۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے کہا۔ "روشنی کے کچھ متحرک دائرے بھی آپ کو پریشان کرتے رہتے تھے۔"

"لیکن خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب رحمت کا فرشتہ بن کر آئے اور اب تم بالکل صحت مند نظر آ رہی ہو---" جمیلہ خاتون نے اس ذکر کو ختم کرنا چاہا جسے یاد کر کے ہی ان کے دل میں ہول اٹھنے لگتا تھا---"

ڈاکٹر ذیشان کچھ دیر عالیہ کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا پھر کچھ نئی دوائیں تجویز کر کے جانے کیلئے اٹھا تو عابد حسین کے علاوہ جمیلہ خاتون بھی اس کے ساتھ ساتھ باہر آ گئیں۔

"اب عالیہ کو کوئی خطرہ تو نہیں ہے---؟" جمیلہ خاتون نے براہ راست ڈاکٹر ذیشان کو مخاطب کیا۔

"خطرہ---؟ کس قسم کا---؟" ڈاکٹر ذیشان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ اب تو وہ بالکل ٹھیک ہے نا---"

"جی ہاں---" ڈاکٹر ذیشان نے کہا۔ "میں نے عالیہ کو جو انجکشن پہلے روز دیا تھا وہی اس کا نفسیاتی علاج تھا۔"

"میں تمہاری شکرگزار ہوں بیٹا---" جمیلہ خاتون نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم ہمارے لئے فرشتہ بن کر آ گئے تھے---"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟" عابد حسین نے بھی بزرگانہ محبت کا اظہار کیا۔

"آپ بلاوجہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر ذیشان نے مسکرا کر دونوں سے کہا۔ پھر قدرے معنی خیز انداز میں بولا۔ "ویسے اگر آپ میرے لئے کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو یہ دعا ضرور کریں کہ میں نے جو مکان کرائے پر لیا ہے وہ کم از کم میرے حق میں آسیب زدہ نہ ثابت ہو۔"

"کیا مطلب---" عابد حسین نے دبی زبان میں پوچھا۔ "کیا تمہیں اس مکان کے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے---؟"

"جی ہاں---" ڈاکٹر ذیشان نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ مکان ایک طویل عرصے سے غیر آباد پڑا تھا۔ لوگ اسے آسیب زدہ سمجھ کر اس کے قریب

سے گزرنے سے بھی پرہیز کرتے تھے--- کچھ لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ اس مکان سے اکثر راتوں میں پراسرار قہقہوں اور اذیت ناک چیخ کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں--- کبھی اندھیری راتوں میں اس ویران مکان میں روشنیاں بھی جلتی بجھتی نظر آتی ہیں۔ اکثر جانوروں کے رونے کی منحوس آوازیں بھی ابھرتی ہیں۔"

"اور یہ سب معلوم ہونے کے باوجود تم نے اس مکان کو کرائے پر لے لیا۔" جمیلہ خاتون نے حیرت سے سوال کیا۔

"جی ہاں---" ڈاکٹر ذیشان نے بدستور مسکراتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اس کی دو وجہ ہیں۔ اول یہ کہ میں ڈاکٹر ہوں۔ پڑھائی کے دوران چونکہ مردوں کی سال خوردہ ہڈیوں سے بھی واسطہ پڑتا رہا ہے اور لاشوں کی چیر پھاڑ بھی کرتا ہوں اس لئے خوف اور ڈر نام کی کوئی چیز میرے قریب نہیں پھٹکتی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر میں اس مکان میں کلینک کا بورڈ نہ لگاتا تو عالیہ کے علاج اور آپ لوگوں کی خدمت کا موقع کس طرح ملتا---"

"ویسے تم رہتے کہاں ہو---؟" عابد حسین نے دریافت کیا۔

"آپ کے اسی شہر میں ایک چھوٹا سا آشیانہ بنا رکھا ہے--- اسی میں رات کے وقت بسیرا کر لیتا ہوں۔"

"تمہارے والدین اور بھائی بہن بھی ساتھ رہتے ہوں گے---؟" جمیلہ خاتون نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"جی نہیں۔" ڈاکٹر ذیشان جمیلہ خاتون کے سوال پر یکلخت افسردہ ہو گیا۔ ایک لمحہ کیلئے نظریں جھکائے فرش کو تکتا رہا پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔ "میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے---"

"کیا مطلب---؟" جمیلہ خاتون نے حیرت کا اظہار کیا۔ "تمہارے کوئی عزیز اور---"

"کوئی بھی نہیں---" ڈاکٹر ذیشان نے دل گرفتہ آواز میں کہا۔ "ایک اندوہناک حادثے نے میرے تمام رشتوں کو مجھ سے چھین لیا۔ ایک میں بدنصیب تھا جو نہ جانے

کیسے بچ گیا۔۔ دور پرے کے دو ایک رشتے دار ہیں لیکن وہ دوسرے شہروں میں ہیں میں ان سے بھی زیادہ نہیں ملتا جلتا۔۔"

جمیلہ خاتون اور عابد حسین ڈاکٹر ذیشان سے اپنی ہمدردی اور محبت کا اظہار کرتے رہے۔ کچھ دیر تک اسی موضوع پر بات ہوتی رہی۔ جمیلہ خاتون خاص طور پر بہت متاثر نظر آ رہی تھیں۔

"میں اب اجازت چاہوں گا۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے عابد حسین سے کہا پھر سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

"دوسروں کو زندگی بانٹنے والا خود اندر سے اتنا دکھی ہو گا' میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" جمیلہ خاتون نے ڈاکٹر کے جانے کے بعد طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی ڈاکٹر ذیشان کے حالات سن کر افسوس ہوا لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" عابد حسین نے پر تجسس انداز میں کہا۔ "جب اسے اس مکان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا تو اسے کرائے پر لینے کی کیا ضرورت تھی۔ میری معلومات کے مطابق صرف شام کے وقت کبھی کبھار ہی کوئی ضرورت مند ادھر کا رخ کرتا ہے۔۔"

جمیلہ خاتون کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ باہر دروازے پر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی پھر نرگس اندر داخل ہوئی۔ جمیلہ خاتون اور عابد حسین کو سلام کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"عالیہ کیسی ہے۔۔۔؟"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب پہلے سے بہت بہتر ہے۔" جمیلہ خاتون نے نرگس کو دعائیں دیتے ہوئے کہا پھر اسی کے ساتھ ساتھ عالیہ کے کمرے کی طرف قدم بڑھانے لگیں۔۔ عابد حسین بدستور ڈاکٹر ذیشان کے اس کلینک کے بارے میں غور کر رہے تھے جو ایک آسیب زدہ مکان میں قائم کیا گیا تھا۔

○

خاور کو عالیہ سے ملے کئی ہفتے گزر چکے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ امتحانات کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ بڑا محدود ہو کر رہ جائے گا لیکن اسے یقین تھا کہ جلد یا بہ دیر وہ عالیہ کو اپنانے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا مگر اس وقت وہ ذہنی طور پر خاصہ الجھا الجھا نظر آ رہا تھا۔ پریشانی کی وجہ وہ باتیں تھیں جو عالیہ نے آخری ملاقات میں اس سے کی تھیں۔ عالیہ نے اپنے خواب کے بارے میں جو تفصیل بتائی تھی وہ خاور کو بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوئی تھی۔ شاید اس لئے کہ سائنسی دور میں خوابوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ زندگی کی رفتار اس قدر تیز اور ہنگاموں سے بھرپور تھی کہ خواب کی باتوں پر توجہ دینے کا وقت نہیں تھا۔ ان باتوں کو ہاضمے کی خرابی سے تعبیر دے کر یکسر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

عالیہ کو نظر آنے والے خواب کی تفصیل سننے کے بعد خاور کے ذہن میں فوری طور پر یہی خیال گزرا تھا کہ شاید عالیہ کے ذہن میں یہ خوف بیٹھ گیا ہے کہ خاور کے والدین ایک معمولی درجے کی لڑکی کو اپنی بہو کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ یہی وہم عالیہ کو لاشعوری طور پر بھی پریشان کرتا ہو گا اور اسے اپنے خدشات خواب کی شکل میں نظر آتے ہوں گے۔ خاور اس کے خوابوں کی نفی کرنا چاہتا تھا لیکن پھر عالیہ نے یکلخت آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے خاور کو اس خوفناک اور عجیب الخلقت پرندے سے ہوشیار کرنے کی کوشش کی جو اسے خواب میں نظر آ چکا تھا اور اب حقیقت میں خاور کی کار پر حملہ آور ہونے کیلئے پرتول رہا تھا۔ خاور نے آسمان کی طرف دیکھا اسے کوئی ایسا پرندہ نظر نہیں آیا جسے وہ خوفناک کہہ سکتا۔ اس نے عالیہ کے پریشان ذہن کو تسلی دینے کی خاطر خوفناک پرندے کو اس کا واہمہ قرار دیا تھا لیکن عالیہ

بیہوشی سے دو چار ہو چکی تھی۔ یہ صورتحال خاور کیلئے قابل غور تھی۔ اس نے فوری طور پر عالیہ کو نرگس کی رہائش گاہ پر چھوڑا پھر بڑی دیر تک پریشانی کے عالم میں اپنی کار میں بیٹھا سنسان سڑکوں کے بے معنی چکر لگاتا رہا۔

دو روز بعد اسے نرگس ہی کی زبانی علم ہوا تھا کہ عالیہ شدید بخار میں مبتلا ہے اور بیہوشی کی حالت میں بار بار کسی خوفناک پرندے اور اس کے پروں سے ٹپکتے ہوئے لہو کا ذکر کر کے چیخنے لگتی ہے۔ عالیہ کی ہذیانی کیفیت کا حال سن کر خاور کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ وہ ذہنی طور پر کسی ایسے خوفناک پرندے کے وجود کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا جو عالیہ کو تو نظر آیا تھا لیکن خاور کی نظروں سے اوجھل رہا مگر جو باتیں نرگس کی زبانی اس کے علم میں آئی تھیں وہ انہیں جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔

عالیہ کے گھر پر فون نہ ہونے کے سبب وہ براہ راست اس سے بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ صرف نرگس ہی ایک ایسا ذریعہ تھی جس سے وہ تقریباً روزانہ ہی عالیہ کی کیفیت کے بارے میں معلوم کرتا رہتا تھا۔ نرگس ہی نے اسے ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں بتایا تھا۔ جس کے علاج سے عالیہ کو حیرت انگیز طور پر افاقہ ہوا تھا۔ نرگس کے بیان کے مطابق ڈاکٹر ذیشان عالیہ کے سلسلے میں خاص دلچسپی لے رہا تھا اور روزانہ اسے دیکھنے آتا تھا۔

خاور کو عالیہ کی صحت یابی کا سن کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ وہ ڈاکٹر ذیشان سے بھی مل کر اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا لیکن دو تین چکر لگانے کے باوجود وہ اس سے ملاقات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یا تو کلینک میں باہر سے تالہ لگا دیکھ کر واپس آ جاتا تھا یا پھر ریسپشن پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا شخص اسے یہ کہہ کر واپس لوٹا دیتا تھا کہ ڈاکٹر اپنے کسی خاص مریض کے ساتھ حد درجہ مصروف ہے اور اسے وقت نہیں دے سکے گا۔ خاور نے باقاعدہ وقت لینے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اس سلسلے میں بھی اسے مایوسی ہوئی۔ بوڑھے نے اسے بتایا تھا کہ ڈاکٹر اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے ن مریض کو قبل از وقت ٹائم دے کر اس کی پابندی کرنے کے اصول کے خلاف

چار پانچ چکر لگانے کے بعد خاور کو شدید الجھن کا شکار ہونا پڑا تھا لیکن ڈاکٹر ذیشان میں اس کی دلچسپی بھی بڑھتی گئی۔ اس نے ریسپشن میں بوڑھے کے علاوہ کبھی کسی مریض کو بیٹھے نہیں دیکھا تھا۔ جس مکان میں کلینک قائم تھا اس پر بھی ایک عجیب سی وحشت اور ویرانی برستی نظر آتی تھی۔ بوڑھے کی اپنی شخصیت بھی بڑی پراسرار تھی۔ وہ خالی نظر آنے کے باوجود خود کو بہت زیادہ مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کرتا اور مریض سے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے بے حد خشک اور کھردرے انداز میں گفتگو کر کے اپنے چڑچڑے پن اور بیزاری کا مظاہرہ کرتا۔ اس کے علاوہ کلینک کے باہر لگا وہ نوٹس بھی خاور کی دلچسپی کا سبب بنا تھا جس پر جلی حروف میں یہ ہدایت درج تھی کہ "ریسپشن" میں اٹنڈنٹ کے علاوہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مریض کو بیٹھنے کی اجازت ہو گی دوسرے مریض باہر انتظار کریں۔" مطب کے اوقات صبح دس سے بارہ اور شام چار سے چھ بجے تک تھے۔ اتوار کو مطب بند رہتا تھا۔

اس وقت شام کے پانچ بجے تھے جب خاور نے اپنی کار مطب کے سامنے روکی۔ پھر اس نے نیچے اتر کر ریسپشن کے کمرے میں جھانکا تو حسب معمول بوڑھا اسے تنہا بیٹھا نظر آیا۔ اس نے دو تین سال پرانا کوئی میگزین ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور اپنی کرسی سے ٹیک لگائے اتنی توجہ سے اس کے مطالعے میں مصروف تھا جیسے اسے صرف اسی کام پر معمور کیا گیا ہو۔

خاور نے ریسپشن میں داخل ہو کر بوڑھے کو مخاطب کیا تو اس نے ایک نظر خاور پر ڈالی پھر میگزین کو اس طرح میز پر رکھا جیسے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ اسے اس وقت خاور کی مداخلت سخت ناگوار گزری ہے۔

"جی۔۔ فرمایئے۔۔" اس نے موٹے شیشے کی عینک کو درست کرتے ہوئے خاور کو سنجیدگی سے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ اس سے قبل بھی وہ اسی انداز سے اپنی اجنبیت کا اظہار کرتا رہا تھا۔

"آپ نے غالباً مجھے پہچانا نہیں۔۔" خاور نے کہا۔ "میں پہلے بھی چار پانچ بار آ

چکا ہوں۔"

"آپ کا نام---؟" بوڑھے نے قلم اور سامنے رکھا ہوا پیڈ سنبھالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"خاور--- خاور برلاس۔"

"بیماری کی نوعیت---؟" خاور نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے پیٹ کا مرض لاحق ہے---" خاور نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پہلے کسی ڈاکٹر کو دکھا چکے ہیں---؟"

"جی ہاں--- دو تین ڈاکٹروں کا علاج کرا چکا ہوں لیکن کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا---"

"مرض کب سے لاحق ہے---؟"

"تقریباً دو سال سے---" خاور نے اس بار بھی بڑی سنجیدگی سے جھوٹ بولا۔

"آپ کو آدھے گھنٹے انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑے گی---" بوڑھے نے قلم رکھ کر دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر اس وقت مصروف ہے---"

اپنے جملے کے اختتام کے بعد بوڑھے نے دوبارہ میگزین اٹھا کر اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ خاور کو اگر حقیقتاً بھی کوئی بیماری لاحق ہوتی تو شاید وہ اس کلینک کے ماحول اور بوڑھے پر لعنت بھیج کر وہاں سے اٹھ گیا ہوتا لیکن اسے عالیہ کی خاطر مجبوراً سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔

انتظار کا ایک ایک لمحہ خاور کو بیحد گراں گزر رہا تھا۔ کلینک کے در و دیوار سے برسنے والی وحشت اور موت کا سا سناٹا اسے بڑا ہی پراسرار لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار اس ملحقہ کمرے کے دروازے کی جانب اٹھ جاتیں جس پر ڈاکٹر زیشان کے نام کی تختی موجود تھی۔ وہ بھی شاید اندر موجود تھا جس کے پیش نظر خاور کو آدھے گھنٹے انتظار کرنے کو کہا گیا تھا لیکن خاور کو ڈاکٹر کے کمرے سے بھی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہاں بھی موت کی سی خاموشی کا راج تھا۔ پھر ٹھیک آدھے گھنٹے کے

بعد بوڑھے نے میگزین ہاتھوں میں پکڑے پکڑے نہایت خشک آواز میں کہا۔

"مسٹر خاور برلاس--- اب آپ ڈاکٹر کے کمرے میں جا سکتے ہیں---"

"شکریہ---" خاور نے اٹھتے ہوئے کہا پھر دروازے پر ہاتھ کا زور دیتا ہوا اس ملحقہ کمرے میں داخل ہو گیا جہاں ڈاکٹر زیشان اپنی میز پر تنہا بیٹھا الومینٹر (Illuminator) کے سفید روشن شیشے پر لگے ہوئے ایک انسانی کھوپڑی کے ایکسرے کو اس قدر انہماک سے دیکھنے میں مصروف تھا کہ اسے شاید خاور کے کمرے میں داخل ہونے کی خبر بھی نہیں ہوئی۔

خاور نے نہایت غور سے ڈاکٹر زیشان کی شخصیت کا جائزہ لیا پھر خاموشی سے میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بظاہر ڈاکٹر زیشان اسے ایک مہذب اور ذہین نوجوان نظر آیا تھا۔ ڈاکٹر کی اپنی شخصیت کی طرح اس کے کمرے کی ہر چیز میں بھی نفاست موجود تھی--- خاور کو زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ڈاکٹر نے ایکسرے کی جانب سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا تو معذرت طلب انداز میں بولا۔

"آئی۔ ایم۔ سوری--- دراصل اس وقت میں ایک پیچیدہ کیس کے بارے میں ضروری مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس لئے آپ کو انتظار کرنا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں---" خاور نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ آج آپ سے ملاقات ہو گئی---"

"مجھے معلوم ہے--- آپ پہلے بھی کئی بار تشریف لا چکے ہیں۔" ڈاکٹر نے مہذب انداز میں کہا پھر خاور کو سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے پیشہ وارانہ انداز میں بولا۔ "ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن بظاہر آپ مجھے مریض نظر نہیں آتے۔"

"خدا کرے آپ کی تشخیص بھی میرے حق میں بہتر ہی ثابت ہو۔" خاور نے سنبھل کر کہا۔ پھر پیٹ کی فرضی بیماری کے بارے میں دو چار موٹی موٹی تکلیفیں بیان کرنے لگا۔ فوری طور پر وہ اپنی آمد کا اصل مقصد نہیں بیان کرنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر زیشان توجہ سے اس کی بات سنتا رہا۔ خاور خاموش ہوا تو اس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی بیماری بڑی معمولی نوعیت کی ہے لیکن کوئی علاج تجویز کرنے سے پیشتر میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ آپ نے خاص طور پر میرے پاس آنا کیوں پسند کیا--؟ آپ چاہتے تو کسی بڑے ہسپتال میں جا کر کسی ماہر کی خدمات بھی حاصل کر سکتے تھے۔"

"میں جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے ایک واقف کار نے آپ کی اتنی تعریفیں بیان کیں کہ میں کسی ماہر کے پاس جانے کے بجائے سیدھا آپ کے پاس چلا آیا--" خاور نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"میں اسے آپ کی ذرہ نوازی کہوں گا مسٹر خاور برلاس--" ڈاکٹر زیشان نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ آپ اگر چاہتے تو ایک شاندار کلینک قائم کر کے مجھے وہاں ملازم بھی رکھ سکتے تھے۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں--" خاور نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔ اسے ڈاکٹر زیشان کی زبان سے اپنا نام سن کر تعجب ہی ہوا تھا اس لئے کہ اس نے جو معلومات ریسپشن پر بوڑھے کو لکھوائی تھیں وہ اندر نہیں بھیجی گئی تھیں لیکن اس نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کر لیا کہ ہو سکتا ہے بوڑھے نے پہلے اس کی آمد کی اطلاع ڈاکٹر کو پہنچا دی ہو اور ڈاکٹر نے برلاس کا نام سن کر خاور کے بارے میں یہی اندازہ قائم کیا ہو کہ اس کا تعلق اکبر برلاس کے خاندان سے ہو گا۔ جس کی شہرت کوئی ڈھکی چھپی بات بھی نہیں تھی۔

"کیا میرا یہ خیال درست ہے کہ آپ اکبر برلاس کے صاحبزادے ہیں--؟" ڈاکٹر زیشان نے پہلو بدل کر پوچھا۔

میں نے پہلی ہی نظر میں آپ کی ذہانت کا اندازہ لگا لیا تھا۔" خاور نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کسی کامیاب ڈاکٹر کیلئے یہ ایک پلس پوائنٹ (Plus Point) ہوتا ہے کہ وہ ماہر نفسیات بھی ہو۔" ڈاکٹر نے اس بار معنی خیز انداز میں خاور کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کہا پھر یکلخت بڑی سنجیدگی سے بولا-- "جب آپ نے پہلی بار میرے کلینک میں قدم رکھا تھا میں نے اسی دن یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی بیماری لاحق

نہیں ہے-- کیا آپ میری رائے سے اتفاق کریں گے۔"

"آپ کا خیال درست ہے---" خاور نے سنجیدگی سے اعتراف کر لیا۔

"پھر--" ڈاکٹر زیشان نے قدرے خشک لہجے میں سوال کیا۔ "آپ کے یہاں آنے کا دوسرا کیا مقصد ہے؟"

"دراصل میں آپ سے کسی مریض کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا--" خاور نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ اسے ڈاکٹر زیشان کے اندر رونما ہونے والی تبدیلی پسند نہیں آئی تھی۔

"آپ پھر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے کسی مریض کیلئے نہیں بلکہ ایک مریضہ کی خاطر یہاں تک آنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔"

خاور اپنی کرسی پر کسمسا کر رہ گیا پھر اس سے پیشتر کہ وہ اپنی حیرت کا اظہار کرتا یا کچھ اور کہتا ڈاکٹر زیشان اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر ٹھوس آواز میں بولا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے-- اپنے لئے نہیں بلکہ عالیہ کیلئے-- عالیہ جو تمہاری محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود ذہنی کشمکش کا شکار ہے-- وہ ابھی تک تمہارے سلسلے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکی۔"

"یہ بات آپ یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" خاور نے تیور بدل کر دریافت کیا۔

"میں ڈاکٹر ہوں' مرض کی تشخیص نبض دیکھ کر لگا سکتا ہوں۔" ڈاکٹر زیشان کی آواز میں ایک مخصوص گونج سی پیدا ہونے لگی۔ "بخار کی شدت میں وہ ہزیان بکتی رہی ہے۔ ایک خوفناک پرندہ اس کے ذہن پر خوف بن کر چھا رہا ہے۔ جانتے ہو وہ کون ہے---؟"

"کون--؟" خاور نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"مستقبل میں لاحق خوف کا ایک علامتی سمبل--" ڈاکٹر نے پلکیں جھپکائے بغیر خاور کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ایک ایسا خطرہ جسے وہ محسوس تو کر رہی ہے

لیکن اس کے خلاف زبان نہیں کھول سکتی-- وہ خطرہ-- وہ سمبل اس کا محبوب بھی ہو سکتا ہے جو کسی خوفناک پرندے کی طرح اپنے پر پھیلائے اس کے وجود کو ہڑپ کر جانے کی خاطر بار بار پینترا بدل کر اس پر جھپٹ پڑتا ہے-- وہ اس خطرے سے دور بھاگنا چاہتی ہے لیکن شاید ابھی دل پوری طرح اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ بے یقینی کی یہی کیفیت جب اس کے قدموں کو ڈگمگاتی ہے تو آئندہ پیش آنے والے خدشات متحرک منظر کی صورت اختیار کر کے اسے اپنے خوابوں میں نظر آنے لگتے ہیں--"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں---" خاور نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ اس کے دل و دماغ میں کچھ عجیب سی کشمکش جاری تھی۔ ڈاکٹر کا اندازِ گفتگو اسے گراں گزر رہا تھا۔ وہ اس کے کلینک سے اٹھ کر چلا جانا چاہتا تھا لیکن کوئی مقناطیسی قوت تھی جس نے اس کے قدم جکڑ رکھے تھے۔ وہ نہ چاہنے کے باوجود ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بیٹھے رہنے پر مجبور تھا۔

"تم سمجھنا نہ چاہو تو دوسری بات ہے ورنہ میں نے تو جو کچھ بھی کہا ہے اس کا تعلق صرف اور صرف تمہاری ذات سے ہے۔"

"کیا مطلب---؟" خاور چونکا۔

"تم اس کے محبوب ہو لیکن تمہارے اور اس کے درمیان امارت اور غربت کی جو خلیج حائل ہے وہ اسے عبور کرتے ہوئے ڈوب جانے کے خیال سے سہم جاتی ہے--" ڈاکٹر ذیشان نے اپنی آواز کا سحر برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اس کی خاطر کوئی قربانی دے سکتے ہو؟ کوئی ایسا مضبوط اور ٹھوس قدم اٹھانے کو تیار ہو جو تمہاری عالیہ کو کسی خوفناک پرندے کے اذیت ناک تصور سے ہمیشہ کیلئے نجات دلا سکے--"

"عالیہ کی خاطر میں ہر قربانی دے سکتا ہوں---" خاور نے جذباتی انداز میں جواب دیا لیکن ڈاکٹر کی آنکھوں کی طرف سے اپنی توجہ نہ ہٹا سکا۔

"اگر تم عالیہ کو چاہتے ہو-- اسے خوف کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہو تو

میری بات غور سے سنو---" اس بار ڈاکٹر ذیشان نے ایک بار پھر ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ خاور کی نگاہوں میں دور تک جھانکتے ہوئے بولا۔ "اپنے والدین سے بغاوت کر لو-- ان سے علیحدگی اختیار کر لو-- اس عظیم الشان عمارت سے باہر آ جاؤ جس کے اندر تمہاری عالیہ کو ابھی سے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے-- عالیہ کی خاطر اگر تمہاری زندگی بھی کام آ جائے تو یہ تمہاری محبت کی معراج ہو گی-- اور اگر تم کوئی قربانی نہیں دے سکتے تو اس کے راستے سے ہٹ جاؤ-- کیا تم میری بات سن رہے ہو؟"

"ہاں--" خاور نے خوابناک سی مدھم آواز میں جواب دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی معمول پوری طرح اپنے عامل کے سحر میں ڈوب چکا ہو--- "میں عالیہ کی خاطر اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا ہوں--"

"تم اس وقت کس سے مخاطب ہو--؟" ڈاکٹر نے یکلخت بڑی مدھم آواز میں سوال کیا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں حیرت انگیز طور پر اپنے حلقوں کے اندر تیزی سے چکرانے لگی تھیں۔

"میں-- میں اس وقت ڈاکٹر ذیشان سے باتیں کر رہا ہوں---" خاور نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود گہری نیند میں غرق ہو۔ اپنی کرسی پر اب وہ کسی بت کی طرح ساکت و جامد نظر آ رہا تھا۔

"نہیں---" ڈاکٹر نے سرسراتے ہوئے کہا۔ "تم ڈاکٹر ذیشان سے کبھی نہیں ملے۔ اس نام کو اپنی یادداشت سے کھرچ کر نکال دو۔

"تم نے ڈاکٹر ذیشان کا نام کبھی نہیں سنا--"

"ہاں-- میں نے یہ نام نہیں سنا۔"

"عالیہ کی محبت کی خاطر تم موت کے فرشتے سے خوفزدہ نہیں ہو گے-- وہ تمہاری پہلی اور آخری محبت ہے۔" ڈاکٹر ذیشان کی پتلیوں کی گردش ہر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی آواز کمرے میں آہستہ آہستہ گونج رہی تھی-- "کسی حادثے کا خوف ہر انسان کے قدم ڈگمگا دیتا ہے لیکن تم-- تم کسی حادثے سے خوفزدہ نہیں ہو

گے--- موت برحق ہے۔"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے جیسے وہ پوری توجہ سے ایک ایک بات کو ذہن نشین کر رہا ہو۔

"تم اس وقت ہر چیز کو دیکھ رہے ہو---"

"ہاں۔ مجھے سب کچھ نظر آ رہا ہے۔"

"میں کون ہوں---؟" ڈاکٹر نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"تم---" خاور ایک لمحے کو ہچکچایا پھر جلدی سے بولا۔ "میں تم کو نہیں جانتا---"

"لیکن تم میری آواز سن رہے ہو---"

"ہاں--- مجھے تمہاری آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔"

"عالیہ کو جانتے ہو---؟"

"ہاں--- وہ میری محبوبہ ہے لیکن---" خاور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا---؟" ڈاکٹر نے تیزی سے سوال کیا۔ "تم کیا کہنا چاہتے تھے---"

"عالیہ بیمار ہے--- مجھے نرگس نے بتایا تھا کہ وہ بہت کمزور ہو گئی ہے---"

"اور بخار کی شدت میں وہ کسی خوفناک پرندے کو یاد کر کے چیخنا چلانا شروع کر دیتی ہے---" ڈاکٹر نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

"ہاں---"

"وہ خوفناک پرندہ--- تم ہو---"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بظاہر پتھرائی ہوئی نظروں سے ڈاکٹر ذیشان کو گھورتا رہا۔

"تم اس ڈراؤنے، بھیانک اور منحوس پرندے کو ختم کر کے عالیہ کا دل جیت سکتے ہو--- وہ تمہاری محبوبہ ہے---"

"ہاں--- وہ میری محبوبہ ہے---"

"تم اس وقت کہاں بیٹھے ہو---؟" ڈاکٹر نے نرم آواز میں پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"لیکن تمہیں یاد ہے کہ تمہاری گاڑی باہر کھڑی ہے--- تم خود اسے ڈرائیو کر کے یہاں تک آئے تھے۔"

"ہاں--- مجھے یاد ہے---"

"میری بات پوری توجہ اور دھیان سے سنو۔" ڈاکٹر نے قدرے آگے جھکتے ہوئے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ "یہاں سے باہر جا کر تم اپنی کار میں بیٹھو گے۔ تم ڈرائیونگ جانتے ہو--- راستے تمہارے دیکھے بھالے ہیں۔ تم گھر سے عالیہ کیلئے پھولوں کا گلدستہ اور کوئی حسین سا تحفہ لینے نکلے تھے--- تمہارا تحفہ عالیہ کیلئے تمہاری محبت کا ایک حسین پیغام ہو گا--- تم میری بات پوری طرح سمجھ رہے ہو نا---"

"ہاں--- میں سمجھ رہا ہوں---" خاور نے بدستور خوابیدہ انداز میں جواب دیا۔

"اب تم جا سکتے ہو---" ڈاکٹر نے گھمبیر آواز میں کہا پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں--- اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی بدستور مسلط تھی۔

خاور کسی روبوٹ کی طرح مشینی انداز میں اٹھا اور جس راستے سے ہو کر وہ ڈاکٹر ذیشان کے کمرے تک پہنچا تھا اسی سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور بڑی مہارت سے ڈرائیو کرتا ہوا کشادہ سڑک پر آ گیا--- اس کی آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں لیکن حرکت کرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ گہری غنودگی اور نیند کی کیفیتوں سے دو چار ہے۔

پندرہ منٹ تک وہ مسلسل گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ کئی بار حادثے سے دو چار ہوتے ہوتے بال بال بچا۔ ایک بار اس نے ٹریفک سگنل پر بھی دھیان نہیں دیا۔ اتفاق ہی تھا جو اس سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا ورنہ وہ یقیناً کوئی بڑا ایکسیڈنٹ کر بیٹھتا۔ سگنل کے قریب کھڑے ٹریفک کانسٹیبل نے اسے رکنے کا اشارہ کیا--- سیٹی بھی بجائی لیکن خاور اپنی دھن میں غرق گاڑی کو خاصی رفتار سے آگے نکالتا چلا گیا۔ پھر شاید قدرت ہی اس کا ساتھ دے رہی تھی جو مختلف راستوں سے گزرتا ہوا وہ اس سپر اسٹور کے پارکنگ تک پہنچ گیا جو ایک پر ہجوم علاقے میں واقع تھا۔ گاڑی بند کر کے وہ

مشنی انداز میں نیچے اترا پھر سپر اسٹور کی جانب قدم اٹھانے لگا۔

ڈاکٹر زیشان نے اسے اتنی مہارت سے ہپناٹائز (Hypnotise) کیا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان سے گزرنے کے باوجود ہر شخص سے لاتعلق اور اردگرد کے ماحول سے بے خبر تھا لیکن پھر اچانک بھیک مانگتا ہوا ایک فقیر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔۔ اس نے خاور کو گڑگڑاتے ہوئے مخاطب کیا۔

"اللہ کے نام پر کچھ دیتا جا بابا۔۔۔"

خاور عمل تنویم کے جس سحر سے دو چار تھا اس میں فقیر کی صدا بھی اس کے کانوں سے نہیں ٹکرائی' وہ نظریں اٹھائے تیزی سے آگے بڑھا تو فقیر سے ٹکرا گیا۔ پھر فقیر کی لاٹھی اس طرح اس کی ٹانگوں کے درمیان آگئی کہ وہ اپنا توازن بھی برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑاتا ہوا پختہ زمین پر الٹ گیا۔

قریب سے گزرتے ہوئے لوگوں نے فقیر کو دھتکارتے ہوئے خاور کو سہارا دے کر اٹھایا تو وہ اس طرح تیزی سے پلکیں جھپکا جھپکا کر ماحول کا جائزہ لینے لگا جیسے کسی نے اسے بڑی گہری نیند سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ہو۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی کوشش کی کہ وہ جس جگہ کھڑا تھا وہاں کس ارادے سے آیا تھا لیکن اسے کچھ یاد نہیں آسکا۔

"آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔ ایک معمر شخص نے خاور سے دریافت کیا۔"

"جی۔۔ جی نہیں۔" خاور نے جلدی سے کہا۔

"آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں؟" ایک نوجوان نے ہمدردی کا اظہار کیا۔
"میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔۔؟"

"شکریہ۔۔۔" خاور نے بوکھلائے ہوئے انداز میں جواب دیا پھر لوگوں کے ہجوم سے گزر کر بلا مقصد ایک جنرل اسٹور میں داخل ہو گیا۔ وہ بار بار اپنے ذہن کو کرید رہا تھا لیکن اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کب اور کس مقصد سے گھر سے نکلا تھا اور اس علاقے تک کس طرح پہنچ گیا تھا۔

جنرل اسٹور سے بلا مقصد ہی دو چار چیزیں خرید کر وہ باہر نکلا تو سامنے پارکنگ میں

اپنی گاڑی دیکھ کر دوبارہ اس طرح چونکا جیسے اس کے ذہن کو کوئی جھٹکا سا لگا ہو۔ چند لمحے تک وہ سوئے سوئے ذہن کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر خاموشی سے قدم اٹھاتا اپنی گاڑی کے قریب گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر چابی نکالی۔ کار کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا لیکن گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بجائے سیٹ پر تھکے تھکے انداز میں بیٹھ کر اس نے اپنا سر پشت پر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اور ایک بار پھر ذہن پر جمی اس برف کو صاف کرنے لگا جس نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو وقتی طور پر بالکل معطل کر دیا تھا۔



عالیہ نے پوری طرح صحت مند ہو کر دوبارہ گھر کے کام کاج میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ اپنی بیماری سے پیشتر خاور کے ساتھ آخری ملاقات میں اس کی نظروں نے جس عجیب الخلقت اور پراسرار پرندے کو دیکھا تھا وہ ابھی تک اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے کبھی کبھی اس بات پر شدید حیرت ہوتی کہ اس نے جس فرضی پرندے کو اپنے پریشان خوابوں کا ترجمان بنا کر خاور کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی تھی وہ اصلی روپ میں اس کے سامنے کس طرح آگیا تھا۔۔؟

ایک دو بار عالیہ نے اس پرندے کو محض اپنا وہم قرار دینے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ذہن سے اس بوجھ کو اتار پھینکنا چاہتی تھی لیکن جب اسے اپنی بیہوشی کا خیال آتا تو وہ پھر الجھنے لگتی۔

نرگس نے کئی بار عالیہ سے اس کی بیہوشی کا سبب جاننے کی کوشش کی لیکن عالیہ نے ہر بار اسے باتوں میں ٹال دیا۔ نرگس نے اس کی بیماری کے سبب زیادہ زور نہیں دیا لیکن اس وقت تو وہ جیسے پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"سچ سچ بتاؤ۔۔ تمہاری بیہوشی کی اصل وجہ کیا تھی۔۔؟" نرگس نے اسے سنجیدگی سے گھورتے ہوئے کہا۔ "آج میں ہر قیمت پر تمہاری زبان سے سچ اگلوا کر رہوں گی ورنہ سوچ لو۔۔ اگر میں درمیان سے ہٹ گئی تو پھر تم خاور کے صرف خواب ہی دیکھتی رہنا۔"

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ خاور سے باتیں کرتے کرتے بس اچانک میرا ذہن چکرا گیا اور میں۔۔۔"

"اور میں تمہیں وہ بات نہیں بتانا چاہتی جو ابھی تک میں نے چھپا رکھی ہے۔۔۔" نرگس نے اسے کریدنے کی خاطر اس کا جملہ اپنی زبان میں مکمل کیا پھر بڑی راز داری سے بولی۔ "کہیں کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہے جو تم مجھ سے بتاتے ہوئے شرما رہی ہو۔"

"دماغ چل گیا تمہارا۔۔" عالیہ نے بناوٹی غصے کا اظہار کیا۔ "کیا تم سوچ سکتی ہو کہ میں کوئی غلط قدم اٹھا کر گھر والوں کی بدنامی کا سبب بن سکتی ہوں۔۔۔؟"

"تو پھر شرافت سے اصلیت اگل دو ورنہ کچھ زیادہ ہی سوچنا شروع کر دوں گی۔۔۔"

نرگس نے زیادہ اصرار کیا تو عالیہ نے دبی زبان میں وہ سب کچھ بتا دیا جو اس پر بیت چکی تھی۔

"جب میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ اپنے خواب کے بارے میں خاور کو کچھ نہ بتانا تو۔۔۔"

"میں نے اسے اصلی خواب تو نہیں سنایا۔" عالیہ نے تیزی سے کہا۔ "صرف ایک فرضی خواب سنا کر اسے اس بات پر اکسانا چاہتی تھی کہ وہ اپنے گھر والوں سے رشتے کی خاطر بات کر سکے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے واقعی اس پراسرار پرندے کو گاڑی پر جھپٹتے دیکھا تھا۔" نرگس نے ایک امکانی بات کہی۔ "کہیں وہ تمہارا وہم تو نہیں تھا۔۔۔"

"وہم ہوتا تو میں اس کے خوف سے دہشت زدہ ہو کر بیہوش نہ ہوتی۔۔۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔۔۔" نرگس یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ "تم بخار کی شدت میں بھی اسی پرندے کے بارے میں ہذیان بکتی رہی ہو۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" عالیہ مجسم سوال بن گئی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔۔" نرگس نے پہلی بار اسے بیماری کے دوران

اس کے زبان سے نکلے ہوئے جملوں کے بارے میں بتایا۔ "اکثر کو یہاں تک یقین آنے لگا تھا کہ تمہارے اوپر کسی آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔۔۔"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ اس کے شگفتہ چہرے پر اچانک خوف کے تاریک اور مہیب سائے لہرانے لگے تھے۔

"کیا بات ہے۔۔؟" نرگس نے اس کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے نرمی سے مخاطب کیا۔ "اب کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟"

"ہو سکتا ہے والد صاحب کا خیال ٹھیک ہی ہو۔۔۔" عالیہ نے غمناک لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم سے جو خواب بیان کیا تھا وہ آج بھی روز اول کی طرح مجھے یاد ہے۔۔ جو بھیانک اور مکروہ چہرے والا مجھے نظر آیا تھا اس نے خاص طور پر مجھے دھمکی دی تھی کہ میں خاور کا خیال ذہن سے کھرچ کر نکال دوں ورنہ وہ مجھے کسی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔۔" عالیہ نے ایک سرد آہ بھر کر اپنا کلام جاری رکھا۔ "خوفناک پرندہ بھی یقیناً اسی پہلے خواب کی کوئی کڑی ہے۔۔ تم جانتی ہو کہ میں حالات سے خوفزدہ ہونے والی کوئی ڈرپوک یا بزدل لڑکی نہیں ہوں۔۔ لیکن میرے ذہن میں نہ جانے کیوں ایک خیال رہ رہ کر سر ابھارتا رہتا ہے کہ شاید میں خاور کو نہ پا سکوں گی۔۔۔"

"حماقت کی باتیں مت کرو۔" نرگس نے بڑی محبت سے ڈانٹا۔ "دنیا میں ہر بیماری کا علاج ممکن ہے۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر حالات کے پیش نظر اب مجھے یقین سا آنے لگا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی نادیدہ قوت ضرور ہے جو میرے اور خاور کے درمیان حائل ہے۔۔ وہ ہر قدم پر ہمارا راستہ کھوٹا کرتی رہے گی۔"

"تمہارے اس مفروضے کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے۔۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"ڈاکٹر ذیشان۔۔۔" نرگس نے عالیہ کو محض بہلانے کی خاطر کہا۔ "بڑا ہی اسمارٹ، چارمنگ اور ہینڈسم شخصیت کا مالک ہے۔ اس کے ایک ہی انجکشن نے

تمہارے بخار اور ہذیان کو نو دو گیارہ کر دیا تھا۔۔ بڑی پابندی سے تمہیں دیکھنے آ رہا ہے۔ آنٹی اور انکل بھی اس کی مسیحائی کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے قرب نے لاشعوری طور پر تمہیں بھی شیشے میں اتار لیا ہو۔۔۔؟"

"اچھا کیا جو تم نے مجھے اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا۔" اس بار عالیہ نے اپنے پریشان خیالات کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے شوخی سے جواب دیا۔ "میں وعدہ تو نہیں کرتی لیکن کوشش کروں گی کہ ڈھکے چھپے الفاظ میں تمہاری پسندیدگی کو ڈاکٹر ذیشان کے علم میں لا سکوں۔"

"اب ان باتوں سے کیا حاصل۔۔۔؟" نرگس نے ڈھٹائی سے کہا۔ "ڈاکٹر ذیشان نے اپنی انٹری میں بہت دیر لگا دی ہے ورنہ اس کے بارے میں بھی غور کیا جا سکتا تھا۔۔ فی الحال تو جمشید ہی کو بھگتنا ہو گا جس کے نام پر میری بکنگ ہو چکی ہے۔ پولیس والوں کی دشمنی بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔۔۔"

"اگر تم صرف جمشید کی وجہ سے ڈاکٹر کو مجبورا" صبر کر رہی ہو تو میری خدمات تمہیں حاصل ہیں۔" عالیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں جمشید کو سمجھا بجھا کر کہیں اور دانہ چگنے پر آمادہ کر لوں گی۔"

"اے۔۔ خبردار۔" نرگس نے آنکھیں نکالتے ہوئے غصے کا اظہار کیا۔ "میں پہلے بھی تمہیں منع کر چکی ہوں کہ میرے جمی (جمشید) کا نام کبھی اتنے پیار سے اپنی زبان پر مت لانا۔۔۔"

کچھ دیر تک عالیہ اور نرگس کے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ نرگس نے عالیہ کو بہلانے کی خاطر جو نفسیاتی طریقہ کار اختیار کیا تھا اس میں اسے سو فیصد کامیابی ہوئی۔ عالیہ کے چہرے پر اب اداسی اور مایوسی کے وہ سائے نظر نہیں آ رہے تھے جو کچھ دیر پہلے منڈلا رہے تھے لیکن اس کی یہ وقتی خوشی بھی بہت زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ باہر دروازے پر زور زور سے دی جانے والی دستک کی آواز سن کر نرگس بھی عالیہ کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آ گئی جہاں عالیہ کی والدہ ورانڈے میں بچھے تخت پر بیٹھی تھیں۔ عابد حسین بھی قریب بیٹھے کسی کتاب کے مطالعے میں محو تھے۔

دروازہ عابد حسین نے کھولا لیکن پھر باہر کھڑی قیمتی کار سے ایک موڈرن خاتون کو تیزی سے باہر آتے دیکھا تو جلدی سے پلٹ کر بیٹھک میں چلے گئے۔ انہوں نے بیگم شبانہ برلاس کو پہلی بار دیکھا تھا اس لئے پہچان نہ سکے لیکن انہیں دیکھتے ہی نہ جانے کیوں عابد حسین کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ انجانے وسوسے ان کے ذہن میں انتشار پیدا کرنے لگے۔

شبانہ بیگم کے چہرے پر نظر آنے والی زلزلے کی علامتیں کسی تباہی کا پیش خیمہ نظر آ رہی تھیں۔ عالیہ اور جمیلہ خاتون نے بھی پہلی بار شبانہ بیگم کو دیکھا تھا۔ چنانچہ نرگس نے ڈرتے ڈرتے جمیلہ خاتون سے شبانہ بیگم کا تعارف کرایا۔

"ہمارے بڑے نصیب جو آپ تشریف لائیں۔" جمیلہ خاتون نے جلدی سے استقبال کی خاطر اٹھ کر کہا۔ "تشریف لایئے۔"

شبانہ بیگم نے عالیہ کی ماں کی محبت کا جواب انتہائی حقارت سے نگاہیں پھیر کر دیا۔ مختصر سے صحن میں رک کر انہوں نے بڑی نفرت سے ایک نظر مکان پر ڈالی پھر عالیہ کو اس طرح گھورنے لگیں جیسے کچا ہی چبا ڈالنے کے امکانات پر غور کر رہی ہوں۔ عالیہ بوکھلا کر رہ گئی۔ شبانہ بیگم کے کھردرے تیور دیکھ کر اس کا دل بھی کسی انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔

"آپ اندر چل کر بیٹھیں آنٹی۔" نرگس نے بھی آگے بڑھ کر شبانہ بیگم سے درخواست کی۔

"عالیہ تمہارا ہی نام ہے۔۔؟" شبانہ بیگم نے نرگس کو جواب دینے کے بجائے تیوری پر بل ڈال کر عالیہ کو خونخوار نظروں سے گھورا۔

"جی ہاں۔۔" عالیہ کے بجائے جمیلہ نے جواب دیا پھر لجاجت سے بولیں۔ "آپ اندر تو تشریف لائیں۔"

"میں یہاں بیٹھنے یا اپنا وقت برباد کرنے نہیں آئی ہوں۔" شبانہ بیگم نے جمیلہ خاتون کو گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "آپ کو صرف اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔۔۔"

aazzamm@yahoo.com

"آخری فیصلہ۔۔۔" جمیلہ خاتون معاملے کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ آہستہ سے بولیں۔ "میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب بہت صاف اور واضح ہے محترمہ۔۔۔" شبانہ بیگم نے بڑے غرور اور تکبر سے کہا۔ "آپ کی خوبصورت بیٹی نے جو اونچے اور سہانے خواب دیکھے ہیں وہ کبھی پورے نہیں ہوں گے۔۔ خاور ایک بڑے باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی شادی بھی کسی بڑے اور برابر کے خاندان میں ہو گی۔۔ مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند زیب نہیں دیتا۔۔ اپنی جوان بیٹی سے کہو کہ خاور کے بجائے کسی آنکھ کے اندھے کو پھانسنے کی خاطر اپنے حسن کے فریب کا کوئی نیا جال بنے۔۔"

پھر اس سے پیشتر کہ جمیلہ خاتون کوئی جواب دیتیں شبانہ بیگم غصے میں تلملاتی تیزی سے پلٹیں اور تیز تیز قدم اٹھاتی دروازے سے باہر چلی گئیں۔ جمیلہ خاتون سکتے کی کیفیت سے دو چار کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ ان کی آنکھیں ابھی تک کھلے دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ شبانہ بیگم کے زہر میں بجھے جملے بدستور بازگشت بن کر ان کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

عالیہ کو اپنا وجود چکراتا محسوس ہو رہا تھا۔ نرگس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس موقع پر جمیلہ خاتون کی دلجوئی کرے یا عالیہ کو سنبھالے۔ شبانہ بیگم نے جس بد اخلاقی اور کم ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا وہ خواب میں بھی اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

بیٹھک میں موجود عابد حسین کے دل پر کیا گزری اس کی خبر تو کسی کو نہ ہو سکی۔ شبانہ بیگم نے ان کی غربت اور شرافت کی جو دھجیاں اڑائی تھیں شاید وہ اسے سمیٹنے ہی کی خاطر سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ ان میں اتنی قوت بھی نہیں رہی تھی کہ اپنے قدموں سے بیٹھک کے باہر آ کر بیٹی کے دل پر ٹوٹنے والی قیامت کا تماشہ ہی دیکھ سکتے۔

○

خاور بڑی دیر تک سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے اپنی یادداشت کو کریدتا رہا لیکن

کوشش بسیار کے باوجود اسے یہ بات یاد نہ آ سکی کہ وہ گھر سے کب اور کس مقصد سے نکلا تھا اور سپر اسٹور تک کس طرح پہنچ گیا۔۔ حتی الامکان ذہنی جمناسٹک کرنے کے بعد اس نے خود کو سنبھالا۔ وہ کیفیت جو اس پر اس وقت طاری تھی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ذہن پر زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔ ایک نظر ماحول پر ڈالی پھر اس انداز میں سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جیسے کچھ دیر ستانے کے بعد اٹھا ہو۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے وہ اسے پارکنگ لاٹ سے باہر نکال لایا۔

گھر پہنچ کر خاور نے اطمینان کا سانس لیا۔ ماں کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے محسوس کیا تھا کہ کمرہ خالی ہے۔ ماں شاید گھر پر نہیں تھی۔ ماں کی غیر موجودگی پر خاور نے غور نہیں کیا۔ ملازم سے کچھ دیر بعد گرما گرم کافی لانے کی تاکید کرتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فوارے کے نیچے کھڑے ہو کر ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو جسم کے علاوہ ذہن پر طاری کسلمندی بھی کسی حد تک دور ہو گئی۔

غسل خانے سے نکل کر اس نے اپنا ایک پسندیدہ کیسٹ ٹیپ پر چلا دیا پھر راکنگ چیئر پر بیٹھ کر گانے کے بول کے ساتھ ساتھ خود بھی گنگنانے لگا۔ کچھ دیر بعد ملازم کافی کی ٹرالی لئے اندر داخل ہوا تو خاور نے ماں کے بارے میں سوال کیا۔

"ممی کہاں ہیں۔۔؟"

"بیگم صاحبہ ایک گھنٹے پہلے کہیں گئی ہیں۔" ملازم نے کافی تیار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے تو نہیں پوچھا تھا۔۔۔" خاور نے خود کو مصروف رکھنے کی خاطر دوسرا سوال کر ڈالا۔

"جی نہیں۔۔" ملازم نے کہا لیکن چہرے کے تاثرات ظاہر کر رہے تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔

"کیا بات ہے۔۔؟" خاور نے اسے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ "تم نے یہ رونی سی صورت کیوں بنا رکھی ہے۔۔"

"جی۔۔ وہ۔۔ کوئی بات نہیں ہے۔۔" ملازم گڑبڑا گیا۔

"ملازمت سے برطرف تو نہیں کر دیئے گئے؟" خاور نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ شاید آج اس ملازم کی بھی چھٹی کر دی گئی ہے۔ وہ ماں کے غصے سے بخوبی واقف تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر ملازموں کو برطرف کر دینا شبانہ بیگم کی ہوبی بن گئی تھی۔ ان کی اس عادت سے گھر کے تمام ملازم ہمیشہ بہت خوفزدہ رہتے تھے اور خیال رکھتے تھے کہ ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جو مالکن کے دل پر گراں گزرے اور وہ اس تنخواہ سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیئے جائیں جو ان کو کسی دوسری ملازمت میں نہیں مل سکتی تھی۔

"گولی کان کے برابر سے نکل گئی چھوٹے صاحب۔" ملازم جو خاور کا قدرے منہ چڑھا تھا سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا جرم سرزد ہو گیا تھا۔۔؟"

"بیگم صاحبہ نے مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ آپ اپنے کمرے میں ہیں لیکن آپ کہیں جا چکے تھے۔" ملازم نے کافی کا کپ تیار کر کے خاور کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بس اتنی سی غلطی پر بیگم صاحبہ ناراض ہو گئیں۔"

"بچت کس طرح ہوئی۔۔۔؟" خاور نے کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے فوراً ہاتھ جوڑ کر اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی۔۔ بات آخری وارننگ دے کر ختم کر دی گئی۔" ملازم نے کہا۔

"پریشان مت ہو۔۔" خاور نے ملازم کے چہرے پر طاری مردنی دیکھ کر تسلی دی۔

"میں ممی سے سفارش کر کے تمہاری وارننگ بھی ختم کرا دوں گا۔"

"آج بیگم صاحبہ سے میری سفارش بھی نہ کیجئے گا چھوٹے صاحب۔۔" ملازم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "آج ان کا پارہ بہت چڑھا ہوا ہے۔ ڈرائیور نے گاڑی لگانے میں ذرا دیر کر دی تو اس پر بھی برس پڑی تھیں۔۔۔"

"پہلے ممی کے نشانے پر کون آیا تھا۔۔۔؟" خاور نے ذہن پر طاری بوجھ کو ہلکا کرنے کی خاطر مسکرا کر پوچھا۔ "تم یا ڈرائیور۔۔۔"

"مجھ سے پہلے ڈرائیور کی کم بختی آ چکی تھی۔۔" ملازم نے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اس وقت تک بیگم صاحبہ کے سامنے نہیں تھا لیکن اسے میری بدبختی ہی کہہ لیجئے جو گھبرا کر یہ معلوم کرنے کی غرض سے سامنے چلا گیا کہ بیگم صاحب کس پر خفا ہو رہی ہیں۔۔"

"ڈیڈ گھر پر تو نہیں ہیں۔۔؟"

"جی نہیں۔۔"

"پھر۔۔" خاور نے معلوم کیا۔ "غصے کی ابتداء کہاں سے ہوئی تھی۔۔۔"

"مجھے تو پتہ نہیں لیکن غفورن بتا رہی تھی کہ جس وقت وہ بیگم صاحبہ کی پنڈلیاں دبا رہی تھی اس وقت وہ بڑے اچھے موڈ میں تھیں۔ ملازم نے تفصیل بیان کی۔ "اسی وقت کسی کا فون آیا تھا' بیگم صاحبہ نے فون پر بھی خوشگوار انداز میں بات شروع کی لیکن اس کے بعد ان کا پارہ اچانک چڑھتا چلا گیا۔ غفورن کا کہنا ہے کہ بیگم صاحبہ نے بات کرتے کرتے فون کو غصے سے دیوار پر دے مارا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی وہ لباس تبدیل کر کے کہیں جانے کو نکلی تھیں۔۔"

"فون کس کا تھا۔۔؟" خاور نے لاپرواہی سے معلوم کیا۔ ملازم نے شبانہ بیگم کی جس کیفیت کا ذکر کیا تھا وہ بھی خاور کیلئے کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ وہ ذاتی طور پر بھی واقف تھا کہ ہفتے دس دن میں ایک نہ ایک بار ایسی صورتحال پہلے بھی رونما ہوتی رہتی تھی۔ کوئی بات شبانہ بیگم کی مرضی کے خلاف ہو جائے تو ہنسنا بولنا چھوڑ کر غرور و تکبر سے دھاڑنا شروع کر دیتی تھیں۔

"یہ تو غفورن نے نہیں بتایا۔ البتہ بیگم صاحبہ نے فون پر بات کرتے وقت ایک دو بار نرگس بی بی کا نام ضرور لیا تھا۔"

نرگس کا نام سنتے ہی خاور کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اس نے جلدی جلدی کافی ختم کر کے ملازم کو رخصت کیا پھر اپنے کمرے کے فون سیٹ سے نرگس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو۔۔" دو گھنٹی کے بعد دوسری جانب سے نرگس کی والدہ کی مانوس آواز سنائی

aazzamm@yahoo.com

دی۔

"میں خاور بول رہا ہوں آنٹی۔۔۔" خاور نے رسمی سلام دعا کے بعد کہا۔ "مجھے نرگس سے بات کرنی ہے۔"

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے۔۔" نرگس کی والدہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ اور انکل تو خیریت سے ہیں۔۔" خاور نے بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

"تمہارے انکل تو اس وقت اپنے دفتر میں ہوں گے البتہ میری خیریت خاطر خواہ نہیں ہے۔۔"

"کوئی خاص بات ہے آنٹی۔۔" خاور نے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

"آج تمہاری ممی کا فون آیا تھا۔۔ "نرگس کی والدہ نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر کچھ توقف سے بولیں۔ "برا نہ مانو بیٹا تو تم سے ایک بات کہنا چاہوں گی۔۔۔"

"آپ حکم دیجئے آنٹی۔" خاور نے سعادت مندی سے جواب دیا لیکن نرگس کی والدہ کا آخری جملہ سن کر اس کا دل ضرور دھڑکنے لگا تھا۔

"میری باتوں کا کچھ اور مطلب نہ لینا۔۔ میرے لئے تم اور نرگس دونوں برابر ہو لیکن عالیہ کے رشتے کے سلسلے میں اب ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ تمہاری والدہ نے آج جو باتیں مجھ سے فون پر کی ہیں اس کے بعد بہتر یہی ہے کہ ہم درمیان سے ہٹ جائیں۔"

"بات کیا ہوئی تھی آنٹی۔۔" خاور نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"میں ان باتوں کو دہرانا نہیں چاہتی۔۔۔" نرگس کی والدہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم بھی کسی پر یہ ظاہر مت کرنا کہ میری اور تمہاری کوئی بات ہوئی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ اس گفتگو کی بھنک بھی سردار صاحب کے کان تک پہنچے ورنہ وہ بھی غصے کے کم نہیں۔۔ بات بڑھ بھی سکتی ہے۔"

"امی نے کیا کہا تھا۔۔؟" خاور نے گھبرا کر دریافت کیا۔ عالیہ کے حوالے پر اس کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ شاید اپنی حیثیت کے مطابق ٹھیک ہی کہا تھا۔۔ غلطی

ہماری تھی جو ہم نے تمہاری والدہ کو ان کی مرضی کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔۔" نرگس کی والدہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "لیکن اب اس سلسلے کو ختم ہی سمجھو۔۔۔"

"نرگس اس وقت کہاں ہے۔۔۔؟" خاور نے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔۔۔" نرگس کی ماں نے سرد مہری سے جواب دیا پھر دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

خاور نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا اور غصے کی حالت میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ نرگس کی والدہ سے بات ہو جانے کے بعد اس کے ذہن میں تیز آندھی کے جھکڑ جیسے چلنے شروع ہو گئے تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ شبانہ بیگم آسانی سے عالیہ کے رشتے کو قبول نہیں کریں گی لیکن یہ بات اس نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچی تھی کہ وہ نرگس کی والدہ سے بھی اس مسئلے پر بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کر سکتی ہیں۔۔۔ خاور کو امید تھی کہ شبانہ بیگم حسب عادت عالیہ کے سلسلے میں پیچ و تاب ضرور کھائیں گی۔ کچھ دنوں تک الجھیں گی' ناراض ہوں گی لیکن بالآخر اپنی اکلوتی اولاد کی خوشیوں کو گلے لگانے پر آمادہ ہو جائیں گی۔

خاصی دیر تک وہ اپنے کمرے میں فرش پر بچھے دبیز قالین کی سینہ کوبی کرتا رہا۔ عالیہ کی محبت سے دستبردار ہو جانا خاور کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے عالیہ کو بھی یقین دلایا تھا کہ ہر قیمت پر اسے اپنا کر رہے گا لیکن نرگس کی والدہ نے جس انداز میں۔۔ "اب اس سلسلے کو ختم ہی سمجھو۔۔۔" والی بات کہی تھی اس نے خاور کو بڑے شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ نرگس واحد ذریعہ تھی جس کے ذریعہ وہ عالیہ اور اس کے گھر والوں کی خیریت دریافت کرتا رہا تھا۔۔ مگر اب نرگس کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد وہ عالیہ سے کس طرح رابطہ قائم رکھ سکے گا؟ یہ بات خاور کو بری طرح الجھا رہی تھی۔ اس کا ذہن مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا کہ باہر سے کار کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز ابھری۔ خاور قدم اٹھاتا اپنے کمرے سے باہر نکلا

تو شبانہ بیگم غصہ میں بھری نظر آئیں۔ ان کے چہرے پر طاری علامتیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ طوفان کا زور ابھی ٹوٹا نہیں بلکہ اپنے پورے شباب پر ہے۔ خاور نے اس حالت میں ماں کے سامنے سے ہٹ جانے کی کوشش کی لیکن شبانہ بیگم نے خاور کو دیکھ لیا تھا۔ اسی لئے اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کرکے اس کی جانب قدم اٹھانے لگیں۔ ان کی پیشانی پر اچانک ان گنت آڑی ترچھی سلوٹیں ابھرنے لگی تھیں۔

خاور نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ وہ فوری طور پر ماں سے کوئی دو ٹوک فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ غصے کی حالت میں شبانہ بیگم کو کسی بات پر ان کی مرضی کے خلاف آمادہ کرنا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل تھا۔ ماں کی کیفیت دیکھ کر اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت وہ جہاں سے بھی آ رہی ہیں غصے میں پوری طرح بھری ہوئی ہیں۔

"مجھے اس وقت تم سے ایک ضروری بات پوچھنی ہے۔" شبانہ بیگم نے خاور کے قریب آکر بڑے سرد لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کی طبیعت اس وقت ناساز ہے۔" خاور نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "آپ تھکی تھکی سی نظر آ رہی ہیں اس لئے سب سے پہلے آپ کیلئے کچھ دیر آرام کرنا بے حد ضروری ہے۔ آپ اپنے کمرے میں چلیں میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔"

"جانتے ہو میں اس وقت کہاں گئی تھی---؟" شبانہ بیگم کے لب و لہجے میں طوفان کی بپھری ہوئی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔

خاور اس سوال پر چونکا-- اس نے ماں کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

میں اس وقت ماسٹر عابد حسین کا وہ مکان دیکھ کر آ رہی ہوں جو ہماری کوٹھی کے کسی سرونٹ کوارٹر سے بھی زیادہ حقیر اور ناقابل برداشت ہے--" شبانہ بیگم نے بڑے تکبر سے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے وہاں رہنے والوں کی حیثیت پر بھی غور

نہیں کیا---"

خاور نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ شبانہ بیگم کا پہلا حملہ نشتر بن کر اس کے دل میں ہی چبھا تھا۔

"میں تمہیں بڑے صاف اور واضح انداز میں اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔" شبانہ بیگم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "میری زندگی میں عالیہ سے تمہاری شادی ناممکن ہے-- تمہیں وہاں شادی کرنی ہو گی جہاں میں چاہوں گی-- اور-- میں نے تمہارے لئے ایک لڑکی کا انتخاب بھی کر لیا ہے۔ اس کا نام نازش ہے۔ کرنل نوازش کی اکلوتی بیٹی جو اربوں کی جائیداد کی تنہا وارث ہے۔ اس کے والدین مر چکے ہیں۔ صرف ایک بوڑھی اور بیوہ چچی ہے جو نازش کے ساتھ اس کی شاندار کوٹھی میں رہتی ہے جو پندرہ سو گز پر تعمیر ہے۔ تم ایک بار ہمارے ساتھ اس کی سالگرہ میں جا چکے ہو-- میں بڑے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ عالیہ نازش کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے--- تم اگر چاہو تو نازش سے دو چار بار مل کر اس کی حیثیت' اس کی خوبیوں اور اس کے اعلیٰ خاندان کے بارے میں بھی معلوم کر سکتے ہو---"

خاور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔ اس کے صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے ماں کے چہرے کے تناؤ کو غور سے دیکھا۔ اسے ماں کے انتخاب اور فیصلے پر شدید اعتراض تھا۔ وہ ماں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ عالیہ کے سوا وہ کسی اور کو شریک حیات بنانے پر کبھی تیار نہیں ہو گا--- اس نے زبان کھولنے کا ارادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سانس سینے کی گہرائیوں میں کہیں گھٹ رہا ہو۔ اس نے اپنے سامنے شبانہ بیگم کے بجائے دو خوفناک آنکھیں دیکھیں جس کی پتلیاں بڑی تیزی سے اپنے حلقوں میں گردش کر رہی تھیں۔ وہ آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں اور بھڑکتے ہوئے شعلے اس طرح لپک رہے تھے جیسے پورے ماحول کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

خاور ان دہشت ناک نگاہوں سے تسخیر ہوتا چلا گیا۔ اسے ان شعلہ بار آنکھوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی قوت گویائی یکلخت سلب ہو کر رہ گئی۔ ذہن پر غنودگی کے سیاہ بادل منڈلانے لگے۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا—؟" شبانہ بیگم کی مانوس آواز خاور کے کانوں میں گونجی۔ کیا تم میرے انتخاب پر اپنی پسند کو زیادہ ترجیح دو گے—؟"

"نہیں—" خاور کے لبوں کو جنبش ہوئی۔ "میں آپ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔"

"تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کر رہے—؟" شبانہ بیگم نے روکھے لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تم عالیہ کو بھول جاؤ گے—؟"

"ہاں—" خاور نے خوفناک آنکھوں کی سحر ناک گردش میں پوری طرح ڈوب کر خواب آلودہ لہجے میں کہا۔ "میں عالیہ کو یکسر فراموش کر دوں گا—"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے میرے مقابلے پر کھڑا ہونے کی کوشش نہیں کی—" شبانہ بیگم نے فاتحانہ انداز میں جواب دیا پھر سنجیدگی سے بولیں۔ "تم چاہو تو نازش کو قریب سے دیکھنے کی خاطر اس سے مل جل سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا—"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بت بنا خاموش کھڑا رہا۔ پراسرار آنکھوں کے سحر نے جیسے اس کے ہر احساس کو پوری طرح تسخیر کر رکھا تھا۔ ماں کے جانے کے بعد وہ خواب بیداری کی کیفیتوں سے دو چار قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں واپس آیا۔ خاموشی سے بستر پر لیٹا پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔



عابد حسین کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔

شبانہ بیگم نے جس انداز میں انہیں ان کے گھر کے اندر کھڑے ہو کر ذلیل کیا تھا وہ اسے برداشت نہیں کر سکے۔ لیکن عالیہ کی وجہ سے خون کا گھونٹ پی کر زبان پر تالے ڈال لئے تھے۔ شبانہ بیگم نے جن الفاظ میں اپنا آخری فیصلہ سنایا تھا وہ عابد حسین کے وجود میں شیشے کی ٹوٹی ہوئی کرچیوں کی طرح چبھ رہا تھا۔ خاص طور پر عالیہ کیلئے انہوں نے جو گھٹیا جملے کہے تھے وہ رہ رہ کر عابد حسین کی روح کو کچوکے لگا رہے تھے۔

عابد حسین کو اپنی بیٹی پر مکمل اعتماد تھا۔ انہیں یقین تھا کہ عالیہ کو تعلیم کے حصول کیلئے جو آزادی ملی تھی وہ اس سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس کا کردار آئینے کی طرح صاف و شفاف تھا البتہ اس سے ایک بھول ضرور ہو گئی تھی۔ اپنی حیثیت کا اندازہ لگائے بغیر اس نے ایک ایسے نوجوان کو اپنے خوابوں میں بسا لیا تھا جو کروڑوں میں کھیلنے کا عادی تھا۔ عابد حسین کا ماتھا اسی دن ٹھنکا تھا جب جمیلہ خاتون نے نرگس کی والدہ سے حالات کا علم ہو جانے کے بعد انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا تھا۔ ان کے دل میں اسی دن یہ خیال آیا تھا کہ نرگس کے ذریعے عالیہ کے کانوں تک یہ بات پہنچا دیں کہ وہ زمین پر رہ کر آسمانوں کے خواب دیکھنا چھوڑ دے۔ محبت کرنا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن جھونپڑی میں رہ کر محلوں کی تمنا کرنے کی خواہش بھی اسے زیب نہیں دیتی مگر وہ دل پر جبر کر کے خاموش رہے۔ عالیہ جوان تھی۔ چار سال تک اس نے کالج میں خاور کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے دل میں محبت کے معصوم پودے نے اپنی جڑیں کس حد تک مضبوط کر لی تھیں عابد حسین کو اس کا اندازہ

جمیلہ خاتون سے گفتگو کرنے کے بعد ہی ہوا تھا۔

عابد حسین خاور کے موضوع پر جوان بیٹی سے کھل کر دوبدو بات نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جمیلہ خاتون سے خاور کے بارے میں سننے کے بعد خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے ذاتی طور پر جو معلومات حاصل کی تھیں اس سے بھی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اکبر برلاس کی بات اور تھی۔ وہ چھوٹی سطح سے ترقی کرنے کے بعد ایک بلند مقام تک پہنچے تھے اس کے لئے امیری یا غریبی کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھی جس کی بنا پر وہ خاور اور عالیہ کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے لیکن شبانہ بیگم منہ میں سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی وہاں متوسط درجے کے افراد کو بھی کمتر اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ ان کے خاندان میں چھوٹے بڑے کے درمیانی فاصلے کو دولت اور خاندانی پس منظر کے پیمانے سے ناپا جاتا تھا۔

عابد حسین نے یہاں تک سن رکھا تھا کہ شبانہ بیگم کسی کتے کو بھی اس کا حسب نسب معلوم کئے بغیر اپنی کوٹھی میں جگہ دینے کی عادی نہیں تھی۔ ان ہی باتوں نے عابد حسین کو بڑی حد تک مطمئن کر دیا تھا۔ وہ کوئی ایسا ہی مناسب راستہ اختیار کرنا چاہتے تھے جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ شبانہ بیگم کے غرور اور تکبر کے علاوہ ان کے بارے میں جو معلومات عابد حسین کو حاصل ہوئی تھیں اس کی بنا پر انہیں قوی امید تھی کہ شبانہ بیگم اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی اپنے برابر والوں میں کریں گی اور عالیہ کا رشتہ کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گی۔

عابد حسین نے جو کچھ سوچا وہ غلط نہیں تھا لیکن شبانہ بیگم نے اس رشتے سے انکار کرنے کا جو راستہ اختیار کیا وہ اس قدر بیہودہ اور اذیت ناک تھا کہ عابد حسین جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے۔

"اپنی جوان بیٹی سے کہو کہ خاور کے بجائے کسی آنکھ کے اندھے کو پھانسنے کی خاطر اپنے حسن کے فریب کا کوئی نیا جال بنے۔۔" یہ وہ کربناک جملہ تھا جو زہر بن کر عابد حسین کے وجود میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ اس حقارت آمیز جملے کو سننے کے بعد انہیں عالیہ سے نظر ملاتے ہوئے بھی شرم سی محسوس ہوتی تھی۔ شبانہ بیگم نے جو

گھناؤنا الزام عائد کیا تھا وہ اتنا تلخ اور اذیت ناک تھا کہ عابد حسین کو چپ سی لگ گئی تھی۔ ان کی صحت تیزی سے گرنے لگی۔ دو ایک روز تک وہ اس جملے کی خلش کو کسی نہ کسی طرح برداشت کرتے رہے پھر کھٹیا پکڑ لی اور اپنی بیٹھک تک محدود ہو کر رہ گئے۔ شبانہ بیگم کی باتوں کے جواب میں انہوں نے جمیلہ خاتون سے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ اب عالیہ کا گھر کی دہلیز سے باہر قدم نکالنا بھی بند کر دیں۔ یہ فیصلہ بھی انہوں نے اپنے دل پر جبر کر کے کیا تھا اور اسی جبر کی شدت نے انہیں اندر ہی اندر گھلانا شروع کر دیا تھا۔

ڈاکٹر ذیشان جو پہلے عالیہ کا علاج کر رہا تھا اب بڑی پابندی سے عابد حسین کو دیکھنے آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بیٹھک میں عابد حسین کے بستر کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھا مریض کی نبض دیکھ رہا تھا۔ عابد کی ویران نظریں چھت کے ادھڑے ہوئے پلستر پر مرکوز تھیں۔ البتہ جمیلہ خاتون شوہر کے سرہانے کھڑی ڈاکٹر ذیشان کو دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر ذیشان خاصی دیر تک تشویشناک انداز میں عابد حسین کی نبض ٹٹولتا رہا۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات جمیلہ خاتون کو پریشان کر رہے تھے۔

"تشویش کی تو کوئی بات نہیں ہے۔۔؟" ڈاکٹر ذیشان نے نبض سے ہاتھ ہٹایا تو جمیلہ خاتون نے تیزی سے دریافت کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ عابد صاحب کو کچھ دنوں کیلئے ہسپتال میں منتقل کرنا پڑے۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیوں۔۔" جمیلہ خاتون پریشان ہو گئیں۔ "آخر انہیں مرض کیا لاحق ہے۔۔؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ عابد صاحب کو کوئی شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے جسے برداشت کرنے کی کوشش ان کی صحت پر زیادہ اثر انداز ہو رہی ہے۔" ڈاکٹر ذیشان نے کہا پھر دبی زبان میں بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کیا بات ہے۔۔؟ ہو سکتا ہے اصل وجہ معلوم ہونے کے بعد میں کوئی موثر علاج کر سکوں۔"

"میں ہسپتال میں نہیں داخل ہوں گا۔" جمیلہ خاتون کے جواب دینے سے پیشتر

عابد حسین نے ڈاکٹر ذیشان سے کہا۔ "مجھے کوئی صدمہ یا غم لاحق نہیں ہے' بس تھوڑی سی کمزوری ہے جو آہستہ آہستہ جاتی رہے گی۔"

"میرے محترم' میں ڈاکٹر ہوں اس لئے آپ کی کیفیت کو بہتر سمجھ رہا ہوں۔" ڈاکٹر ذیشان نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ "آپ جس بات کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ آپ کی صحت کیلئے زیادہ نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ذیشان میاں۔" عابد حسین نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ کچھ مرض لاعلاج بھی ہوتے ہیں۔ کاتب تقدیر کو جو منظور ہو وہ ہرحال میں ہو کر رہتا ہے۔۔۔ انسان تو بڑا مجبور' لاچار اور بے بس ہے۔"

"کیا آپ بھی مجھے غیر سمجھتی ہیں۔۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے بڑی اپنائیت سے جمیلہ خاتون کو مخاطب کیا۔

"ایسی بات نہیں بیٹا۔۔۔" جمیلہ خاتون آبدیدہ ہو گئیں۔ "خدا گواہ ہے کہ ہم تمہیں غیر نہیں سمجھتے۔ تم نے جتنی محبت اور خلوص سے عالیہ کا علاج کیا اور اب روزانہ انہیں دیکھنے آ رہے ہو اتنا سلوک تو کوئی اپنا سگا بھی نہیں کرتا لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زبان پر تالے ڈال دیتی ہیں کسی سے کہی نہیں جا سکتیں۔۔۔"

"ایسی کچھ باتیں میرے علم میں بھی ہیں لیکن میں بھی زبان کھولتے ہوئے ڈرتا ہوں۔" ڈاکٹر ذیشان نے دبی زبان میں کہا تو عابد حسین چونک اٹھے۔ ڈاکٹر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔۔ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔۔۔؟"

"مجھے آپ کی پریشانی کا تھوڑا بہت علم ہے۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے نظریں جھکا کر آہستہ سے کہا۔ "جس روز مسز اکبر برلاس آپ کے گھر آئی تھیں اس روز میں بھی اتفاق سے آیا تھا۔۔ انہیں آپ کے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر مجھے حیرت ہی ہوئی تھی پھر میں نے باہر سے ان کی دو چار باتیں سنیں تو میرا خون کھول اٹھا تھا لیکن میں آپ لوگوں کیلئے غیر تھا اس لئے دروازے سے ہی واپس لوٹ گیا۔۔۔"

"اگر تم اصلیت سے واقف ہو چکے ہو تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ

ہماری عزت کی خاطر اپنی زبان بند ہی رکھنا۔" عابد حسین نے قدرے جذباتی لہجہ اختیار کیا۔ میں شبانہ بیگم کے سامنے آ کر ان کی بیہودہ بکواس اور طنزیہ باتوں کا جواب دے سکتا تھا مگر میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا ورنہ شاید بات بڑھ جاتی۔۔"

"تم نے اچھا کیا جو دور اندیشی سے کام لیا۔۔" عابد حسین نے بدستور غم زدہ لہجے میں کہا۔ "بلاوجہ کی جگ ہنسائی ہوتی۔۔۔"

"اب تو آپ کی بیماری کا صرف ایک ہی علاج ہے۔" ڈاکٹر ذیشان نے بڑے گھمبیر انداز میں جواب دیا۔ "عالیہ کی شادی فوری طور پر کسی ایسی جگہ کر دی جائے کہ مسز اکبر برلاس کو ان کی غلطی کا احساس بھی ہو اور آپ کے دل کا بوجھ بھی کم ہو سکے۔۔۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے لیکن ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ فوری طور پر اس کی شادی کر سکیں۔" جمیلہ خاتون نے افسردہ سی آواز میں کہا۔ "پھر اچھا رشتہ تلاش کرنے میں کچھ وقت بھی لگتا ہے۔۔"

"کیا آپ نے پہلے سے کسی متبادل رشتے کے بارے میں غور نہیں کیا تھا۔۔؟"

"نہیں۔۔" جمیلہ خاتون نے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "حالات اس انداز میں بھی پلٹا کھا سکتے ہیں یہ بات ہمارے گمان میں بھی نہیں تھی۔"

"اسی لئے تو ضروری ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے پہلو بدل کر کہا۔

"سفید پوشی کے بھرم کو قائم رکھنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ تم شاید اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" عابد حسین دل شکستہ آواز میں بولے۔ "پتھر اٹھانے کی خاطر بھی قوت درکار ہوتی ہے جو ہم میں نہیں ہے۔۔۔"

"کاش میرے والدین یا کوئی بزرگ زندہ ہوتا تو میں آپ سے کچھ کہہ سکتا۔۔۔"

"کیا تم ہمیں اپنا بزرگ یا ہمدرد نہیں سمجھتے۔۔" جمیلہ خاتون نے ڈاکٹر ذیشان کے لہجے میں چھپے کرب کو محسوس کرتے ہوئے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔

"یہی تو مشکل ہے کہ میں آپ حضرات کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہوئے اپنی زبان

سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تم ---" عابد حسین نے چونک کر ڈاکٹر ذیشان کو گہری نظروں سے دیکھا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔؟"

"میں کسی قابل تو نہیں ہوں لیکن اگر آپ مجھے اپنا بیٹا بنا لیں تو اسے میں اپنی خوش بختی سمجھوں گا۔" ڈاکٹر ذیشان نے نظریں جھکا کر دبی زبان میں عالیہ سے شادی کا عندیہ ظاہر کر دیا۔

ایک لمحہ کیلئے بیٹھک میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ جمیلہ خاتون اور عابد حسین کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ نگاہوں نگاہوں میں کچھ فیصلے ہوئے پھر عابد حسین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے اندازے سے بھی زیادہ غریب لوگ ہیں ذیشان میاں۔ کہیں تمہیں بعد میں اپنے فیصلے کا ملال نہ ہو۔۔۔"

"میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔۔ مجھے آپ لوگوں کی محبت اور دعاؤں کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے بڑی فرمانبرداری سے جواب دیا۔ "آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔۔۔"

"ہمیں کچھ سوچنے کی مہلت دو بیٹے۔۔" جمیلہ خاتون نے دبی زبان میں کہا۔ "یہ فیصلے اتنی جلدی میں تو نہیں کئے جاتے۔"

"آپ ہر طرح سے اپنا اطمینان کر لیں۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے جواب دیا پھر عابد حسین کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا میں امید رکھوں کہ اب آپ ذہنی صدمے کے بارے میں غور و فکر نہیں کریں گے۔ خوش رہنے کی کوشش کیجئے اس سے آپ کی صحت پر خوش گوار اثر پڑے گا۔۔۔"

"تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ پریشانی کسی غم کا علاج نہیں ہوتی۔۔۔"

ڈاکٹر ذیشان، موضوع بدل کر عابد حسین سے ان کی صحت و تندرستی کے بارے میں گفتگو کرتا رہا پھر کچھ پیٹنٹ دوائیں تجویز کر کے اٹھتا ہوا بولا۔

"میں اب اجازت چاہوں گا۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔۔۔" جمیلہ خاتون نے دعا دی۔ عابد حسین کی نظروں سے بھی اظہار تشکر جھلک رہا تھا۔

ڈاکٹر ذیشان نے خاموشی سے اپنا میڈیکل بیگ اٹھایا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا عابد حسین کے مکان سے باہر نکلا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار معنی خیز اور شاطرانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔۔۔



شبانہ بیگم کے فیصلے نے ایک طرف عالیہ کے دل کو شدید ٹھیس پہنچائی تھی تو دوسری طرف اکبر برلاس بھی تلملا کر رہ گئے تھے۔ وہ شبانہ بیگم سے فوری طور پر اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں اس بات کا اندیشہ بھی لاحق تھا کہ جوان اولاد ماں کے اس فیصلے کے بعد کہیں بغاوت کی راہ نہ اختیار کر لے۔ خاور سے ان کے مستقبل کی بہت ساری خوشیاں اور تمنائیں وابستہ تھیں۔ اس کے علاوہ انہیں اس وعدے کا بھی پاس تھا جو انہوں نے نرگس کے والد سردار علی نواز سے کر رکھا تھا۔

جس روز شبانہ بیگم نے عالیہ کے گھر والوں کو اپنے غرور اور تکبر کا نشانہ بنایا تھا دولت اور امارت کے بل بوتے پر ان ہی کے گھر کھڑے ہو کر ان کی تذلیل کی تھی اور واپسی پر خاور کو اپنا دو ٹوک فیصلہ سنایا تھا۔ اسی رات انہوں نے اکبر برلاس کو بھی اپنے آئندہ پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اب آپ خاور کو اپنے دفتر میں کوئی اہم ذمہ داری سونپ دیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے عملی زندگی کا تھوڑا بہت تجربہ ہو جائے تو اس کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں۔"

"کیا آپ نے کسی لڑکی کو پسند کر لیا ہے۔۔۔؟" اکبر برلاس نے دبی زبان میں پوچھا۔

"میری نظر انتخاب کرنل نوازش کی بیٹی نازش پر پڑی ہے۔" شبانہ بیگم نے بڑی تمکنت سے کہا۔ "وہ ہر اعتبار سے ہمارے برابر کی ہے اور سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔"

اکبر برلاس نازش کے نام پر چونکے۔ نازش کے بارے میں ان کی ذاتی رائے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی۔ کئی پارٹیوں میں وہ اسے مختلف نوجوانوں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتا دیکھ چکے تھے۔ انہیں نازش کی حد سے بڑھی ہوئی فیشن پرستی اور آزاد خیالی بھی ناپسند تھی لیکن انہیں پہلے کبھی ان باتوں سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا۔ کرنل نوازش سے ان کے بس رسمی مراسم تھے۔ زیادہ آنا جانا یا میل جول بھی نہیں تھا لیکن بیوی کی زبان سے خاور کیلئے نازش کا نام سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"کیوں۔۔؟" شبانہ بیگم نے شوہر کے چہرے پر ابھرنے والی سنجیدگی دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ "کیا نازش آپ کو خاور کیلئے پسند نہیں ہے۔۔؟ میرا تو خیال تھا کہ آپ اس کا نام سن کر پھڑک اٹھیں گے۔۔"

"میرا مشورہ ہے کہ اگر خاور سے بھی اس مسئلے پر گفتگو کر لی جائے تو مناسب ہو گا۔" اکبر برلاس نے کہا۔ "شاید وہ نازش کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی کو پسند نہ کرے۔"

"میں خاور کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکی ہوں۔" شبانہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر جواب دیا۔ "میں نے اسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ میری زندگی میں وہ عالیہ کو اس گھر کی بہو کبھی نہ بنا سکے گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" اکبر برلاس نے تیزی سے پوچھا۔

"میں آج عالیہ کے گھر بھی گئی تھی۔۔" شبانہ بیگم نے منہ بنا کر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر وہ لوگ ذرا بھی عزت دار ہوئے تو کبھی بھول کر بھی ہماری چوکھٹ کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گے۔"

"کیا خاور کو بھی علم ہے کہ آپ وہاں گئی تھیں۔۔؟"

"ہاں۔۔ میں نے خاور کو بھی ان لوگوں کی حیثیت سے آگاہ کر دیا ہے۔" شبانہ بیگم نے نفرت سے جواب دیا پھر بولیں۔ "آپ کا خیال سو فیصد درست تھا کہ مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند زیادہ دنوں نہیں چلے گا۔"

اکبر برلاس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انہیں اس وقت بھی یاد نہیں آ سکا کہ

انہوں نے عالیہ کے سلسلے میں مخمل اور ٹاٹ والی بات کب اور کس موقع پر کہی تھی۔ ان کے ذہن میں بڑی کچھ گرہیں ابھی تک نہیں کھل سکی تھیں۔ بادامی رنگ کا وہ پراسرار لفافہ بھی ان کے ذہن میں محفوظ تھا جس کے اندر سے ان کی اور ان کی لیڈی سیکرٹری کی برہنہ اور شرمناک تصویریں برآمد ہوئی تھیں پھر نہ صرف وہ لفافہ حیرت انگیز طور پر ان کی بند سیف سے غائب ہو گیا تھا بلکہ لیڈی سیکرٹری نے بھی اکبر برلاس کے دریافت کرنے پر کسی بادامی لفافہ کے بارے میں بڑی سنجیدگی اور تعجب سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

اکبر برلاس کے ذہن میں کسی اجنبی کی وہ فون کال بھی اکثر گونجنے لگتی تھی جس نے انہیں دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے عالیہ کو بہو بنانے کا خیال ترک نہ کیا تو وہ ان فحش اور بیہودہ تصویروں کو منظر عام پر لا کر ان کی شرافت کی دھجیاں اڑا دے گا۔ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم اکبر برلاس کیلئے انتہائی پراسرار ثابت ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اس معمے کو حل نہیں کر سکے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔۔؟" شبانہ بیگم نے شوہر کو غور و فکر میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔

"مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ آخر سردار علی نواز صاحب نے کیا خوبی دیکھ کر عالیہ کا ذکر کیا تھا۔" اکبر برلاس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی۔ اپنی ذہنی پریشانی کو بھی چھپا گئے اور بڑی خوبصورتی سے عالیہ کی بات بھی چھیڑ دی۔ نرگس بھی عالیہ کے ساتھ پڑھتی ہے۔ اس نے بھی عالیہ کے رکھ رکھاؤ کی تعریف کی تھی اور خاور بھی اسے پسند کرتا تھا۔۔۔"

"خاور مرد ذات ہے۔۔۔ اس حرافہ کی اداؤں کے جال میں پھنس گیا ہو گا۔" شبانہ بیگم نے تلملا کر کہا۔ "نرگس نے بھی شاید دوستی کا حق نبھانے کی خاطر باپ سے سفارش کر دی ہو گی لیکن اب خاور وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔۔"

"خاور نے نازش کے سلسلے میں کیا جواب دیا ہے۔۔؟" اکبر برلاس نے بیوی کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر دبی زبان میں دریافت کیا۔

"میں نے اسے موقع دیا ہے کہ وہ نازش کو قریب سے دیکھ لے اس کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔"

اکبر برلاس نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ بیوی سے دریافت کرنا چاہتے تھے کہ عالیہ کے بارے میں خاور نے کن خیالات کا اظہار کیا تھا لیکن پھر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اپنی گھریلو زندگی میں کوئی طوفان نہیں کھڑا کرنا چاہتے تھے۔

اپنے دفتر میں بیٹھے اس وقت بھی وہ عالیہ کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ذرائع سے بھی جو معلومات حاصل کی تھیں وہ بھی عالیہ کے حق میں تھیں۔ معتبر ذرائع سے انہیں اس کا بھی بخوبی علم ہو چکا تھا کہ خاور عالیہ کو پسند کرتا تھا۔ ایسی صورت میں شبانہ بیگم کی ضد ان کا غرور اور متکبر بیٹے کی زندگی میں زہر بھی گھول سکتا تھا۔ ممکن ہے خاور نے ماں کی باتوں کو محسوس کیا ہو لیکن زبان سے کچھ نہ کہا ہو۔ اس کی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتی تھی۔

اکبر برلاس کے ذہن میں مختلف وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ جب ان کی لیڈی سیکرٹری ایک بادامی رنگ کا لفافہ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ بادامی لفافہ دیکھ کر اکبر برلاس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پچھلی پر اسرار باتیں ان کے ذہن میں ابھریں تو پیشانی پر پسینے کی نمی آ گئی۔۔۔ ذہن کا انتشار یکلخت دو چند ہو گیا۔ ان کی نگاہیں بادامی لفافے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"ایکسیکوزمی سر۔۔" لیڈی سیکرٹری نے میز کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے کہا پھر بادامی رنگ کا لفافہ جس پر "پرسنل اور سیکریٹ" جلی حروف میں لکھا تھا۔۔۔ اکبر برلاس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ لفافہ ابھی ایک نوجوان دے گیا ہے۔ اس نے جاتے جاتے درخواست کی تھی کہ اسے میں پہلی فرصت میں آپ تک پہنچا دوں۔۔۔"

"کیا ہے اس میں۔۔؟" اکبر برلاس نے غیر اختیاری طور پر ایک مبہم سا سوال کیا۔

"مجھے کیا معلوم سر۔۔ لیکن میرا اندزہ ہے کہ شاید اس میں فوٹو گرافس ہوں

گی۔۔۔" سیکرٹری نے ایک خیال ظاہر کیا۔

"فوٹو گرافس۔۔" اکبر برلاس نے حیرت سے سیکرٹری کو دیکھا۔ "تمہیں کیسے اندازہ ہوا۔۔۔؟"

"لفافے کے وزن سے۔۔" سیکرٹری نے جلدی سے محتاط انداز میں جواب دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔۔" اکبر برلاس نے کچھ سوچ کر سیکرٹری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر پیپر نائف اٹھا کر بادامی لفافے کا رخ اپنی جانب کر کے اسے بڑی احتیاط سے کھولنے لگے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے لفافے کے اندر کوئی خطرناک بم رکھا ہو گا جو لفافہ کھلتے ہی خوفناک دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے گا۔

لیڈی سیکرٹری ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئی لیکن اسے حیرت ہو رہی تھی کہ انتہائی مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود ایک لفافے کو کھولتے ہوئے اکبر برلاس کے ہاتھوں میں لرزش کیوں ہو رہی تھی؟ کمرے میں ایئر کنڈیشن کی فرحت بخش ٹھنڈک ہونے کے باوجود اکبر برلاس کی کشادہ پیشانی پر پسینے کی نمی کیا معنی رکھتی تھی۔۔؟ یہ پہلا اتفاق تھا جب سیکرٹری نے اکبر برلاس کے چہرے پر الجھن اور گھبراہٹ کے ملے جلے تاثرات دیکھے تھے ورنہ اس کا چار سالہ تجربہ یہی کہتا تھا کہ اکبر برلاس نہایت صبر و تحمل کے مالک تھے۔ بڑے سے بڑے نقصان پر بھی بڑے حوصلے سے مسکراتے رہتے تھے۔ بردباری اور ذہانت کے سلسلے میں ان کے حریف بھی ان کی تعریف کرنے پر مجبور تھے۔۔ پھر۔۔؟ ایک لفافے نے انہیں خلاف توقع کسی پریشانی سے کیوں دو چار کر دیا تھا۔۔؟

اکبر برلاس نے لفافہ کو چاک کیا پھر اس سے پیشتر کہ وہ پیپر نائف رکھ کر اسے کھولتے فون کی گھنٹی بجی اور لیڈی سیکرٹری نے انہیں اس طرح چونکتے دیکھا جیسے بے دھیانی میں ان کا ہاتھ بجلی کے ننگے تاروں سے ٹکرا گیا ہو۔ خود اکبر برلاس کو بھی اپنی اس حرکت پر شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے سرسری نظروں سے سیکرٹری کو دیکھا پھر دھڑکتے ہوئے دل سے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں نرمی سے کہا۔

"اکبر برلاس اسپیکنگ۔۔"

"سر— میں افضال بول رہا ہوں۔" دوسری جانب سے ایک مارکیٹنگ آفیسر کی مانوس آواز ابھری۔ "میں نے اپنی نئی پروڈکٹ کے لئے نیون سائن بورڈ کیلئے جن عمارتوں اور علاقوں کا انتخاب کیا ہے اس کے فوٹوگرافس آپ کو بھجوا دیئے ہیں۔ آپ پسند فرمائیں تو میں کسی وقت حاضر ہو کر آپ سے دوسری ضروری باتیں بھی ڈسکس کر لوں گا۔"

"آپ کو نئے آفس میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آ رہی—؟" اکبر برلاس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"جب آپ جیسا مہربان مالک ہو تو پریشانی کس بات کی—؟"

"فوٹوگرافس آپ نے کس کے ذریعے بھیجے ہیں—؟"

"نئے آفس بوائے کے ہاتھوں روانہ کئے ہیں سر—؟" سنجیدگی سے کہا گیا۔ "میں نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ لفافہ آپ کی سیکرٹری کے علاوہ کسی اور کو نہ دے— میں نے لفافہ پر پرسنل اور سیکریٹ بھی لکھ دیا ہے تاکہ اسے آپ کے سوا کوئی دوسرا نہ کھول سکے۔"

"وہ اس وقت میری میز پر ہے— میں آج ہی دیکھ لوں گا—" اکبر برلاس نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی پھر بادامی لفافہ کو نہایت اطمینان سے کھولا جس میں سے مختلف بلند عمارتوں اور علاقوں کے فوٹوگرافس ہی برآمد ہوئے تھے۔ اکبر برلاس بڑے انہماک سے انہیں دیکھنے لگا۔

"میرے لائق کوئی حکم—" لیڈی سیکرٹری نے کچھ دیر بعد مہر سکوت توڑتے ہوئے آہستہ سے پوچھا— اسے اکبر برلاس کے چہرے پر ایک ہی وقت میں متضاد کیفیتیں دیکھ کر تعجب ہی ہوا تھا۔ وہ اس کا سبب جاننے کو مضطرب تھی۔

"اوہ— میں نے شاید آپ کو کسی کام سے روکا تھا۔" اکبر برلاس نے اس طرح چونک کر اپنی لیڈی سیکرٹری کو دیکھا جیسے انہیں اپنے آفس میں اس کی موجودگی کا سرے سے احساس ہی نہ رہا ہو۔

"لیس سر—" سیکرٹری نے یاد دلایا۔ آپ نے مجھے بیٹھنے کو کہا تھا—"

"میں آپ کو کچھ دیر بعد کال کر لوں گا۔" اکبر برلاس نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر سیکرٹری کے جانے کے بعد انہوں نے میز پر بکھرے فوٹوگرافس کو سمیٹ کر لفافہ میں رکھا اور ریوالونگ چیئر کی نشست پر سر ٹکا کر کسی اہم گتھی کو سلجھانے میں پوری طرح مستغرق ہو گئے۔



خاور نے اس انداز میں ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتے دیکھتے کچی نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ وہ تیزی سے اٹھ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ اسے کسی کام کو انجام دینے کی کچھ ایسی جلدی تھی کہ اس نے منہ ہاتھ دھونے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی۔ لباس تبدیل کر کے بال سنوارتا ہوا خواب گاہ سے باہر نکلا تو ملازم نے ناشتے کیلئے کہا۔

میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ناشتہ کہیں باہر ہی کر لوں گا—" اس نے ملازم کو گھورتے ہوئے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"اتنی صبح صبح کون سا ضروری کام یاد آ گیا—؟" شبانہ بیگم کی آواز سن کر خاور نے پلٹ کر دیکھا وہ ابھی تک ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھیں۔ شاید خاور کی آواز سن کر اپنے دروازے تک آ گئی تھیں۔

"میں ایک دو گھنٹے تک واپس لوٹ آؤں گا۔" خاور نے روکھے انداز میں جواب دیا۔

"میں نے تمہاری واپسی کے بارے میں نہیں کام کے بارے میں دریافت کیا تھا۔" شبانہ بیگم نے خاور کو تیز نظروں سے گھورا۔

"اس وقت بہت جلدی میں ہوں واپس آ کر تفصیل سے بتاؤں گا۔" خاور نے بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا پھر لپکتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔ شبانہ بیگم منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتی رہ گئیں۔ ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ انہیں خاور کا وہ انداز اچھا نہیں لگا جس کا مظاہرہ آج پہلی بار انہوں نے دیکھا تھا۔ خاور اس وقت سامنے ہوتا تو

شاید وہ اس پر سخت برہم ہوتیں ور ناگواری کا اظہار کرتیں لیکن اس کے چلے جانے کے بعد وہ سوائے جھلانے اور ہاتھ ملنے کے اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔

خاور نے کوٹھی کے باہر آکر اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور بڑی تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا کھلی سڑک پر آگیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت لاتعداد سوالات ابھر رہے تھے۔ اسے وہ خواب پوری طرح یاد نہیں تھا جسے دیکھتے دیکھتے وہ ہڑبڑا کر بیدار ہوا تھا لیکن یہ ضرور یاد آگیا تھا کہ سپر اسٹور تک پہنچنے سے پہلے وہ عالیہ کی خیریت دریافت کرنے ڈاکٹر ذیشان کے کلینک گیا تھا۔ وہاں سے سپر اسٹور تک وہ کس طرح پہنچ گیا؟ یہ بات اسے یاد نہیں تھی۔ ڈاکٹر ذیشان کے کچھ پراسرار جملے بھی اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ وہ پہلی فرصت میں ڈاکٹر سے دوبارہ مل کر اپنی ذہنی الجھن کو دور کرنے کا خواہشمند تھا۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد اس کے ذہن نے پہلا مشورہ یہی دیا تھا کہ ڈاکٹر ذیشان سے ملاقات کر کے الجھی ہوئی ڈور کے اس سرے کو بھی تلاش کیا جا سکتا ہے جو ابھی تک گھپ اندھیروں میں تھا۔۔ وہ یقیناً کوئی پراسرار اور حیرت انگیز قوت ہی تھی جس نے کلینک سے سپر اسٹور تک اس کی بصارت اور ہاتھ پاؤں کی حرکت کو تسخیر کر رکھا تھا۔ لیکن ذہن سے اس کا رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ اس قوت کا راز جاننے کی خاطر بے چین تھا۔ اس تاریکی کو روشنی میں لانا چاہتا تھا جو اس کے ذہن پر مسلط ہو کر رہ گئی تھی۔

خاور جانے پہچانے راستوں سے گزرتا ڈاکٹر ذیشان کے کلینک تک پہنچ گیا لیکن گاڑی سے نیچے اترنے کے بعد ایک بار پھر اسے اپنا ذہن گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ جس مکان کو اس نے رنگ و روغن سے مزین ایک باقاعدہ کلینک کی شکل میں دیکھا تھا وہ اس وقت بڑی شکستہ اور ویران حالت میں نظر آ رہا تھا۔ دیواریں ٹوٹی پھوٹی حالت میں تھیں جن پر گردوغبار کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ مکان کا دروازہ ٹوٹا پھوٹا تھا جس پر مکڑی کے بڑے بڑے جالے دکھائی دے رہے تھے۔ پہلی نظر میں ہی یہی اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ برسوں سے غیر آباد پڑا ہو اور بد روحوں کا مسکن بن گیا ہو۔ مکان پر برسنے والی ویرانی بھی بڑی پراسرار اور ہولناک نظر آ رہی تھی۔

خاور حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس مکان کو دیکھتا رہا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ڈاکٹر ذیشان سے ملاقات کئے اسے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔۔ پھر ایک کلینک اتنی جلدی کھنڈرات نما مکان میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟ کچھ دیر تک وہ طلسم ہوشربا کے کسی پراسرار کردار کی طرح خاموش کھڑا پھٹی پھٹی نظروں سے مکان کو دیکھتا رہا پھر ایک لمحے کو اسے یہ شبہ ہوا کہ شاید وہ جلدی میں راستہ بھٹک کر کسی غلط مکان پر آگیا ہے لیکن یہ شبہ زیادہ دیر تک اس کی خوش فہمی کو تقویت نہ دے سکا۔ اس نے گھوم پھر کر راستوں کا اندازہ لگایا تو اس کے قدم پھر اسی شکستہ' ٹوٹے پھوٹے غیر آباد اور ویران مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

عالیہ کے کوارٹر کے حوالے سے بھی وہی ویران اور غیر آباد مکان ڈاکٹر ذیشان کا کلینک ثابت ہوا تھا۔ خاور کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی ایسا بھیانک خواب دیکھ رہا ہو جس کی تعبیر پانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ ڈاکٹر ذیشان سے ملاقات کی بیشتر باتیں اسے اچھی طرح یاد آ رہی تھیں۔ خاص طور پر ریسپشن پر نظر آنے والا وہ بوڑھا جس نے ہر بار خاور کو دیکھ کر آدم بیزار ہونے کا ثبوت پیش کیا تھا۔

"صاجزادے۔۔ آپ اس ویران کھنڈر میں اتنے غور سے کیا تلاش کر رہے ہیں۔۔؟"

خاور اس آواز کو سن کر چونکا پھر اس نے نظریں گھما کر اپنے دائیں جانب دیکھا تو ایک لمحے کو اس کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اس کے سامنے وہی بوڑھا کھڑا تھا جسے وہ ڈاکٹر ذیشان کی کلینک میں مل چکا تھا۔

"آپ۔۔۔"

"جی۔۔ میں" بوڑھے نے خاور کو گھورتے ہوئے کہا۔ "خادم کو منظر علی کہتے ہیں۔ ویسے منظر میرا تخلص بھی ہے۔"

"یہ مکان۔۔" خاور نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ بوڑھے کو دیکھ کر اسے جو حیرت ہوئی تھی وہ ابھی تک اس سے چھٹکارا نہیں پا سکا تھا۔ بوڑھا بھی اسے اجنبی نظروں سے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار آمنا سامنا ہوا ہو۔۔

"کبھی یہ مکان ہی تھا۔۔ لیکن برسوں سے کسی مفلوک الحال شاعر کی طرح اسی خستہ اور برباد حالت میں اپنی گرتی ہوئی بنیادوں پر کھڑا لوگوں کو اپنی حالت زار کا دکھڑا سنا رہا ہے۔۔" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا پھر خاور کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے بولا۔ "اس مکان سے آپ کی دلچسپی کا سبب دریافت کر سکتا ہوں؟"

"میرا خیال ہے کہ اس مکان میں کوئی کلینک قائم تھا۔۔"

"کلینک۔۔۔" بوڑھے نے حیرت سے دیدے نچائے پھر مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔ "بھوتوں اور بد روحوں کا کلینک ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔ البتہ میں نے یہاں انسانوں کا کلینک کبھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ میں صرف دو گلی پیچھے برسوں سے اسی علاقے میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہوں۔"

"ہو سکتا ہے مجھے غلط فہمی ہو رہی ہو۔۔" خاور نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی۔

"آپ کو اس مکان کا پتہ کس نے دیا تھا۔۔؟" بوڑھے نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"میرے ایک دوست نے۔۔"

"اس نے یقیناً آپ سے تفریح لینے کی خاطر شرارت کی ہو گی۔" بوڑھے نے کہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اس وقت تو خیر سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ رات کی تاریکی میں کبھی بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کیجئے گا۔۔"

"کوئی خاص وجہ۔۔؟"

"میں نے عرض تو کیا تھا میاں صاحبزادے کے اس ویران مکان میں بھوتوں اور بد روحوں نے اپنا ڈیرہ جما رکھا ہے۔ رات کو اس میں سے عجیب و غریب آوازیں اور لوگوں کے چلنے پھرنے کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔۔ کبھی جانوروں کی کریہہ آوازیں چیخنے چلانے اور رونے کی منحوس آوازیں بھی ابھرتی ہیں۔۔ غرضیکہ عجیب و غریب اور ناقابل یقین واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔۔ علاقے کے لوگ بھی سورج غروب ہونے کے بعد ادھر کا رخ نہیں کرتے۔۔"



"اس علاقے میں ڈاکٹر ذیشان نامی کوئی صاحب بھی رہتے ہیں۔۔؟" خاور نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"ممکن ہے رہتے ہوں لیکن میں یہ نام بھی پہلی بار آپ کی زبان سے سن رہا ہوں۔" بوڑھے نے تھوڑے توقف کے بعد جواب دیا۔

"معذرت چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی۔۔" خاور نے انکساری سے کہا۔

"الٹی بات کر رہے ہو میاں صاحبزادے۔۔" بوڑھا زیر لب مسکرایا۔ "زحمت تو آپ کو اپنے کسی دوست کی وجہ سے اٹھانی پڑی جس نے آپ کو اس مکان میں کسی کلینک کا پتہ بتا کر نہ جانے کس بات کا بدلا لیا ہے۔۔ میں نے تو آپ کو اس صورتحال سے آگاہ کر دیا جو مذکورہ مکان کو درپیش ہے۔۔"

"اس مکان کا مالک کون ہے۔۔؟" خاور نے بوڑھے کی شاعرانہ گفتگو کو نظرانداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں اس سلسلے میں بھی وثوق سے کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا۔" بوڑھے نے اس بار الجھے ہوئے انداز میں سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ "مختلف نوعیت کی پراسرار اور عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں۔۔ بقول شخصے ایک کھنڈر اور ہزار داستان کس پر یقین کیا جائے اور کس کو جھٹلایا جائے۔۔"

"آپ کی فراہم کردہ معلومات کیلئے بہت بہت شکریہ۔۔۔" خاور نے بوڑھے سے جان چھڑانے کیلئے کہا۔

"کیا ایک سوال میں بھی کر سکتا ہوں۔۔؟" بوڑھے نے اس بار خاور کو ٹٹولتی نظروں سے گھورا۔

"ضرور پوچھئے۔۔"

"تم نے اس مکان کے بارے میں کسی کلینک کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور پر ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں کیوں دریافت کیا تھا؟" بوڑھے کی نظروں میں تجسس تھا۔ خاور کو عجیب و غریب انداز میں دیکھ رہا تھا۔ شاعر سے زیادہ اب وہ کوئی مفکر نظر آ رہا تھا۔

"جس دوست نے مجھے اس مکان کا پتہ دے کر کلینک کا ذکر کیا تھا اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کلینک کے باہر ڈاکٹر ذیشان کے نام کی تختی بھی موجود ہو گی۔۔" خاور نے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ کبھی بھول کر بھی اس مکان کی طرف آنے کی حماقت مت کرنا۔ میں تم کو صرف یہی ایک نیک مشورہ دے سکتا ہوں۔۔۔" بوڑھے نے بدستور خاور کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا گلی عبور کر کے ایک موڑ پر گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

خاور نے بوڑھے کے جانے کے بعد دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کر اس کا رخ گھر کی طرف موڑ دیا۔ راستے میں بوڑھے کی باتیں اس کے ذہن میں الجھ رہی تھیں۔ وہ ان معلومات پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتا رہا جو بوڑھے نے مکان کے بارے میں فراہم کی تھیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ جو پراسرار اور ناقابل یقین باتیں اس کے علم میں آئی تھیں اس پر یقین کرے یا قیاس پر مبنی کہانیاں سمجھ کر بھلا دے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب نرگس نے بھی عالیہ کے سلسلے میں ڈاکٹر ذیشان ہی کا نام لیا تھا۔۔

بڑی دیر تک خاور کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف رہا پھر اچانک ایک سوال اس کے ذہن میں بڑی سرعت سے ابھرا۔

"کیا وہ بوڑھا جس نے اپنا تعارف بحیثیت منظر علی کے کرایا تھا حقیقت میں کوئی شاعر ہی تھا یا وہی آدم بیزار بوڑھا تھا جس سے ڈاکٹر ذیشان کے کلینک میں تین چار بار اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔۔۔؟

خاور کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ ڈاکٹر ذیشان کی پراسرار شخصیت اور اس کے کلینک کے بارے میں ان گنت سوالات ابھر ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگے۔۔ وہ کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر ہی رہا۔۔

○

عالیہ عروسی جوڑے میں ملبوس اس وسیع اور عریض کمرے میں بچھی مسہری پر گٹھری بنی بیٹھی تھی جو اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اس کے ذہن میں بیتے دنوں کی ایک ایک باتیں محفوظ تھیں۔ کس طرح کالج میں خاور نے پہلی بار اس کے سامنے آ کر اسے ششدر کر دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی اس کے خواب یوں شرمندہ تعبیر ہو جائیں گے۔ دل ہی دل میں وہ خاور کی محبت کو تھپکیاں دے دے کر سمجھایا کرتی تھی کہ زمین و آسمان کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ ریل کی دو پٹڑیوں کی طرح جو ساتھ ساتھ چلتی ہیں لیکن ایک دوسرے سے ان کا فاصلہ برقرار رہتا ہے۔

خاور کالج کا ہیرو تھا۔ بڑے خاندان کی بیشتر لڑکیاں اس کا دم بھرتی تھیں۔ خاور کی نظروں کے ایک اشارے پر وہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار نظر آتی تھیں۔ جس طرح کسی بڑی مچھلی کو جال میں پھانسنے کی خاطر شکاری کو مختلف طریقے آزمانے پڑتے ہیں اسی طرح خاور کا دم بھرنے والی وہ لڑکیاں بھی اپنی اداؤں کے نت نئے جال بنا کرتی تھیں۔ اسے رجھانے کی خاطر اس کے سامنے ہرنیوں کی طرح کلیل بھرا کرتی تھیں۔ ایک سے ایک بھڑکیلے اور شوخ لباس پہن کر اس کے سامنے آتیں۔ نئے نئے فیشن آزماتیں' آنکھوں آنکھوں میں جانے کیا کیا راز و نیاز لئے اس کے آگے پیچھے اتراتی پھرتیں لیکن عالیہ دور ہی دور سے حسرت بھری نظروں سے خاور کو دیکھتی اور دل مسوس کر رہ جاتی۔

خاور اس کا آئیڈیل تھا لیکن عالیہ نے کبھی اس کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کبھی اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی خاطر کوئی ایسا حربہ نہیں آزمایا تھا جو کالج میں اس کی بدنامی کا سبب بن جاتا۔ جس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی وہ

اس کے آداب سے بخوبی واقف تھی۔ اسے اپنی حیثیت اور کم مائیگی کا احساس بھی تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بڑی بڑی دکانوں کے شوکیس میں سجی ہوئی قیمتی اور نادر اشیاء ہر شخص کی نگاہوں میں چکا چوند ضرور پیدا کرتی ہیں لیکن اسے خریدنے کی طاقت صرف ان کو ہوتی ہے جن کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ جن کے دامن تنگ نہیں ہوتے۔ دولت جن کے ہاتھوں کا میل ہوتی ہے لیکن ان قیمتی نوادرات کو دور سے دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ ہر کوئی ان کو اپنے خوابوں میں سجانے کا حق رکھتا ہے۔

خاور بھی طلباء کے درمیان ایک قیمتی شے جیسا تھا۔ عالیہ نے صرف اسے دور دور سے دیکھا تھا۔ وہ اسے پسند بھی آیا تھا لیکن اس نے کبھی اس کی طرف ہاتھ یا قدم بڑھانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ ایک ہی کالج اور ایک ہی کلاس میں ہوتے ہوئے بھی وہ ایک دوسرے سے دور دور الگ تھلگ اپنی مسافتیں طے کر رہے تھے پھر اچانک ایک روز خوابوں کا وہ شہزادہ جو نہ جانے کتنے دلوں کی دھڑکن تھا خود ہی بڑے خوبصورت' شوخ اور معصوم سے انداز میں ایک سوالی کی طرح حسن کی بارگاہ میں پیش ہو گیا۔ اس روز عالیہ کو اپنی قسمت کی مہربانی کا یقین نہیں آیا تھا لیکن خاور نے کچھ ایسے انداز میں اسے اپنانے کی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچے دھاگے کی مانند اس کی سمت کھنچتی چلی گئی۔ وہ راز داری سے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے پھر قربتوں نے فاصلوں کو ختم کیا تو وہ دو جان ایک قالب بن گئے۔

عالیہ نے دبی زبان میں خاور کو اپنی حیثیت کا احساس دلایا لیکن خاور نے اسے ہر قیمت پر اپنانے کا مکمل یقین دلا کر اس کے تمام وسوسوں کو دور کر دیا۔ وہ خاور کی محبت کے نشے میں سرشار آنکھیں بند کئے منزلیں طے کرتی رہی لیکن پھر وقت کی ایک ہی کروٹ نے اس کی زندگی کی تمام خوشیوں کو تاراج کر دیا۔ شبانہ بیگم پہلی مرتبہ اس کے گھر میں کسی بپھرے ہوئے طوفان کی طرح داخل ہوئیں اور اس کی تمام خوشیوں' تمناؤں اور آرزوؤں کو خس و خاشاک کی مانند ایک ہی ریلے میں بہا کر لے گئیں۔ وہ کھلی آنکھوں سے اپنے خوابوں کو پامال ہوتا دیکھتی رہی۔ والدین اور نرگس کی موجودگی

میں جس طرح شبانہ بیگم نے دولت کے گھمنڈ اور غرور میں اس کی پاکیزہ محبت کے لئے ناموزوں اور اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے تھے۔ وہ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اس کے وجود کی گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔۔ وہ مہربلب رہ گئی۔ اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اسی روز اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کا گلا گھونٹ لیا۔ اپنی محبت کی خاطر وہ باپ کی رسوائی اور لوگوں میں جگ ہنسائی کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی۔

شبانہ بیگم کے جانے کے بعد وہ بڑی دیر تک اپنے کمرے میں بستر پر بے سدھ پڑی اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہی۔ اپنی بے چارگی کا ماتم کرتی رہی پھر اس نے خود کو حالات کے دھاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ تقدیر کے فیصلوں سے نہیں لڑ سکتی تھی چنانچہ جب ماں نے کچھ عرصہ بعد اس کے سامنے ڈاکٹر ذیشان کے رشتے کی بات کی تو اس نے خاموشی سے سرنگوں کر لیا۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

اس کی شادی بڑی سادگی سے ہوئی۔ نرگس کے علاوہ محلے کے دو چار گھرانے ہی شریک ہوئے۔ ڈاکٹر ذیشان نے بھی دھوم دھام کو مناسب نہیں سمجھا۔ دولہا بن کر گاڑی میں لینے آئے اور نکاح کے دو بول پڑھانے کے بعد اسے ایک نئی منزل کی جانب اپنے ہمراہ لے گئے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے باپ کی طرف دیکھا جو اپنی ویران آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان سمیٹے دروازے کے قریب سر جھکائے کھڑے تھے۔ ماں نے دبی زبان میں کہا۔

"قسمت میں یہی لکھا تھا میری لاڈلی اب ہماری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بوڑھے باپ کی مجبوریوں کا خیال رکھنا۔"

جواب میں وہ سسک کر رہ گئی۔

"مجھے بھول مت جانا۔۔" نرگس نے اسے کار میں بٹھاتے وقت سرگوشی کی۔ اس کی آواز بھی لرز رہی تھی۔

پھر پھولوں سے مہکتی کار حرکت میں آئی تو وہ سہم کر ایک طرف سمٹ گئی۔ ڈاکٹر ذیشان اس کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ لیکن راستے بھر ان کے درمیان کوئی بات نہیں

ہوئی۔ دونوں ہی اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔

عالیہ نے نئے گھر میں قدم رکھا تو وہاں بھی ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ دو عورتوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے حجلہ عروسی تک پہنچا دیا جہاں وہ بڑی دیر سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے ماضی کے دروازوں کو بند کر لے گی۔ نئی زندگی کو نئے عزم کے ساتھ گزارنے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔ کوئی ایسی بات دل کے نہاں خانوں سے باہر نہیں آنے دے گی جو اس کی رسوائی کا سبب بن سکے۔ وہ پوری دیانت داری سے ڈاکٹر ذیشان کے ساتھ وفادار رہے گی۔

آنے والے لمحوں کے انتظار میں ایک ہی انداز میں بیٹھے بیٹھے اس کے جوڑ و بند دکھنے لگے تو اس نے آہستہ سے پہلو بدلا کسی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز اس کے کانوں میں گونجتی رہی۔ وقت کی سست رفتاری سے تنگ آ کر اس نے گھونگھٹ تھوڑا سا سرکا کر کمرے کا جائزہ لیا تو ایک لمحے کو اسے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔ اس وسیع و عریض خواب گاہ کو اتنی خوبصورت اور قیمتی اشیاء سے سنوارا سجایا گیا تھا کہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ فرش پر سفید رنگ کا اجلا اور بے داغ قالین بچھا ہوا تھا۔ جس پر قیمتی اور منقش فرنیچر کو بڑی خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی گول میزیں تھیں جس پر تازہ اور مہکتے ہوئے خوش رنگ پھولوں کے نفیس گلدان خالص سونے کی مانند جھلمل کرتے نظر آ رہے تھے۔

کھڑکیوں اور دروازوں پر نہایت دیدہ زیب پردے پڑے تھے۔ ہر شے نہایت اعلیٰ تھی اور صاحب خانہ کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت پیش کر رہی تھی۔ پورا کمرہ بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ بیحد خوابناک سحر آگیں ماحول تھا۔

عالیہ کمرے کی سجاوٹ میں کھو کر رہ گئی۔ ایک ایک شے کا بہ نظر غور جائزہ لیتی رہی۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی ایسا خواب دیکھ رہی ہو جس کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کمرے کی سجاوٹ کو دیکھنے میں وہ اس قدر محو تھی کہ اس کا یہ احساس بھی مٹ گیا کہ

رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی اور وہ سہاگ رات ہونے کے باوجود گزشتہ تین گھنٹوں سے تن تنہا اس مسہری پر بیٹھی تھی جس پر ادھ کھلی سفید کلیاں اور گلاب کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ اس عرصے میں اسے دور دور تک کسی کے قدموں کی آہٹ بھی نہیں سنائی دی۔ ہر طرف سناٹا اور خاموشی طاری تھی۔

عالیہ کی نظریں حجلہ عروسی کی تزئین اور آرائش میں استعمال کی جانے والی نایاب چیزوں پر بھٹکتی رہیں۔ دیواروں پر سنہری فریموں میں دنیا کی بہترین سیرگاہوں' آبشاروں' سبزہ زاروں اور سربلند برف پوش پہاڑیوں کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک ایک فریم کا تفصیلی جائزہ لیتی رہی۔ اپنی مسہری پر بیٹھی ان فریموں میں نظر آنے والے حسین مناظر کے ذریعہ دنیا جہاں کی سیر کرتی رہی پھر یکلخت اس کی نظر داخلی دروازے کے اوپر لگے ہوئے فریم پر پڑی تو وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہونے لگیں۔ وہ پھٹی پھٹی خوفزدہ نظروں سے ٹکٹکی باندھے اس فریم شدہ تصویر کو دیکھنے لگی جو خاور کے سوا کسی اور کی نہیں تھی۔

عالیہ کو اپنا دل سینے کی گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ اس کی شادی ڈاکٹر ذیشان سے ہوئی تھی۔ آج زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر اس کا پہلا قدم تھا نکاح کے وقت اپنی رضامندی کا اظہار کر کے وہ صرف اور صرف ڈاکٹر ذیشان کی امانت بن چکی تھی پھر خاور کی تصویر اس کے اور ذیشان کے درمیان کس طرح آ گئی؟ عالیہ کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ خاور کی تصویر کو حیرت بھری نظروں سے گھورتی رہی۔ ایسی ہی ایک تصویر عالیہ کے پاس بھی تھی جسے اس نے گھر والوں کی نظروں سے چھپا کر بڑی احتیاط سے رکھا تھا لیکن جس روز اس نے ماں کے کہنے پر ڈاکٹر ذیشان کے سلسلے میں سر تسلیم خم کیا تھا اسی رات اس نے آخری بار اس تصویر کو جی بھر کر دیکھا تھا پھر ریزہ ریزہ کر کے کوڑے کی باسکٹ کے بیچ چھپا دیا تھا مگر اس وقت ہوبہو وہی تصویر اس کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی فریم کے اندر مسکرا رہی تھی۔

"حجلہ عروسی میں اس تصویر کا مقصد کیا تھا؟" عالیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوچا۔ خاور والی بات ڈاکٹر ذیشان کے علم میں آ چکی تھی۔ اس نے عابد حسین سے یہی

کہا تھا کہ جس وقت شبانہ بیگم ان کے دروازے پر کھڑی اپنی کڑوی زبان سے زہر اگل رہی تھیں اس وقت وہ بھی باہر موجود تھا۔ اس نے وہ تمام باتیں سن لی تھیں جو شبانہ بیگم نے عالیہ اور اس کے والدین کو ذلیل و رسوا کرنے کی خاطر کہی تھیں۔ ان ہی باتوں کے ذکر کے بعد ڈاکٹر ذیشان نے نظریں جھکا کر عالیہ کیلئے اپنا رشتہ پیش کیا تھا جسے معمولی چھان بین کے بعد قبول کر لیا گیا۔۔ شاید اسی میں سب کی بہتری تھی۔

"پھر۔۔ جب ڈاکٹر ذیشان کو تمام حالات کا علم تھا تو اس نے خاور کی تصویر کو خوابگاہ میں کیوں جگہ دی تھی؟ خوشیوں کے درمیان ان تلخ یادوں کو تازہ کرنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی جسے وہ اپنے وجود کی گہرائیوں میں دفن کر چکی تھی؟" عالیہ کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی بپا تھی۔ ایک خوف اس کے ذہن میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"کیا ذیشان اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ کر روز اول ہی اسے اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں۔۔؟ ابھی تو اس نے ان کے گھر میں پہلا قدم رکھا تھا۔۔ ابھی تو وہ دونوں کھل کر ایک دوسرے کے سامنے بھی نہیں آئے تھے۔۔ حجاب کے پردے بھی دونوں کے درمیان حائل تھے پھر ایک نفسیاتی حربے سے اس کے زخموں کو کریدنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔۔؟ کیوں اسے خود اس کی نظروں میں گرانے کی خاطر خاص طور پر وہی تصویر خوابگاہ میں سجائی گئی تھی جو کبھی اس کا سب سے حسین خواب تھی۔۔؟ اس خواب کو اس قدر بھیانک اور ہولناک تعبیر دینے کی کیا ضرورت تھی۔۔؟"

عالیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے ایک بار پھر خوابگاہ کی تمام دیواروں پر نظر ڈالی۔ وہاں ہر طرف خوبصورت مناظر کے فریم تھے۔ خاور کی واحد تصویر ان تمام فریموں کے درمیان نمایاں نظر آ رہی تھی۔ "یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔" عالیہ نے گھونگھٹ کے اندر دوبارہ سر چھپا کر بڑے کرب سے سوچا۔ "خاور کی وہ تصویر جان بوجھ کر خوابگاہ میں ایک ایسے مخصوص مقام پر لگائی گئی تھی کہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اس کی نظر پڑتی رہے۔۔ مگر کیوں؟ اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی تھی۔۔؟ ذیشان کے دل میں کیا تھا جس کی ترجمانی کرنے کی خاطر خاور کی تصویر کو درمیان میں لایا گیا تھا۔۔؟

شب وصال میں تو روشن چراغ بھی گل کر دیئے جاتے ہیں پھر ذیشان نے اپنے رقیب کی تصویر کو اس قدر اجاگر کیوں کیا تھا۔۔؟ کیا تھا اس کے دل میں۔۔؟ وہ کیا چاہتا ہے۔۔؟ اگر اس کے خیال میں خاور سے محبت کر کے عالیہ نے کوئی قابل گردن زدنی گناہ کیا تھا تو اسے دلہن کا روپ دے کر خوشیوں کے صلیب پر چڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔۔؟"

اچانک دروازہ کھلنے کی آواز ابھری تو عالیہ کے دل کی خوفزدہ دھڑکنیں اچھل کر حلق تک آ گئیں۔ خوشیوں کے اس سنگم پر کسی کے قدموں کی آہٹ نے اس کے ارمانوں میں کوئی ہلچل نہیں پیدا کی۔ اس کی امنگوں میں کسی سرمست طوفان نے سر نہیں ابھارا۔ اس کنوارے خوابیدہ خیالوں میں سنی سنائی باتوں کی لذت انگیز سرسراہٹ بھی نام کو نہیں ہوئی۔ خاور کی تصویر کے فریم نے جیسے اس کے جذبات کو اپنے اندر سمو کر منجمد کر دیا تھا۔ وہ سہمی سمٹی بیٹھی قدموں کی آہٹ کو قریب آتے سنتی رہی۔ اس کے خوف میں لمحہ لمحہ اضافہ ہوتا رہا پھر قدموں کی آہٹ مسہری کے قریب آ کر تھم گئی۔ کوئی آہستہ سے اس کے قریب بیٹھا تو وہ دل ہی دل میں گنگنانے کے بجائے اور خوفزدہ ہو گئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بڑی دیر تک میرا انتظار کرنا پڑا۔"

ڈاکٹر ذیشان کی مانوس آواز اس کے کانوں میں گونجی تو اس نے ان کے لب و لہجے سے خاور کی اس تصویر کا کوئی نازک رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کی جو خوف بن کر اس کی رگوں میں سرایت کر گیا تھا۔

"میری یہ کوٹھی بڑے عرصے سے آپ کی منتظر تھی۔۔" ڈاکٹر ذیشان نے اس کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔ "یہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ آپ کی خدمت کیلئے جو خواتین ملازم رکھی گئی ہیں وہ اس وقت اپنے سرونٹ کوارٹر میں محو خواب ہوں گی۔۔ صرف میں۔۔ اور۔۔ آپ جاگ رہے ہیں۔۔"

وہ بدستور گھونگھٹ کے اوٹ میں سر جھکائے بیٹھی دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو شمار کرتی رہی۔ ابھی تک ذیشان کی کسی بات میں اس نے انتقام کی کوئی آمیزش نہیں

محسوس کی تھی۔

"کیا آپ اسی طرح خاموش بیٹھی میری باتیں سنتی رہیں گی۔۔ خود کچھ نہیں کہیں گی۔"

ذیشان نے اس کا ہاتھ تھام کر نشیلی آواز میں کہا تو وہ کسمسا کر رہ گئی۔ ایک مرد کے ہاتھ کے لمس نے پہلی بار اس کی نسوانیت کے حساس تاروں کو چھیڑا تو خوف کا احساس کم ہونے لگا۔ ایک لطیف سی کیفیت نے سرابھارنا شروع کیا۔

"عالیہ۔۔" ذیشان نے اس کے حنائی ہاتھ کو آہستہ سے اٹھا کر اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے چوما تو عالیہ کے وجود میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔ نرگس کی شوخ باتیں اس کے کانوں میں رس گھولنے لگیں۔

"آپ جانتی ہیں میں کب سے آپ کو اپنانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔۔؟" ذیشان نے آہستہ سے اس کا گھونگھٹ اٹھایا تو عالیہ نے حجاب سے آنکھیں بند کر لیں۔ ذیشان نے منہ قریب لا کر اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ اس رات کے انتظار میں میں برسوں سے تڑپ رہا تھا۔۔ لیکن مایوسی کبھی میرے راستے کی دیوار نہیں بنی۔ مجھے مکمل یقین تھا کہ میں ایک نہ ایک دن آپ کو حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔"

ذیشان اسے چھیڑتے رہے۔ وہ بار بار پہلو بدلتی رہی پھر حجاب کے پردے آہستہ آہستہ سرکنے لگے تو عالیہ نے دبی زبان میں دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"آپ نے پہلی بار مجھے بخار کی کیفیت میں دیکھا تھا۔۔ کیا اچھی لگی تھی میں۔۔؟"

"یہ آپ کا خیال ہے۔" ذیشان نے اس کے پہلو میں دراز ہوتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ "ورنہ میں تو آپ کو اس وقت سے جانتا ہوں جب آپ نے جوانی کی سرحدوں میں پہلا پہلا قدم رکھا تھا۔۔"

"آپ تو ڈاکٹر ہیں۔۔" عالیہ نے پہلی بار ذیشان سے نظریں ملا کر زیرِ لب مسکرانے کی کوشش کی۔ "یہ شاعرانہ باتیں کہاں سے سیکھ لیں۔۔؟"

"میرے بہت سے روپ ہیں۔" ذیشان نے سنجیدگی سے کہا۔ "ایک ہی رات میں تو سارے بھید نہیں کھل سکتے۔۔"

"باتیں بڑی خوبصورت کرتے ہیں آپ۔۔" عالیہ نے شوخی سے جواب دیا۔

"ایک بات پوچھوں۔۔" اس بار ذیشان نے عالیہ کو عجیب انداز میں دیکھا۔ ان نظروں میں مستی کے علاوہ ساحرانہ چمک بھی شامل تھی۔

"پوچھئے۔۔۔"

"میرے انتظار میں آپ کا وقت کس طرح گزرا۔۔؟"

عالیہ دوبارہ سہم کر رہ گئی۔ یوں جیسے بادل چھٹ جانے سے تیز دھوپ نکل آئی ہو۔ اس کے ذہن میں یکلخت خاور کی وہ تصویر ابھر آئی جس نے اسے بڑی دیر تک خوف کی کیفیتوں سے دو چار کر رکھا تھا۔ ذیشان کی محبت بھری باتوں کے جادو نے وقتی طور پر کسی معمول کی طرح اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا لیکن اس کے سوال کی نوعیت نے پھر عالیہ کے ذہن میں داخلی دروازے پر لٹکے ہوئے اس فریم کو اجاگر کر دیا جس میں وہ خاور کی تصویر دیکھ چکی تھی۔

"میں۔۔ آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔۔؟" عالیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ وہ اس بات کو خود سے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ خاور کی تصویر والے فریم کو دیکھ چکی ہے لیکن اس کے اندر وسوسوں نے سرابھارنا شروع کر دیا تھا۔

"تصویروں سے باتیں کرنا کیسا لگتا ہے آپ کو۔۔؟" ذیشان نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کبھی پہلے اس کا تجربہ نہیں ہوا۔۔" عالیہ نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔ وہ اپنی جگہ سنبھل چکی تھی۔ ذیشان کے منہ سے سننا چاہتی تھی کہ خاور کی تصویر کو اپنی خوابگاہ کی زینت بنا کر اس نے کس راز کو افشا کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیا ثابت کرنا چاہتا تھا۔۔؟

"اوہ۔۔" ذیشان نے مسکرا کر کہا۔ "گویا میری ساری محنت اکارت ہی گئی۔۔"

"آپ کو معموں میں باتیں کرنا زیادہ پسند ہے شاید۔۔؟" اس نے ذیشان کو

کریدنے کی خاطر لطیف انداز اختیار کیا۔

"کیا آپ کو یہ بات پہلے سے نہیں معلوم تھی کہ میں زندگی میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں---؟" ذیشان نے اداس لہجے میں کہا۔ پھر بڑی محبت سے عالیہ کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "اب آپ میری تنہائیوں کو دور کرنے آگئی ہیں تو زندگی میں نئے نئے رنگ بکھیریں گے۔ نئے نئے انکشافات ہوں گے۔"

"آپ ابھی کسی تصویر سے باتوں کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے---؟" عالیہ نے استفسار کیا۔

"آپ نے شاید ابھی تک اس خواب گاہ کا جائزہ نہیں لیا۔" ذیشان نے لاپرواہی سے کہا۔ "میں نے کوشش کی ہے کہ یہاں کی ہر شے آپ کی پسند پر پوری اترے البتہ ایک چیز ایسی ضرور ہے جو میں نے آپ کی تنہائی دور کرنے کی خاطر آپ سے پوچھے بغیر فراہم کر دی تھی۔"

"وہ کیا---" عالیہ کے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔

"داخلی دروازے پر لگا ہوا وہ فریم جس میں کسی کی تصویر آپ کو خود سے باتیں کرتی محسوس ہو گی۔"

ذیشان نے ایسے معنی خیز انداز میں جواب دیا کہ عالیہ کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ گفتگو کا رخ ایک ایسے موڑ پر آکر تھم گیا جہاں دونوں طرف سنگلاخ چٹانیں اور زندگی کے تپتے ہوئے ریگ زار اس کی روح کو جھلسانے کے منتظر تھے۔ سہاگ رات کی خوشیاں اتنی جلدی اس کے حق میں سسک سسک کر دم توڑ دیں گی یہ اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔

عالیہ کے چہرے پر آنے والے لمحوں کے تاریک اور مہیب سائے منڈلانے لگے۔ وہ بے قصور تھی۔ خاور سے محبت کر کے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اس کے قدم ہمیشہ ثابت رہے تھے۔ کوئی ایسی لغزش نہیں آئی تھی جو اسے شرمندگی یا بدنامی سے دو چار کر دے لیکن اس کے پاس کوئی ایسا علاج بھی نہیں تھا جس کے ذریعے وہ ذیشان کے وہم اور اس کے دل کی کدورتوں کو دور کر سکتی۔ اسے اپنی تنگ

دامنی اور بے بسی کا احساس ہوا تو اس نے پوری شدت سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

"ارے--- یہ کیا ہو رہا ہے آپ کو۔" ذیشان نے اس کی کیفیت دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا پھر سنجیدگی سے عالیہ کا ہاتھ تھام کر بولے--- "اگر آپ کو میری تصویر پسند نہیں آئی تو میں اسے ابھی اتار کر باہر پھینک آتا ہوں۔"

"آپ کی تصویر---؟" عالیہ نے چونک کر ایک نظر ذیشان پر ڈالی پھر ڈرتے ڈرتے نگاہوں کا زاویہ بدل کر داخلی دروازے پر لگے فریم کی سمت دیکھا تو چکرا کر رہ گئی خواب گاہ میں جیسے بھونچال آگیا ہو۔

فریم میں خاور کے بجائے ذیشان کی تصویر دیکھ کر اس کا ذہن گھوم گیا۔ اسے اپنی قوت بینائی پر شبہ سا ہونے لگا۔ کچھ دیر پیشتر اسی فریم میں خاور کی تصویر دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی اور اب اسی فریم میں ڈاکٹر ذیشان کی تصویر دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ خاص طور پر تصویر میں ذیشان کی آنکھیں اسے بولتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کیا حکم ہے سرکار کا---" ذیشان نے عالیہ کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھ کر دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "اگر تصویر آپ کے بار خاطر پر گراں گزر رہی ہو تو---"

"نہیں--- ایسی کوئی بات نہیں ہے---" اس نے اپنے آپ کو تیزی سے سنبھالتے ہوئے صریحاً جھوٹ بولا۔ "میں نے یہ تصویر تو دیکھی ہی نہیں تھی۔ آپ نے سچ کہا تھا۔ آپ کی تصویر تو دوسروں سے باتیں کرتی نظر آتی ہے---"

"دوسروں سے نہیں--- صرف آپ سے---"

عالیہ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ذہنی طور پر وہ ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ اس کی آنکھوں نے جو کچھ پہلے دیکھا تھا وہ سچ تھا یا جو بعد میں نظر آیا وہ حقیقت ہے---؟ اس کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچی تھی پھر اس نے یہ سوچ کر خود کو بہلا لیا کہ شاید خاور کی تصویر اس کے وہم کی پیداوار تھی ورنہ اتنی جلدی تصویروں کا بدل جانا ممکن نہیں تھا۔ دل کو تسلی دے کر اس نے ذیشان کی

طرف دیکھا۔ مدھم لہجے میں بولی۔

"اس کمرے میں آپ کی تصویر میرے لئے سب سے زیادہ اہم اور خوبصورت ہے--"

"اور میرے بارے میں کیا خیال ہے--؟"

"آپ-- آپ بھی تصویر سے کم نہیں ہیں--"

"اتنی جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔ ابھی تو ہماری مشترکہ زندگی کی یہ پہلی رات ہے۔ ہو سکتا ہے کل آپ کو میرے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرنی پڑے--"

"آپ کی باتیں بڑی معنی خیز ہوتی ہیں۔" عالیہ نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

"کہاں سے سیکھی ہیں یہ باتیں--"

"اگر میں یہ کہوں کہ آپ کی محبت نے مجھے دیوانہ بنا رکھا تھا تو کیا آپ یقین کر لیں گی۔" اس بار ذیشان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت اور دیوانگی نظر آ رہی تھی۔

"اتنی جلدی کیا کہہ سکتی ہوں-- حقیقت جاننے کیلئے کچھ وقت تو درکار ہو گا---"

"وقت کل بھی میری مٹھی میں تھا اور آج بھی پوری طرح میری گرفت میں ہے۔" ذیشان نے بڑی سنجیدگی سے اور بےحد ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ اس کی نگاہیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ ایک لمحے تک وہ ایسے خیالوں میں گم رہا پھر اس کے چہرے کے تاثرات یکلخت تبدیل ہو گئے۔ اس نے نظریں گھما کر عالیہ کو دیکھا۔ بچوں جیسے انداز میں اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر بڑے یقین اور اعتماد سے بولا-- "اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔ تم ہمیشہ میری رہو گی میں تمہیں ایسی دنیا کی سیر کراؤں گا جو تم نے شاید خواب میں بھی کبھی نہ دیکھی ہو گی--"

"بلاوجہ روپیہ لٹانے سے کیا فائدہ۔" عالیہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ہم اپنی چہار دیواری کے اندر بھی خوش رہ سکتے ہیں۔"

"دولت اور طاقت دونوں میرے اختیار میں ہیں۔" ذیشان نے بڑے تکبر سے

جواب دیا۔ "تمہارا حصول میری زندگی کا مقصد تھا جو میری مرضی کے عین مطابق پورا ہو گیا۔ اب تم ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہو گی۔ ایک لمحہ' ایک پل کو بھی میں تمہیں اپنے آپ سے دور نہیں ہونے دوں گا۔"

"سچ--"

"میں-- میں نے تم سے غلط نہیں کہا تھا کہ میں تم کو اس وقت سے چاہتا ہوں جب تم نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔" ذیشان نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس وقت آپ نے مجھے کیسے دیکھ لیا تھا--؟" عالیہ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"انتظار کرو میری جان-- آہستہ آہستہ زندگی کے بہت سارے سربستہ راز تم پر کھل جائیں گے۔" ذیشان نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا پھر یکلخت اس کے چہرے کا کھنچاؤ کم ہو گیا۔ محبت بھری نظروں سے عالیہ کے سراپا کو دیکھ کر سرسراتے لہجے میں بولا۔ "آج ہماری سہاگ رات ہے' ارمانوں میں ہلچل مچانے والی رات' باقی باتوں کیلئے تو زندگی پڑی ہے--"

عالیہ نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

ذیشان نے اٹھ کر خوابگاہ کی روشنیاں ایک ایک کر کے بند کرنی شروع کیں تو عالیہ کے معصوم ذہن میں کیف آگیں تصورات سر ابھارنے لگے۔ پھر جب کمرہ گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا تو نہ جانے کیوں اسے تاریکی سے خوف آنے لگا۔ اس نے ذیشان سے کہنا چاہا کہ مدھم سی روشنی جلتی رہنے دی جائے لیکن وہ اپنا جملہ ادا نہ کر سکی۔ کسی فوری خیال نے جیسے اس کی زبان پر اچانک تالے ڈال دیئے تھے۔ وہ خود ہی اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک بے باک تصور سے شرما کر رہ گئی۔ حیا کی سرخی اس کے پنڈے کو گلابی کر گئی۔

پھر مانوس قدموں کی آہٹ دوبارہ مسہری کے قریب آ کر تھم گئی تو عالیہ کا دل دھڑکنے لگا۔ نرگس کے شریر جملے اس کے ذہن میں ہلچل مچانے لگے پھر اس وقت اس کا دل دھڑک اٹھا جب اس نے اندھیروں میں لباس کے سرسراہٹ کی آوازیں سنیں جلدی سے سہم کر اس نے خود کو کچھ اور سمیٹ لیا۔ آنے والے کا تصور اس کے

وجود کو گدگدانے لگا پھر جب اس نے ذیشان کے ہاتھوں کو اپنے شانوں پر محسوس کیا تو دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں۔

"عالیہ--- میری زندگی---" ذیشان نے اس کے ڈوپٹے کو سر سے ہٹاتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ "آج کی رات میری زندگی کی سب سے خوشگوار رات ہو گی--- تم اسے اور رنگین بنا دو۔ حیا کے ان تمام پردوں کو سرکا دو جو ہمارے درمیان حائل ہیں۔ کسی بپھرتی ہوئی سرکش موج کی طرح اس ساحل سے ٹکرا جاؤ جو برسوں سے تمہارے قرب کا منتظر تھا---"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ذیشان کے گستاخ ہاتھوں کے خلاف کمزور سی مزاحمت کرتی رہی پھر جب وہ لباس کی قید سے آزاد کر دی گئی تو طوفانوں نے آہستہ آہستہ یلغار شروع کی۔ عالیہ بپھری ہوئی موجوں کے بھنور میں الجھ کر ہولے ہولے سسکارنے لگی۔ ذیشان کے اندر بلا کی قوت تھی۔ وہ جوش میں ہوش کی سرحدوں سے بہت دور نکلتا جا رہا تھا۔ اس کی دیوانگی کم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔ عالیہ تھک کر نڈھال ہو گئی۔ مسرتوں پر آہستہ آہستہ خوف غالب آنے لگا تو اس نے پھڑپھڑا کر ذیشان کے مضبوط ہاتھوں کے آہنی شکنجوں سے نکلنا چاہا۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا لیکن ذیشان کا جنون حد سے گزرتا جا رہا تھا۔ اس کے جسم میں جیسے کسی شیطان کی روح حلول کر گئی تھی وہ کسی آدم خور درندے کی مانند پوری شدت سے عالیہ کو جھنجوڑ رہا تھا۔

"ذیشان--- پلیز۔" عالیہ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تو وہ چپ نہ رہ سکی۔ "مجھے کچھ دیر کیلئے ستا لینے دو۔"

"ذیشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہاتھوں کے حلقے اور تنگ ہو گئے تو عالیہ کرب سے بلبلا اٹھی۔ ذیشان کا قرب اب اس کے لئے اذیت ناک ہوتا جا رہا تھا۔

"اٹھ کر روشنی کر دو ذیشان ورنہ میں چیخنا شروع کر دوں گی---" عالیہ نے باقاعدہ احتجاج کیا۔

"نہیں--- نہیں---" ذیشان بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "روشنی کا نام بھی گھپ

اندھیروں میں اپنی زبان پر دوبارہ مت لانا--- یہ میرا حکم ہے۔"

"ذیشان---" عالیہ اس کے لب و لہجے سے سہم گئی۔ ذیشان کی کرخت آواز بے رحم اور خون آشام بھیڑیوں جیسی تھی جسے محسوس کر کے وہ تڑپ اٹھی--- "یہ--- یہ--- آپ کو کیا ہو گیا ہے---؟"

"تمہیں پا کر میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔ اپنے ہوش کھو بیٹھا ہوں---" ذیشان نے زخمی درندوں جیسی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔

"مم--- مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے ذیشان۔" عالیہ نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "روشنی کرو ورنہ میں چیخ چیخ کر پوری کوٹھی سر پر اٹھا لوں گی---"

"خاموش---" جواب میں ذیشان کا لہجہ اور خونخوار ہو گیا پھر اس نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر عالیہ نے ذیشان کو مسہری سے نیچے اترتے دیکھا---" میں کمرے سے چلا جاؤں تو تم اٹھ کر روشنی کر لینا۔" اس بار ذیشان کے لہجے میں نرمی تھی۔ اپنا جملہ ادا کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔

عالیہ نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا پھر اسے اپنی برہنگی کا خیال ہوا تو اس نے تیزی سے لباس سمیٹ کر اٹھنے کی کوشش کی۔ اس کشمکش میں حادثاتی طور پر اس کا ہاتھ سرہانے موجود بڈ سوئچ پر جا پڑا غیر ارادی طور پر اس نے بڈ سوئچ سے ہاتھ ہٹانے کے بجائے اس کو دبا دیا تو خوابگاہ میں یکلخت روشنی پھیل گئی۔

روشنی ہوتے ہی ذیشان کا متحرک ہیولا رک گیا۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر عالیہ کو گھورا--- اور عالیہ کے ہوش اڑ گئے۔ اس کی سانس کی رفتار جیسے یکلخت رک گئی ہو۔ اس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس شخص کو دیکھتی رہی جو ذیشان نہیں تھا۔ وہی مکروہ شکل والا پراسرار اور خوفناک بھوت تھا جسے اس نے سب سے پہلے خواب میں دیکھا تھا۔

وہی ادھیڑ عمر اور دوہرے بدن والا اس وقت بھی مسہری سے دور کھڑا عالیہ کو شعلہ اگلتی ہوئی دہشتناک اور بھیانک نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بچ بچایا ہوا گوشت دیکھ کر ایک بار پھر عالیہ کے ذہن میں یہی خیال ابھرا کہ کسی نے انتقام

لینے کی خاطر تیزاب کی پوری بوتل اس کے چہرے پر الٹ دی تھی۔ چہرے کی جلد آبلوں کی شکل میں ابھری ابھری نظر آ رہی تھی۔ پیشانی پر کسی گہرے زخم کا نشان تھا۔ اس کا ایک کان سلامت اور دوسرا آدھا کٹا ہوا تھا۔ بڑی بڑی خوفناک آنکھوں میں آگ کے شعلے اس طرح بھڑک رہے تھے جیسے ان گنت روحیں رقص کر رہی ہوں۔ اس وقت اس کا جسم کپڑوں سے بے نیاز تھا اس لئے وہ گھنے اور سیاہ بال بھی نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے جو پورے جسم پر اگے ہوئے بڑے ہی بدنما دکھائی دے رہے تھے۔

عالیہ سانس روکے دم بخود بیٹھی اس انسان نما درندے کو دیکھتی رہی۔ اس نے خوف سے چیخنا چاہا لیکن آواز اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کے ذہن میں کچھ اذیت ناک سوالات تیزی سے ابھرنے لگے۔

"ذیشان کہاں گیا۔۔۔؟ اس کی جگہ مکروہ شکل والا کہاں سے آگیا۔۔۔؟ کیا وہ خواب دیکھ رہی تھی یا ایک ناقابل یقین حقیقت سے دوچار تھی۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔"

اور اس کے آگے اس کے ذہن کی پرواز یکلخت تھم کر معلق ہو گئی۔ مکروہ شکل والے کی شعلہ بار نگاہوں میں سرخ دائرے تیزی سے حرکت کرتے ہوئے اپنا حجم بڑھانے لگے۔ ان دائروں میں ایسا سحر تھا کہ عالیہ کے حواس خمسہ پر برف سی جمنے لگی۔ اس کے سوچنے' سمجھنے اور دیکھنے کی قوتیں سلب ہو کر رہ گئیں۔ پھر ذہن پر طاری ہونے والی غنودگی نے اتنی برق رفتاری سے اسے اپنے حصار میں لیا کہ وہ آنکھ بند کر کے بستر پر ڈھلک گئی۔ پل بھر میں خیالات کے ہجوم سے یکسر بے نیاز ہو گئی۔

مکروہ شکل والا کچھ دیر تک خاموش کھڑا عالیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر اس کا اپنا وجود بھی خواب گاہ پر طاری پراسرار خاموشی میں تحلیل ہو کر کسی چھلاوے کی طرح نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔۔

○

عابد حسین نے ٹیکسی ڈرائیور کو مطلوبہ کوٹھی سے دور ہی کرایہ دے کر رخصت کر دیا پھر تھکے تھکے انداز میں اس عالیشان اور خوشنما کوٹھی کی سمت قدم اٹھانے لگے

جو قرب و جوار کی تمام کوٹھیوں سے منفرد اور پرشکوہ نظر آ رہی تھی۔

عالیہ کی شادی میں انہوں نے جس عجلت کا مظاہرہ کیا تھا وہ ایک شریف اور مفلس باپ کی مجبوری تھی جوان بیٹی کی بدنامی کے خوف اور محلے والوں کے درمیان اپنی عزت کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر انہوں نے ڈاکٹر ذیشان کے رشتے کے بارے میں بہت زیادہ چھان بین نہیں کی تھی۔ سادگی سے چند معزز پڑوسیوں کی موجودگی میں بیٹی کا بوجھ کاندھوں سے اتار کر اسے رخصت کر دیا تھا۔

ڈاکٹر ذیشان سے بھی عابد حسین کی حیثیت کا کوئی جوڑ یا مقابلہ نہیں تھا۔ عالیہ کی شادی وہ اپنے برابر والوں میں کرنا چاہتے تھے۔ ایک دو لڑکے بھی تھے ان کی نظروں میں لیکن پھر بیوی کی زبانی عالیہ اور خاور کی محبت کا راز معلوم ہو جانے کے بعد وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اگر نرگس اور سردار علی نواز جیسے ہمدرد اور قابل اعتماد لوگوں نے عالیہ اور خاور کے رشتے کی حمایت نہ کی ہوتی تو شاید وہ روز اول ہی اس رشتے سے اپنی مخالفت کا برملا اعلان کر دیتے لیکن اس کے بعد بھی جو کچھ ہوا وہ ان کی توقع کے خلاف نہیں تھا۔ انہوں نے ذاتی طور پر اکبر برلاسؔ اور خاور کے بارے میں خاموشی سے دور دور رہ کر جو چھان بین کی تھی وہ عالیہ کے حق میں جاتی تھی لیکن جو کچھ انہوں نے شبانہ بیگم کے غرور و تکبر کے بارے میں ان کے ایک گھریلو ملازم سے معلوم کیا تھا اس کا خطرہ ان کے ذہن پر برابر منڈلاتا رہتا تھا۔

باپ ہونے کے ناطے عابد حسین کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ عالیہ کسی صاحب حیثیت اور شریف گھرانے میں بہو بن کر جائے لیکن شبانہ بیگم نے اچانک سامنے آ کر جس بیہودہ انداز میں اس رشتے کو توڑنے کی خاطر زہر اگلا تھا اس کے بعد خاور کے سلسلے میں سوچنا بھی عابد حسین کیلئے ممکن نہیں تھا پھر اس خیال سے کہ کہیں بات طول پکڑ کر لوگوں کے درمیان نہ پھیل جائے انہوں نے ڈاکٹر ذیشان کے رشتے کو قبول کر لینے میں ہی سب کی عافیت سمجھی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ڈاکٹر ذیشان کے آگے پیچھے کسی خاندان کا جھگڑا نہیں تھا اس لئے شاید عالیہ بڑے سکون اور عیش کی زندگی گزار سکے گی۔

اس وقت بھی انہوں نے ڈاکٹر ذیشان کی حیثیت کے پیش نظر ہی ٹیکسی کو دور سے ہی رخصت کر دیا تھا اور اپنے خیالوں میں گم آہستہ آہستہ اپنی منزل کی جانب قدم اٹھا رہے تھے لیکن جب کوٹھی کے باہر موجود باوردی چوکیدار نے کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے انہیں سر سے پاؤں تک حیرت بھری اور تنقیدی نظروں سے دیکھا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئے۔

"کس سے ملاقات کرنا ہے آپ کو۔۔؟" چوکیدار نے کھردرے لہجے میں سوال کیا۔ وضع قطع سے وہ سرحدی علاقوں کا باشندہ لگ رہا تھا۔

"کیا یہ کوٹھی ڈاکٹر ذیشان کی نہیں ہے۔۔؟" عابد حسین نے دروازے پر لگی ڈاکٹر ذیشان کی سنہری نیم پلیٹ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے چوکیدار کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"اسی کا کوٹھی ہے۔۔" اس بار چوکیدار نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن وہ کوٹھی پر نہیں ہے۔۔ باہر گیا ہوا ہے۔ دو مہینے بعد واپس آئے گا۔"

"کیا مطلب۔۔؟" عابد حسین چونکے۔ "ڈاکٹر ذیشان کیا اچانک باہر چلے گئے۔۔؟"

"اچانک نہیں گیا میرا بھائی۔۔" چوکیدار نے اپنی زبان میں عابد حسین کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "وہ ہر سال تین چار مہینے کیلئے باہر جاتا ہے۔ اپنا بال بچوں سے ملنے کی خاطر۔۔ اس کا غیر موجودگی میں کوٹھی بالکل خالی رہتا ہے۔ صرف نوکر چاکر دیکھ بھال کرتا ہے۔"

"بال بچے۔۔" عابد حسین کے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگا۔ خود پر قابو پاتے ہوئے بولے۔ "کیا وہ شادی شدہ ہیں۔۔؟"

"سمجھا۔۔" چوکیدار نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "تم شاید پہلی بار ڈاکٹر سے ملنے آیا ہے۔ اس کا شادی کو تو زمانہ گزر گیا۔ جوان جوان بچہ لوگ ہے' ایک بیٹی بھی ہے جس کا شادی ہو چکا ہے وہ بھی باہر ہی رہتا ہے۔۔"

"ڈاکٹر ذیشان کو گئے کتنا وقت گزر چکا ہے۔۔" عابد حسین نے دھڑکتے ہوئے دل سے استفسار کیا۔

"ایک مہینے سے اوپر ہو گیا۔۔" چوکیدار نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ پھر پوچھا۔

"تم کو کوئی ضروری کام ہے؟"

"نہیں۔۔ بس' یوں ہی ملاقات کیلئے آ گیا تھا۔۔"

عابد حسین کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ وہ چوکیدار کو جواب دے کر تیزی سے قدم اٹھاتے آگے نکل گئے۔ جو معلومات چوکیدار نے فراہم کی تھیں وہ نہ صرف حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین تھیں۔ ابھی تو عالیہ کو گھر سے رخصت ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے پھر چوکیدار کا بیان کس طرح سچ تسلیم کیا جا سکتا تھا۔۔؟"

"ہو سکتا ہے میں غلطی سے کسی دوسری کوٹھی پر چلا گیا ہوں۔۔ ناموں کی مطابقت محض ایک اتفاق ہو جس نے میرے ذہن کی پرسکون سطح پر کوئی کنکری اچھال دی ہو۔ بڑے علاقوں میں راستوں اور کوٹھیوں کے نقشوں کی مطابقت بھی اچھے خاصے انسان کو گھن چکر بنا دیتی ہے۔۔ میں نے صرف ایک بار ہی تو ذیشان کی کوٹھی کو دور سے دیکھا تھا۔۔ اچھا ہی ہوا جو میں نے دور اندیشی اور ضبط سے کام لیا۔۔ اگر عالیہ اور ڈاکٹر ذیشان کی شادی کی بات زبان سے نکل جاتی تو چوکیدار مجھے کوئی پاگل یا دیوانا سمجھ کر دھتکار دیتا۔۔ لاحول ولاقوۃ۔۔"

عابد حسین خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے رہے اور قرب و جوار کے خاصے وسیع علاقے کا چکر لگاتے رہے لیکن تلاش بسیار کے باوجود وہ کوٹھی نہ ڈھونڈ سکے جس کی انہیں فکر لاحق تھی۔ جس کوٹھی پر وہ ایک بار قسمت آزما چکے تھے وہاں دوبارہ جانا بے سود تھا۔ چوکیدار نے انہیں واضح الفاظ میں بتایا تھا کہ ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں کوٹھی میں سوائے ملازموں کے کوئی اور نہیں رہتا۔۔ پیدل چلتے چلتے وہ نڈھال بھی ہو چکے تھے اس لئے بس میں بیٹھ کر واپس گھر چلے گئے۔ بیوی نے عالیہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اپنے اوپر گزرنے والی پوری افتاد سنا ڈالی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ غلطی سے کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے ہوں۔" جمیلہ خاتون نے ایک ممکنہ اندیشے کا اظہار کیا پھر بولیں۔ "عالیہ تو صبح سے آپ کی راہ دیکھ رہی ہو گی۔۔ ذیشان میاں کیا سوچ رہے ہوں گے کہ سسرال سے کوئی خبر لینے بھی نہیں آیا۔۔"

"غلطی کا احتمال ہو بھی سکتا ہے۔" عابد حسین نے کہا۔ "میں نے صرف ایک بار ذیشان کی کوٹھی دور سے دیکھی تھی لیکن اب اتنا کند ذہن بھی نہیں ہوں کہ اتنی جلدی اسے بھول جاؤں۔"

"پھر۔۔ اب کیا ارادہ ہے؟" جمیلہ خاتون نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔ یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے سے تو کچھ نہیں ہو گا۔ باہر نکل کر لوگوں سے معلوم کیجئے ہو سکتا ہے ذیشان کے مطب سے ان کے گھر کا پتہ معلوم ہو جائے۔۔۔"

"اچھا یاد دلایا آپ نے۔ یہ بات تو میرے ذہن سے ہی نکل گئی تھی۔۔۔"

عابد حسین دوبارہ گھر سے نکلے تو جمیلہ خاتون نے پھر اس کمرے کی جھاڑ پونچھ شروع کر دی جہاں انہوں نے بیٹی اور داماد کیلئے ناشتے کا اہتمام کیا تھا۔ وقت جیسے جیسے گزرتا جا رہا تھا جمیلہ خاتون کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ عابد حسین کو گھر سے نکلے ایک گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا۔ جمیلہ خاتون دروازے پر آ گئیں۔ انہیں رہ رہ کر عالیہ اور ذیشان کا خیال آ رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ دروازے پر کھڑی باہر گلی میں ادھر ادھر دیکھتی رہیں پھر خاموشی سے اندر آ گئیں۔ انہیں حیرت تھی کہ آخر عابد حسین کو بیٹی کے سسرال کا پتہ کیوں کر یاد نہ رہ سکا۔ عالیہ کی یاد بھی ان کی ممتا کو بے چین کر رہی تھی۔

تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے بعد عابد حسین دوبارہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر نہ جانے کیوں جمیلہ خاتون کا دل بیٹھنے لگا۔ عابد حسین کے چہرے پر گہری فکر اور الجھن کے ملے جلے تاثرات موجود تھے۔ اس طرح نڈھال نڈھال سے نظر آ رہے تھے جیسے کوئی موذی مرض لاحق ہو گیا ہو۔"

"کیا ہوا۔۔؟" جمیلہ خاتون نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "کوئی اتا پتہ چلا۔۔"

"ہاں۔۔" عابد حسین نے برانڈے میں رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے مضمحل آواز میں جواب دیا۔ "ہماری گلی میں تو کیا ہمارے پورے علاقے میں ڈاکٹر ذیشان کے نام سے کوئی کلینک کبھی قائم نہیں ہوا۔۔۔"

"یہ۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔؟" جمیلہ خاتون کی الٹی آنکھ پھڑپھڑانے لگی۔ "خود آپ ہی نے تو مجھے بتایا تھا کہ۔۔۔"

"میں نے پہلے بھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا اور اس وقت بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ عابد حسین نے ہونٹ کاٹتے ہوئے عجیب انداز میں جواب دیا۔ "جس آسیب زدہ مکان میں ڈاکٹر ذیشان کے کلینک کو میں نے عالیہ کی شادی سے ایک ہفتے پہلے تک خود اپنی نظروں سے دیکھا تھا اس وقت اسی مکان کو سابقہ انداز میں ویران اور اجڑا دیکھ کر آ رہا ہوں۔ دروازے اور کھڑکیاں جن پر میں نے رنگ و روغن دیکھا تھا اب پھر ٹوٹی پھوٹی اور گرد آلود نظر آ رہی ہیں۔ جیسے برسوں سے کسی نے ان پر کوئی توجہ نہ دی ہو۔ ایک محلّہ دار سے دبی زبان میں کلینک کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے یوں حیرت سے گھورنے لگا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔"

"آپ۔۔ آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟" جمیلہ خاتون نے شوہر کی باتیں سنیں تو سر پکڑ کر انہیں کے قریب زمین پر بیٹھ گئیں۔ بڑی دل شکستہ اور نڈھال آواز میں بولیں۔ "کہیں آپ مذاق تو نہیں کر رہے۔۔؟"

"مذاق تو قسمت نے شاید ہمارے ساتھ کیا ہے۔" عابد حسین کی آواز کانپنے لگی۔ "ہمیں صبر سے کام لینا ہو گا۔ حوصلے اور ہمت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ ورنہ رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔"

"خدا کے لئے پہیلیاں نہ بجھوایئے۔۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہہ ڈالئے ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔" جمیلہ خاتون نے رو دینے والے انداز میں شوہر سے درخواست کی۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ہمارے ساتھ کوئی خوفناک دھوکہ ہوا ہے۔" عابد حسین مردہ سی آواز میں بولے۔ "تقدیر نے کسی ایسے چکر میں الجھا دیا ہے کہ میری عقل بھی کام نہیں کر رہی۔"

"اگر وہ ڈاکٹر ذیشان نہیں تھا تو پھر کون تھا۔۔؟" جمیلہ خاتون نے دیوانوں کی طرح بال نوچتے ہوئے وحشت زدہ انداز میں پوچھا۔ "کیا وہ کوئی آسیب تھا جو میری پھول

جیسی بچی کو بیاہ کر لے گیا۔۔؟"

"خدا کے لئے بیگم صبر سے کام لیں۔ ہمارے اوپر آزمائش کی جو مشکل گھڑی آ پڑی ہے اس کی بھنک بھی کسی کو۔۔"

"ہائے میری بچی۔۔ میری عالیہ۔۔۔"

جمیلہ خاتون نے سینے پر دو ہتھڑ مار کر' پچھاڑ کھائی شروع کر دی۔ عابد حسین نے جلدی سے اٹھ کر بیوی کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ماں کی ممتا اس وقت تک کرب و اذیت سے دو چار رہی جب تک بیہوشی نہیں طاری ہو گئی۔۔ خود عابد حسین کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان غیر یقینی باتوں پر کس طرح یقین کر لیں جنھوں نے دماغ کی چولیں تک ہلا کر رکھ دیں تھیں۔۔



عالیہ کے ذہن پر طاری غنودگی کا گہرا خمار آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا۔ گزری ہوئی رات کی باتیں بتدریج اپنا دامن پھیلا رہی تھیں۔ زیشان نے حجلہ عروسی میں آنے کے بعد اس سے بہت پیار اور محبت سے باتیں کی تھیں۔ ان کی گفتگو بھی ان ہی کی طرح حسین اور خوبصورت تھی۔ وہ پہلی رات کی دلہن کی طرح لجا لجا کر زیشان کی چھیڑ چھاڑ کا جواب دے رہی تھی۔ زیشان اسے اپنی محبت اور چاہت کا یقین دلا رہے تھے۔ عالیہ اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھی۔

خواب گاہ کی شان و شوکت کا اندازہ لگانے کے بعد اسے احساس ہو گیا تھا کہ زیشان نے اس کی پذیرائی کیلئے دل کھول کر دولت لٹائی ہے۔ اس کے استقبال میں مہمانوں کی شمولیت کا دخل نہیں تھا لیکن جس بے زبان اور خاموش نوادرات' قیمتی سازو سامان' مہکتے ہوئے گلدانوں اور نظروں میں چکا چوند پیدا کرنے والے بیش بہا سازو سامان نے زبان خاموش سے زندگی کی ایک نئی منزل پر اسے خوش آمدید کہا تھا وہ بھی اس کے لئے کسی خواب سے کم نہیں تھا۔

عالیہ کو جو خوف لاحق تھا وہ زیشان کے دل لبھا لینے والی باتوں سے یکسر دور ہو گیا۔ عالیہ کو علم تھا کہ وہ شبانہ بیگم کی جلی کٹی اور نازیبا باتیں سن چکا تھا لیکن اسے

خوش تھی کہ زیشان نے ان ناگفتہ بہ باتوں کو دہرا کر عالیہ کو شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس وہ اپنے عشق کا برملا اظہار کرتا رہا۔ اس نے عالیہ سے کہا تھا کہ وہ اسے اس وقت سے چاہتا ہے جب عالیہ نے جوانی کی سرحد پر پہلا قدم رکھا تھا۔ وہ اس بات کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی لیکن ان دل موہ لینے والے جملوں کو سن کر وہ خوشی سے پھولی نہیں سمائی تھی۔ اسے تعجب ضرور ہوا تھا کہ آخر زیشان نے اسے کب' کہاں اور کس طرح دیکھا تھا؟ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ کوئی اسے ایک مدت سے چاہتا رہا' اس کو پا لینے کی تمنا میں کسی بھنورے کی مانند اس کے اردگرد منڈلاتا رہا لیکن عالیہ کو اس کی کان و کان خبر تک نہ ہوئی۔

زیشان کی باتیں اس کے دل کی گہرائی میں اترتی رہیں۔ خاصی دیر تک وہ نرگس کے مشورے کے پیش نظر ہونٹوں پر مسکان سجائے شرماتی رہی۔ اپنی طرف سے اس نے کسی خوشی یا نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ دل پر جبر کئے ان نادیدہ جذبوں پر قابو پاتی رہی جو اس کے معصوم وجود میں طوفان بن کر سر ابھارنے لگے تھے لیکن زیشان کسی ماہر شکاری کی طرح آہستہ آہستہ اس کے گرد اپنی خوبصورت باتوں کا حسین جال بنتا رہا پھر اس نے پیش قدمی کی تو عالیہ پوری طرح اس کی بانہوں میں سمٹ کر رہ گئی۔ جذبات کی تیز و تند لہریں اسے کسی تنکے کی مانند اپنے تیز بہاؤ میں ہچکولے دیتی رہیں پھر۔۔ "اس کے بعد کیا ہوا تھا۔۔؟" عالیہ نے کئی بار اپنے ذہن کو کریدنے کی کوشش کی لیکن ہر بار تاریکی کی چادر اس کی نگاہوں کے سامنے پھیل جاتی۔ وہ اس اندھیرے کی دوسری طرف دیکھنے سے قاصر رہی۔

سہاگ رات کب گزر گئی۔۔؟ ارمانوں میں اٹھنے والا طوفان کب تھما۔۔؟ زیشان کب اس کے پاس سے اٹھ گیا۔۔؟ عالیہ کو کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔۔ شاید گزری ہوئی رات کی ہنگامہ خیزی اتنی مسرت انگیز اور سحر آگیں تھی کہ وہ اس کی خوابناک گہرائیوں میں ڈوب کر سب کچھ فراموش کر بیٹھی تھی۔ صرف زیشان کی خوبصورت باتیں اور محبت سے دل موہ لینے جملے تھے جو بار بار اس کے ذہن میں گونج اٹھتے تھے۔۔

عالیہ بڑی دیر تک نیم غنودگی کی کیفیتوں سے دو چار اپنے ذہن کو ٹٹولتی رہی پھر اسے یکلخت خیال آیا کہ اس نے خواب گاہ کے داخلی دروازے پر خاور کی تصویر دیکھی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ سہم گئی تھی لیکن بعد میں ذیشان کے کہنے پر اس نے دوبارہ اس فریم کو دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی وہ تصویر خاور کی نہیں ذیشان کی تھی جسے دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

فریم کا پُراسرار راز جاننے کی خاطر عالیہ نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ اب وہ پوری طرح ہوش و حواس میں ذیشان کی فریم شدہ تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ ذیشان کا ایک جملہ عالیہ کے ذہن میں ابھرا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ تصویر اس کو باتیں کرتی محسوس ہو گی۔ ذیشان نے غلط نہیں کہا تھا۔۔۔ اس کی تصویر اس وقت بھی بے جان ہونے کے باوجود عالیہ کو سرگوشیاں کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ تصویر میں نظر آنے والی خوبصورت بادامی آنکھیں عالیہ کے سراپا پر مرکوز تھیں۔ ہونٹوں پر ایک دل آویز فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ عالیہ تصویر کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ ذیشان کی آنکھیں اسے اپنے دل کی گہرائیوں میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں ساحرانہ کشش تھی۔

"صبح بخیر جان من۔۔۔"

عالیہ کے کانوں میں ذیشان کی مانوس آواز گونجی تو وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ تصویر سے نظریں ہٹا کر اس نے دوسری سمت دیکھا تو ایک کمسن اور نوخیز لڑکی خوبصورت لباس میں ملبوس ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ اس لڑکی کو دیکھ کر عالیہ چونکی وہ کب خواب گاہ میں داخل ہوئی تھی۔ عالیہ کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوئی تھی۔ پھر عالیہ کو اپنے لباس کا خیال آیا تو اس نے ہڑبڑا کر اپنے جسم پر نظر ڈالی اور ششدر رہ گئی۔ اس وقت اس کے جسم پر گلابی رنگ کا لباس موجود تھا۔ اس نے وہ لباس کب پہنا۔۔۔؟ کب وہ بیدار ہوئی کب لباس تبدیل کیا۔۔۔؟ اسے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔۔۔ ابھی وہ ان سوالوں سے الجھ رہی تھی کہ اسے یکلخت احساس ہوا کہ وہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں نہیں بلکہ خوبصورتی سے آراستہ کئے گئے کسی دوسرے کمرے میں

ہے۔ اس نے تیزی سے نظریں گھما کر قرب و جوار کا جائزہ لیا اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ رات جس کمرے میں وہ سوئی تھی یہ وہ کمرہ نہیں تھا۔۔۔ کمرے کا سازو سامان' فرنیچر' تزئین اور آرائش سب کچھ ہی مختلف نظر آ رہا تھا البتہ ذیشان کی تصویر وہی تھی جسے وہ گزشتہ رات دیکھ چکی تھی۔

ایک لمحے تک وہ اس دیوان نما بیڈ پر نیم دراز ماحول کا جائزہ لیتی رہی جو اس مسہری سے قطعی مختلف تھا جس پر اس نے سہاگ رات منائی تھی۔ اس کے لباس کی مناسبت سے فرش پر بچھا قیمتی قالین بھی گلابی رنگ کا تھا۔ کمرے کے کھڑکی اور دروازوں پر میچنگ کلر کے پردے نظر آ رہے تھے۔ صوفوں اور فرنیچر کی آرائش بھی مختلف تھی۔

عالیہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی طلسم کدے میں آ گئی ہو۔ اس کی نگاہوں کے زاویئے بدلتے رہے۔ لباس کے ساتھ ہی اسے اپنا جسم بھی بے حد ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نیم گرم پانی سے بہت دیر تک نہاتی رہی ہو۔ اس کے بال بھی نہایت نفاست سے برش کئے گئے تھے۔ اس کے جسم سے بھینی بھینی مسحور کن خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ یہ سب کس طرح ممکن ہوا۔۔۔؟ اسے مطلق کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

"کہیں میں کوئی حسین خواب تو نہیں دیکھ رہی۔۔۔؟" عالیہ نے سوچا پھر اس نے نظریں گھما کر دوبارہ اس حسین اور کمسن لڑکی کی سمت دیکھا جو کسی نو شگفتہ کلی کے مانند ہاتھ باندھے اور سر جھکائے کھڑی تھی۔

"تم۔۔۔"

"کنیز کو سنبل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔" کمسن لڑکی نے جلدی سے لب کشائی کی۔ "مجھے آقا نے بطور خاص آپ کی خدمت پر مامور کیا ہے۔"

"تمہارے علاوہ یہاں اور کتنی کنیزیں اور ملازم ہیں۔۔۔؟" عالیہ نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔" وہ سمجھ گئی کہ آقا کا لفظ ذیشان کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔ اسے وہ لفظ بہت خوبصورت مگر غیر مانوس اور عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے تعداد کا اندازہ نہیں—" سنبل نے سنجیدگی سے جواب دیا لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ آقا نے آپ کی ہر ضرورت کیلئے پورا پورا اہتمام کیا ہے— آپ جس خواہش کا اظہار کریں گی اس کی تعمیل فی الفور کی جائے گی۔"

"تم یہاں کب سے ملازم ہو—؟"

"میں نے اسی کوٹھی میں آنکھ کھولی تھی۔" سنبل نے ادب سے کہا۔ "میری ماں کو اب کوٹھی کے بیرونی حصوں کی خدمات سونپ دی گئی ہیں۔"

"صبح مجھے کس نے بیدار کیا تھا—؟" عالیہ نے ان کڑیوں کو ملانے کی خاطر دریافت کیا جو اس کے ذہن میں الجھن پیدا کر رہی تھیں۔

"مجھے اس کا علم نہیں—" اس بار سنبل نے نظریں نیچی کر کے جواب دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے غیر ضروری طور پر تفصیلی گفتگو کی اجازت نہیں تھی۔

"کیا خواب گاہ کی خدمت پر کوئی اور کنیز مامور ہے—؟"

"جی ہاں— لیکن—" سنبل کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

"تم خاموش کیوں ہو گئیں—؟" عالیہ نے اسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔ "میں نے تم سے کچھ دریافت کیا تھا؟"

"میرے علاوہ یہاں جتنی کنیزیں ہیں وہ سب گونگی ہیں— وہ آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکیں گی لیکن آپ انہیں جو حکم دیں گی وہ اسے پورا کرنے میں کسی غفلت یا کوتاہی کا ثبوت نہیں دیں گی—"

عالیہ کو جواب سن کر حیرت ہوئی لیکن اس نے اظہار نہیں کیا۔ سنبل کو غور سے گھورتے ہوئے بولی۔

"تم پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہو—؟"

"جی نہیں— میں نے کبھی کسی اسکول کی شکل نہیں دیکھی۔"

"لیکن تمہارا گفتگو کرنے کا انداز تو بڑا مہذب اور لائق تحسین ہے—" عالیہ نے اسے آزمانے کی خاطر مشکل الفاظ استعمال کیے۔

"شکریہ—" سنبل نے مختصراً کہا۔ اس کے چہرے سے کسی قسم کے جذبات کا

اظہار نہیں ہوا تھا۔

"اس کنیز کو بلاؤ جس نے صبح مجھے بیدار کیا تھا—" عالیہ نے تحکمانہ انداز اختیار کیا تو سنبل نے آہستہ سے مودب انداز میں سر خم کیا پھر جلدی سے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

عالیہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی— اسے ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں کچھ باتیں الجھ کر رہ گئی ہیں— زیشان سے محبت بھری باتیں اسے یاد تھیں۔ خاور اور زیشان کی تصویر کا معمہ بھی اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ گھر سے رخصت ہوتے وقت ماں نے جو نصیحتیں کی تھیں اور نرگس نے جو قیمتی مشورے دیئے تھے وہ بھی لفظ بہ لفظ اس کو یاد تھے۔ سہاگ رات کے مفہوم کی تکمیل کے مختلف مراحل بھی ایک ایک کر کے اسے یاد آ رہے تھے لیکن ایک طویل درمیانی وقفہ کہیں گھپ اندھیروں میں گم ہو کر رہ گیا تھا— وہ اس خلاء کو پر کرنے کی خاطر مضطرب تھی' بار بار ذہن کے کونوں کھدروں کو ٹٹول رہی تھی۔

وہ کب سوئی تھی؟— زیشان کب خوابگاہ سے رخصت ہوئے تھے—؟ صبح وہ خود بیدار ہوئی تھی یا اسے بیدار کیا گیا تھا—؟ اس نے کب غسل کیا تھا—؟ کب لباس تبدیل کر کے زلفوں کو سنوارا تھا—؟ کب خوابگاہ سے نکل کر دوسرے کمرے میں آئی تھی؟ اور دوبارہ غنودگی کی کیفیت سے ہمکنار ہوئی تھی—؟ یہ وہ درمیانی وقفہ تھا جو اس کی یادداشت سے گم ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی وقفے سے متعلق ان گنت سوالات ابھر کر اس کے ذہن میں خلط ملط ہو رہے تھے— وہ جس قدر بکھری ہوئی کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرتی اتنا ہی وہ الجھتی جا رہی تھی—

قدموں کی آہٹ سن کر اس نے اپنا رخ بدلا تو سنبل ایک عورت کے ساتھ دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ وہ عورت سنبل کے مقابلے میں زیادہ عمر کی تھی لیکن نہایت خوبصورت اور خوش لباس نظر آ رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے—؟" عالیہ نے نووارد عورت سے سوال کیا۔

"اس کا نام طاہرہ ہے—؟" عورت کے بجائے سنبل نے جواب دیا۔ "میں نے

آپ کو بتایا تھا کہ میرے علاوہ یہاں سب خدمت کرنے والی کنیزیں گونگی ہیں۔"

عورت نے جس کا نام طاہرہ بتایا گیا تھا سر کی جنبش سے سنبل کے بیان کی تائید کی۔

"کیا تم اس کے ساتھ اشاروں میں بات کرتی ہو۔۔؟" عالیہ نے سنبل سے دریافت کیا۔

"میری باتوں کے جواب میں یہ جو اشاروں کی زبان استعمال کرتی ہے وہ میں سمجھ لیتی ہوں۔" سنبل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کا چہرہ بدستور کسی اندرونی جذبات و احساسات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

"صبح مجھے کس نے بیدار کیا تھا۔۔؟" عالیہ نے طاہرہ کو مخاطب کیا۔

جواب میں طاہرہ نے گونگوں جیسے انداز میں جو آوازیں منہ سے نکالیں اور ہاتھ سے جو اشارے کیے وہ عالیہ کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ اس کے استفسار پر سنبل طاہرہ کے اشاروں کی ترجمانی کرتی رہی۔

"آپ کو طاہرہ نے بیدار کیا تھا۔۔" سنبل نے کہا۔ "آپ نے غسل خود کیا تھا' لباس کا انتخاب بھی آپ نے الماری میں ٹنگے ہوئے کپڑوں سے خود کیا تھا۔۔ خوشبو بھی آپ نے اپنی پسند کی استعمال کی ہے۔۔ آپ کی زلفیں طاہرہ نے سنواری تھیں۔ اس کے بعد آپ اپنے قدموں سے چل کر اس کمرے میں آئی تھیں جہاں میں آپ کی خدمت پر مامور تھی۔۔"

"تم اب جا سکتی ہو۔۔" عالیہ نے طاہرہ سے کہا پھر اس کے جانے کے بعد سنبل سے پوچھا۔

"زیشان کہاں ہیں۔۔؟"

"آقا باہر گئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے دیر سے واپس لوٹیں۔۔" سنبل نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کا ناشتہ تیار ہے۔۔"

"کیا مطلب۔۔؟" عالیہ نے تعجب کا اظہار کیا۔ "کیا زیشان ناشتہ کر چکے ہیں؟"

"جی ہاں۔۔ انہیں علی الصباح کسی ضروری کام سے جانا تھا۔۔"

"واپسی کب ہو گی۔۔؟"

"آقا کی مرضی پر منحصر ہے۔۔" اس بار سنبل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

عالیہ نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ اسے زیشان کی غیر موجودگی پر بھی حیرت ہی ہوئی۔ آج پہلا دن تھا اور زیشان ناشتے سے غیر حاضر تھا۔ رات اس نے کسی ضروری کام کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ عالیہ کو اس بات پر بھی تعجب ہو رہا تھا کہ اس کی خدمت کیلئے زیشان نے صرف ایک کے علاوہ تمام گونگی ملازماؤں کا ہی انتخاب کیوں کیا تھا؟ سنبل جیسی کمسن اور حسین کنیز کو دوسروں کا ترجمان بنانے میں کیا مصلحت تھی۔۔؟ کیا زیشان کی زندگی میں کوئی ایسا راز تھا جسے پوشیدہ رکھنے کی خاطر گونگی خادماؤں کو منتخب کیا گیا تھا۔۔؟ اور اگر ایسا ہی تھا تو زیشان نے سنبل کو کس بھروسے پر قابل اعتماد سمجھ لیا تھا۔۔؟ کیا سنبل کی حیثیت واقعی ایک کنیز جیسی تھی یا اس کی ذات سے بھی کوئی پراسرار کہانی وابستہ تھی۔۔؟"

عالیہ نے نظریں اٹھا کر سنبل کو بہت غور سے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس بات کی تصدیق کرنا چاہتی ہو کہ سنبل نے طاہرہ کو بلانے کے بعد اس کے اشارے کنایوں سے عالیہ کے ذہن سے گمشدہ وقفے کی جو کہانی ترتیب دی تھی وہ کتنے فیصد صداقت پر مبنی تھی۔۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔۔" سنبل نے عالیہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر بڑے ادب سے دریافت کیا۔

"ہاں۔۔" عالیہ نے تیکھے انداز میں جواب دیا۔ "فی الحال میں تنہائی چاہتی ہوں۔ تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ طلب کر لوں گی۔۔"

جواب میں سنبل نے ایک بار پھر سر کو تھوڑا سا خم کیا اور پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"زیشان۔۔" سنبل کے جانے کے بعد عالیہ نے زیشان کی تصویر کی جانب دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "تمہیں میں کیا سمجھوں۔۔؟"

"اپنا پرستار۔۔ اس کے علاوہ زیادہ چھان بین یا کریدنے کی حماقت کی تو بڑے

خسارے میں رہو گی۔۔۔"

زیشان کی آواز بہت واضح طور پر عالیہ کی قوت سماعت سے ٹکرائی تو وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ اس نے تیزی سے گھوم پھر کر اطراف کا جائزہ لیا لیکن کمرے میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ زیشان کا وہ جملہ سرگوشی بن کر عالیہ کے کانوں میں گونجا تھا۔ وہ اس سرگوشی کو اپنا وہم نہیں قرار دے سکتی تھی۔۔۔ پھر حقیقت کیا تھی۔۔۔؟ عالیہ نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے سوچا پھر زیشان کی تصویر کو دوبارہ پوری توجہ سے دیکھنے لگی۔ اسے ایک بار پھر اپنا ذہن چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔

○

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جمشید اپنے آفس میں بیٹھا نہایت توجہ سے خاور کی ایک ایک بات کو ذہن نشین کر رہا تھا۔ جو کہانی خاور اسے سنا رہا تھا وہ نہ صرف دلچسپ تھی بلکہ بجد پراسرار بھی تھی۔ جمشید کو اپنی پولیس کی ملازمت کے دوران پہلی بار کسی ایسی روداد سے پالا پڑا تھا جس پر یقین کر لینا اس کے نزدیک وقت کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں تھا لیکن اس نے ابھی تک اپنے چہرے سے کسی ایسے تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا جس سے یہ اندازہ ہو سکتا کہ وہ سنجیدہ نہیں ہے۔ اسے خاور کی باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ اس لئے کہ وہ خاور کے قریبی دوستوں میں سے تھا اور اس لئے بھی کہ اس کی منگیتر نرگس نے بھی فون کر کے پرزور الفاظ میں اس معمہ کو حل کرنے کی سفارش کی تھی اور کھلے لفظوں میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اس معاملے کو حل نہ کر سکا تو اسے مجبوراً" جمشید کی صلاحیتوں پر اپنی سابقہ رائے تبدیل کرنی پڑے گی۔ گویا اس پراسرار معمے کو حل کرنا جمشید کیلئے ایک چیلنج بن گیا تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں نہ تو شادی سے قبل نرگس کے سامنے اپنی سبکی برداشت کر سکتا تھا اور نہ ہی خاور کو مایوس کر سکتا تھا۔

کسی بھی کیس کے سلسلے میں ایک دیانتدار اور ذہین پولیس آفیسر کے کیا فرائض ہوتے ہیں یہ بات جمشید کو بخوبی معلوم تھی۔ وہ اگر ذہین نہ ہوتا تو مقابلے کا امتحان پاس کر کے اتنی اہم پوسٹ پر فائز نہ ہوتا۔ یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی کہ اب تک جتنے کیس اسے سونپے گئے تھے ان میں بیشتر کے مجرمان کو یا تو کیفر کردار تک پہنچایا جا چکا تھا یا ان کے مقدمے عدالتوں میں زیر سماعت تھے لیکن ابھی تک کسی کیس میں بھی اس کا واسطہ ایسے ناقابل یقین واقعات سے نہیں پڑا تھا جو وہ خاور کی زبان سے سن

رہا تھا۔ البتہ اس موضوع پر وہ متعدد کہانیاں ضرور پڑھ چکا تھا۔

جمشید کے لئے نرگس کا چیلنج اس لئے بھی بہت اہم تھا کہ وہ اس کی منگیتر ہونے کے علاوہ فرسٹ کزن بھی تھی۔ وہ خاندان میں اپنی ناک نیچی ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خاور کی دوستی کے حوالے سے بھی اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اس بات کی اہمیت یوں بڑھ گئی تھی کہ خاور عالیہ کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے مصمم ارادے کے باوجود مایوسی کا شکار ہو گیا تھا۔ شبانہ بیگم نے درمیان میں آ کر جس انداز میں عالیہ کی کردار کشی کی تھی اس نے سارا کھیل بگاڑ دیا تھا۔ عالیہ کسی اور سے بیاہ دی گئی تھی مگر خاور اس کی محبت کے تناور درخت کو اپنے دل کی گہرائیوں سے نہیں اکھاڑ سکا اور اب بھی وہ عالیہ کو ہر قیمت پر اس مشکل سے چھٹکارا دلانا چاہتا تھا جس میں بری طرح وہ پھنس چکی تھی۔

جمشید نے خاور اور نرگس دونوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ عالیہ کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا لیکن ذاتی طور پر اسے ایک پریشانی یہ بھی لاحق تھی کہ وہ خاور کے گھر بھی آتا جاتا تھا۔ اس پریشانی کا سب سے اہم پہلو شبانہ بیگم کی شخصیت تھی۔ اکبر برلاس ہر اعتبار سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے لیکن شبانہ بیگم ناک پر مکھی بھی برداشت کرنے کے خلاف تھیں۔ ان ہی کی وجہ سے خاور کو عالیہ کی محبت سے ہاتھ دھونا پڑا تھا اور ان ہی کا خیال جمشید کو بھی لاحق تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر یہ بات شبانہ بیگم کے علم میں آ گئی کہ جمشید کسی صورت میں بھی عالیہ کے معاملے میں خاور کی مدد کر رہا ہے تو وہ اسے بھی نہ صرف آڑے ہاتھوں لیں گی بلکہ اس کے خلاف اوپر تک بھی اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گی۔

غرضیکہ خاور جو پراسرار واقعات بیان کر رہا تھا' اس کے علاوہ بھی جمشید کو بہت ساری دوسری باتوں کا خیال بھی مضطرب کر رہا تھا لیکن یہ فیصلہ اس نے بہرحال کر لیا تھا کہ وہ قانون کے دائرے میں رہ کر کسی بھی ایسے اقدام سے گریز نہیں کرے گا جو خاور کی دل شکنی کا سبب بن سکے۔ نرگس کی سفارش بھی اس کے پیش نظر تھی۔

جمشید نے خاور کے آتے ہی اپنے اردلی کو بلا کر سختی سے تاکید کر دی تھی کہ کسی

کو بلااجازت اندر نہ آنے دیا جائے۔ خاور جتنی دیر حالات کی پوری تفصیل بیان کرتا' چائے کا دور بھی چلتا رہا۔ جمشید کو ایک دو بار ڈائریکٹ نمبر والا فون بھی اٹینڈ کرنا پڑا مگر کسی موقع پر اس نے خاور کی باتوں میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ عالیہ کی کہانی پراسرار ہونے کے باوجود اتنی دلچسپ اور حیرت انگیز تھی کہ جمشید اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی ذہن نشین کرتا رہا۔ خاور نے عالیہ کے سلسلے میں اپنی بات مکمل کی تو جمشید نے پہلو بدل کر نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم کچھ دیر کے لیے میری کرسی پر بیٹھنا پسند کرو گے؟"

"میں سمجھا نہیں۔" خاور نے حیرت کا اظہار کیا۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"جو واقعات تم نے بیان کیے ہیں' وہ یقیناً معتبر ذرائع سے تم تک پہنچے ہوں گے۔" جمشید نے گفتگو جاری رکھی "ایک دو معاملات میں تم بذات خود گواہ اور عینی شاہد بھی ہو لیکن کیا میری کرسی پر بیٹھ کر ایک پولیس آفیسر کی حیثیت میں تم ان باتوں پر یقین کر سکو گے جو خاص طور پر ڈاکٹر ذیشان کے کردار کے گرد گھومتی ہیں؟"

"میں تمہارا مقصد سمجھ رہا ہوں لیکن میں نے جو کچھ بیان کیا ہے' اس کا ایک ایک لفظ درست ہے۔" خاور نے کہا "عالیہ نے شادی سے قبل جو پریشان کن خواب دیکھے تھے' وہ ان کا تذکرہ نرگس سے کر چکی تھی۔ اس کے بعد میں نے خود ڈاکٹر ذیشان سے ملاقات کی جس کی تفصیل تمہیں بتا چکا ہوں۔ مجھے وہ بوڑھا شاعر بھی اب کوئی آسیب ہی معلوم ہوتا ہے جس نے مجھے زبان بند رکھنے اور دوبارہ ڈاکٹر کے پراسرار کلینک کے سلسلے میں کھوج نہ لگانے کا مشورہ دھمکی کے انداز میں دیا تھا۔"

"ون منٹ۔" جمشید نے تیزی سے کہا "میں بھی تمہیں اسی آسیب والے پوائنٹ کی طرف لانا چاہ رہا تھا..... اس سائنسی دور میں اول تو بھوت پریت کا تصور ایک بے معنی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ پرانے لوگوں کی یہ گھسی پٹی باتیں پراسرار قصے کہانیوں تک ضرور اچھی لگتی ہیں لیکن حقیقت سے ان کا دور بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"پھر تم ڈاکٹر ذیشان کے سلسلے میں کیا جواز پیش کرو گے؟" خاور نے بات آگے بڑھائی۔ "عابد انکل کے بیان کے مطابق وہ متعدد بار اس کوٹھی کی تلاش میں چکر لگا

aazzamm@yahoo.com

چکے ہیں جو ڈاکٹر ذیشان نے ان کو دکھائی تھی۔ لطف یہ ہے کہ اس کوٹھی میں ڈاکٹر ذیشان نام کا ہی ایک شخص رہتا بھی ہے لیکن وہ ہمارا مطلوبہ شخص نہیں ہے....."

"کیا تمہیں یقین ہے کہ عابد حسین صاحب نے خود اپنی آنکھوں سے ڈاکٹر کے کلینک کو اپنے علاقے میں دیکھا تھا؟"

"میں تمہارے سوال کا مقصد نہیں سمجھا۔" خاور نے جواب دیا "عابد انکل تو خیر اسی علاقے میں رہتے ہیں لیکن میں نے تمہیں بتایا ہے کہ خود میں بھی ڈاکٹر سے ملاقات کرنے کی خاطر....."

"مجھے تمہاری بات یاد ہے۔" جمشید نے تیزی سے کہا "تمہاری تمام باتیں بھی دھیان سے سنتا رہا ہوں۔"

"پھر..... تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"صرف اتنی سی بات کہ کیا تمہارے اور عابد حسین کے علاوہ بھی کسی نے ڈاکٹر ذیشان کے اس کلینک کو دیکھا ہے جو بقول تمہارے ایک غیر آباد' ویران' ٹوٹے پھوٹے اور آسیب زدہ مکان میں واقع تھا.....اور اب وہ مکان دوبارہ پرانی حالت میں موجود ہے۔"

"میں اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" خاور نے دبی زبان میں کہا۔

"عالیہ کی شادی کو تمہارے بیان کے مطابق ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور رخصتی کے بعد سے ابھی تک اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ بھی کسی کو نہیں معلوم۔" جمشید نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے سوال کیا "کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ عابد حسین نے اس ضمن میں کسی تھانے میں رپورٹ درج کرائی ہے یا....."

"وہ اپنی بدنامی سے خوفزدہ ہیں۔" خاور نے کہا "عالیہ کی ماں نفسیاتی ہسپتال میں زیرعلاج ہیں۔ اس صدمے نے بھی عابد انکل کی کمر توڑ رکھی ہے۔ عالیہ ہی کی وجہ سے انہیں اپنا پرانا کوارٹر بھی چھوڑنا پڑا تاکہ وہ پڑوسیوں کے فضول اور بے ہودہ سوالات سے بچ سکیں۔ اس کے علاوہ اب ان کے پاس اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی تحریری طور پر باقی نہیں رہا کہ عالیہ کی شادی باقاعدہ طور پر ہو چکی ہے.....وہ جس

پریشانی میں الجھ گئے ہیں' اس کا اندازہ کوئی دوسرا نہیں لگا سکتا۔"

"میں عابد حسین کی مجبوری اور پریشانی سمجھ سکتا ہوں لیکن تم نے مجھے عالیہ کی گمشدگی سے ایک مہینے تک بے خبر کیوں رکھا؟"

"مجھے بھی اس کا علم چار چھ روز پہلے ہی نرگس کے ذریعے ہوا تھا۔" خاور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "میں بڑی مشکلوں سے عابد انکل سے ملا تھا اور اب ان کی اجازت مل جانے کے بعد ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی ہے کہ عالیہ کے سلسلے میں کسی بات کی تشہیر نہ ہونے پائے ورنہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔"

"عالیہ کے بارے میں ان کی ذاتی رائے کیا ہے؟" جمشید نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "کیا ان کا خیال ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہوگی یا ڈاکٹر ذیشان کے آسیب نے....."

"پلیز جمشید....." خاور نے الجھتے ہوئے کہا "اس قسم کی باتوں سے مجھے پریشان کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"اچھا..... چلو یہی بتا دو کہ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ عالیہ زندہ ہوگی۔" خاور نے جذباتی انداز میں جواب دیا "اگر ڈاکٹر ذیشان کے آسیب کو محض اسے مارنا مقصود ہوتا تو وہ اس سے شادی کا ڈھونگ بھی نہ رچاتا....."

"اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ایک کام کی بات کی ہے۔" جمشید نے طویل سانس لے کر سنجیدگی سے کہا پھر تھوڑے توقف سے بولا "نرگس کی پرزور سفارش اور تمہاری دوستی کی خاطر اب مجھے کچھ نہ کچھ کارنامہ انجام دینا پڑے گا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اپنی تفتیش کا آغاز کروں' تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"وہ کیا؟"

"تم اپنی والدہ سے اس بات کو قطعی طور پر پوشیدہ رکھو گے کہ میں عالیہ کے سلسلے میں کوئی دلچسپی لے رہا ہوں۔"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ماں کے ذکر پر اس کے دل کا درد آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ اس لیے جمشید نے جلدی سے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایک اور بات سمجھ لو...... پولیس آفیسر کو بھی کبھی کبھی حالات کے پیش نظر کسی ماہر سرجن کی طرح چیر پھاڑ کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے تمہیں اپنی عالیہ کے سلسلے میں برداشت سے کام لینا ہوگا۔ میں کچھ ایسے امکانات کی بات کر رہا ہوں جو ممکن ہے کہ تمہارے انداز کے مطابق محض بکواس ہوں لیکن پولیس کو ہر امکانات کو پیش رکھنا پڑتا ہے۔ یہی امکان اور چھوٹے چھوٹے نکتے ہمارے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر مجرم ماہرانہ ہتھکنڈوں پر عمل کرے۔ اکثر وہ جرم کا ارتکاب کرتے وقت اس قدر بچگانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اس کے لیے جائے واردات سے فرار کے راستے آسان کر دیتا ہے لیکن پولیس آفیسر اپنی قابلیت کے گھمنڈ میں اس نکتے کو نظرانداز کر کے تاریکی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ عالیہ کی تلاش میں ہمیں تمام مشکل، پیچیدہ اور سیدھے سادھے راستوں پر بھی قدم اٹھانا ہوگا اور ہر اس شبہے کی مکمل چھان بین کرنی ہوگی جو ہمارے ذہن کے کسی کونے میں بھی کیوں نہ پیدا ہو......"

"کیا تم کھل کر بات نہیں کر سکتے کہ تمہارے ذہن میں کیا شبہ کلبلا رہا ہے۔"

خاور نے جمشید کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ پھر چونکتے ہوئے کہا "کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہے ہو کہ عالیہ نے ممی کی باتوں سے دلبرداشتہ ہونے کے بعد خودکشی کے بجائے روپوشی اختیار کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور ڈاکٹر ذیشان کے ساتھ مل کر ہماری نظروں سے دور ہوگئی؟"

"آنٹی کے تلخ رویے کو نظرانداز کبھی نہیں کیا جا سکتا لیکن فی الحال ہم کو صرف ڈاکٹر ذیشان پر زور دینا ہوگا جو تمہارے بیان کے مطابق بھی بظاہر ایک آسیب ہی سمجھا جا سکتا ہے۔" جمشید نے اپنی رائے کا اظہار کیا "اس لیے عالیہ کا ڈاکٹر ذیشان کے ساتھ سازباز کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"پھر...... تم کن امکانات کی بات کر رہے تھے؟"

"ابھی ہم نے باقاعدہ اپنی تفتیش کا آغاز بھی نہیں کیا' اس لیے قبل از وقت کچھ کہنا نامناسب ہوگا لیکن ایک شبہ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں بار بار سر ابھار رہا ہے...... تم اسے میری چھٹی حس بھی کہہ سکتے ہو۔"

"شبہ کیا ہے؟"

"میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ تمہاری عالیہ ناقابل یقین اور پراسرار حالت کا شکار ہوئی ہے لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ عابد حسین کسی نہ کسی زاویے سے ڈاکٹر ذیشان کی اصلیت سے ضرور واقفیت رکھتے ہوں گے۔" جمشید نے شانے اچکاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا "یہ اور بات ہے کہ ڈاکٹر ذیشان کا آسیب کسی اور انداز سے ان کے لاشعور میں چھپا بیٹھا ہو......"

"میں سمجھا نہیں۔"

"ہمیں سب سے پہلے عابد حسین کو کریدنا پڑے گا۔" جمشید نے بدستور سنجیدگی سے کہا "اس کے بعد ہی میں ڈاکٹر ذیشان کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھا سکوں گا۔"

"او۔ کے۔" خاور نے اٹھتے ہوئے کہا "میں اب چلتا ہوں اور جاتے جاتے اس کا یقین بھی دلاتا ہوں کہ میں ممی سے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔"

"شکریہ۔" جمشید نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا' پھر بولا "عابد حسین کا پتہ دیتے جاؤ تاکہ میں پہلی فرصت میں انہیں گھیرنے کی کوشش کروں۔"

"خیال رکھنا کہ اس وقت وہ بہت دلبرداشتہ ہیں۔" خاور نے ان کا پتہ لکھ کر جمشید کے حوالے کیا۔

"ڈونٹ وری...... میں بہت جلدی انہیں شیشے میں اتار لوں گا۔"

پھر فون کی گھنٹی بجی تو جمشید نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ خاور ہاتھ کے اشارے سے اسے سلام کرتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔

"ہیلو...... ڈی ایس پی جمشید اسپیکنگ۔" جمشید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں تمہیں اپنا دوست سمجھ کر ایک قیمتی مشورہ دینا چاہتا ہوں۔" دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔

"کون ہو تم.....؟" جمشید نے تیزی سے دریافت کیا۔

"عالیہ کے سلسلے میں تمہیں بھاگ دوڑ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا..... تمہاری صلاحیتیں تمہارے کسی کام نہ آسکیں گی۔" جواب سردمہری سے دیا گیا۔

"میں نے تمہارا نام پوچھا تھا۔" جمشید نے افسرانہ انداز میں کہا "مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں' یہ میں تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔"

"لیکن ایک بات تم بھول رہے ہو..... انسان کسی پرچھائیں سے دست و گریباں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔"

"تم ڈاکٹر ذیشان ہو یا اس کا سایہ....." جمشید نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔

"اس کا جواب تمہیں بہت جلد مل جائے گا....."

"اگر تم اتنے ہی طاقتور ہو تو پھر کھل کر مردوں کی طرح سامنے آنے سے کیوں کترا رہے ہو؟" جمشید نے دوسری جانب سے بولنے والے کو اکسانے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ جواب دینے کی بجائے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

جمشید نے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ پھر کسی گہری سوچ میں غرق ہوگیا!

○

عالیہ پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔ وہ اس وسیع و عریض کوٹھی کے تمام اندرونی اور بیرونی حصوں میں بلا کسی روک ٹوک کے گھوم پھر سکتی تھی۔ جہاں گونگی لیکن حسین و جمیل خادمائیں خوبصورت لباس زیب تن کیے گھوما کرتی تھیں اور عالیہ کے ہر حکم کو پورا کرنا اپنا اولین فرض خیال کرتی تھیں۔

کوٹھی کے چاروں طرف خوبصورت لان تھا جہاں انواع و اقسام کے پھل اور پھولدار درخت اور پودے موجود تھے۔ خوش رنگ پرندوں کا غول ہر جانب چہچہاتا پھرتا تھا۔ وہ باغ کے کسی گوشے میں بھی جا سکتی تھی۔ اسے ہر قسم کی آزادی حاصل تھی لیکن حد بندی کی اونچی اونچی دیواروں کو پھلانگنے یا اس پھاٹک سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جو اس کے قد سے کم و بیش ڈیڑھ گنا اونچا تھا اور باہر سے بند رہتا

تھا۔

اس عالیشان کوٹھی کے آس پاس عالیہ نے کوئی دوسری عمارت نہیں دیکھی تھی۔ شاید اسے آبادی سے دور کسی ایسے علاقے میں تعمیر کرایا گیا تھا جہاں ابھی تک دوسری عمارتوں کی تعمیرات کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا۔

اس محل نما کوٹھی میں آرام و آسائش کی وہ تمام چیزیں موجود تھیں جن کا وہ تصور کر سکتی تھی۔ اس کے ایک اشارے پر اس کی ہر خواہش کی تکمیل کی جاتی تھی لیکن ان تمام نعمتوں کے باوجود وہ خود کو قیدی سمجھ رہی تھی۔ کوٹھی میں قدم رکھے اسے ڈیڑھ مہینے سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن اس عرصہ میں ایک بار بھی اس کے قدم کوٹھی سے باہر نہیں نکلے تھے۔ ماں باپ سے بھی رخصتی کے بعد دوبارہ نہیں مل سکی تھی۔ دو تین بار اس نے دبی زبان میں ذیشان سے گھر جانے کی درخواست کی تھی لیکن ہر بار ذیشان نے اسے کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے ٹال دیا تھا۔ ایک بار عالیہ نے جھلا کر پوچھ لیا تھا۔

"اس کوٹھی میں میری کیا حیثیت ہے؟"

"تم میرے دل کی ملکہ ہو' اس لیے اس کوٹھی پر بھی تمہارا راج ہے۔" ذیشان نے حسب معمول بڑے پیار سے جواب دیا۔

"لیکن میں یہاں سے باہر نہیں جا سکتی۔" اس نے ذیشان کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ "کیا اس کی وجہ دریافت کر سکتی ہوں؟"

"مجھے کچھ مجبوریاں لاحق ہیں۔ وہ دور ہو جانے دو' پھر تم جہاں چاہے آجا سکتی ہو۔"

"مجبوریاں ختم ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟" عالیہ نے استفسار کیا۔

"مجبوریاں انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔" ذیشان معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا "ایک پل میں بھی ختم ہو سکتی ہیں اور اس کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے۔"

"کیا آپ مجھے میرے والدین سے بھی ملنے کی اجازت نہیں دے سکتے؟" عالیہ نے

بڑی لجاجت سے درخواست کی "شادی کے بعد میں ایک بار بھی تو ان سے نہیں ملی۔"

"اور وہ بھی تمہیں ملنے کی خاطر یہاں آنے سے گریز کر رہے ہیں۔" زیشان نے شکوہ کیا "کیا تم اس کی وجہ بتا سکتی ہو؟"

"میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے سٹپٹا کر جواب دیا "ہو سکتا ہے ان کی کوئی مجبوری ہو۔"

"وہ مجبوری تمہارے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔" اس بار زیشان کا لہجہ پہلی بار تلخ ہو گیا۔

"کیا مطلب.....؟" عالیہ نے تیزی سے پوچھا۔ وہ زیشان کی تلخی کو برداشت نہیں کر سکی تھی۔

"مطلب بہت صاف اور واضح ہے۔" زیشان نے بدستور خشک لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ "اکبر برلاس سے جو توقعات وابستہ تھیں' وہ شبانہ بیگم کی صاف گوئی کی وجہ سے ملیامیٹ ہو گئیں تو تمہیں بوجھ سمجھ کر میری جھولی میں ڈال دیا گیا۔ کیا یہ میری محبت کی توہین نہیں ہے؟ کیا میں نے پہلی رات کو تم سے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ میں ایک طویل عرصے سے دور دور رہ کر تمہاری پرستش کرتا رہا ہوں۔"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیشان کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ اس کے ذہن میں کئی سوالات ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگے لیکن اس نے ان سوالات کو زبان تک نہیں آنے دیا۔ اس بات کا خوف تھا کہ اگر درمیان میں خاور کا ذکر نکل آیا تو حالات زیادہ تلخ صورت بھی اختیار کر سکتے تھے۔ وہ خاور کے باب کو بند کر چکی تھی۔ اسے دوبارہ نہیں کھنگالنا چاہتی تھی۔ اس لیے دل پر جبر کرکے اپنی زبان پر تالے ڈال لیے۔

اس روز کے بعد عالیہ نے نہ تو کوٹھی سے باہر قدم نکالنے کی خواہش کا اظہار کیا' نہ والدین کا نام زبان تک لائی۔ اندر ہی اندر کسی گیلی لکڑی کی مانند اس طرح آہستہ آہستہ سلگتی رہی کہ دھواں بھی نہ اٹھنے پائے۔ اس نے کئی بار تنہائی میں زیشان کے طرزِ عمل کے بارے میں غور کیا مگر ہر بار الجھ کر رہ گئی۔

زیشان اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اس کی ایک ایک ادا کی دل کھول کر تعریفیں کرتے۔ اس کی ہر خواہش کا احترام کرتے۔ ہمیشہ بڑی محبت سے پیش آتے لیکن انہوں نے عالیہ کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے بھی کبھی بھول کر بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ خود عالیہ نے بھی طے کر لیا تھا کہ جب تک خود زیشان اس کے والدین کا ذکر نہیں کریں گے' وہ بھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں نکالے گی۔

زندگی کو ہنگاموں سے دور رکھنے کی خاطر اس نے حالات سے مفاہمت اختیار کر رکھی تھی ورنہ وہ بھی زیشان سے بہت سارے سوالات کا جواب طلب کر سکتی تھی۔ ان گونگی اور حسین و جمیل کنیزوں کے بارے میں اپنے شبہات کا اظہار بھی کر سکتی تھی۔ اگر چاہتی تو یہ الزام بھی عائد کر سکتی تھی کہ ان بے زبان اور خوبصورت خادماؤں کا انتخاب محض اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ زیشان کے ذوق حسن اور اس کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنتی رہیں لیکن زبان سے کوئی شکایت نہ کر سکیں۔ خاص طور پر وہ سنبل کے سلسلے میں بھی یہ شوشہ چھوڑ سکتی تھی کہ اسے کمسن اور ناتجربہ کار ہونے کے باوجود دوسری ملازماؤں پر کیوں فوقیت دی گئی ہے؟ کیا وجہ تھی کہ زیشان سے گفتگو کرتے وقت سنبل کے چہرے پر خوشی اور مسرتوں کے ڈونگرے برسنے لگتے تھے؟ وہ بار بار دزیدہ نظروں سے اس طرح دائیں بائیں کیوں دیکھتی تھی جس سے ہزاروں خدشات جنم لیتے تھے۔ وہ زیشان سے یہ بھی دریافت کر سکتی تھی کہ ان کی ایسی کیا مصروفیات ہیں کہ وہ اکثر دو دو دن تک کوٹھی سے غائب رہتے ہیں مگر عالیہ کو کبھی اس کی اطلاع دینا بھی گوارا نہیں کرتے؟ لیکن عالیہ نے ان باتوں کو اپنے دل کی گہرائیوں تک محدود کر رکھا تھا۔ وہ زیشان سے کسی موضوع پر بھی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے ہر لمحہ یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ زیشان اس کی بات پر خفا ہو کر کہیں خاور کا نام زبان تک نہ لے آئیں اور عالیہ کو اپنے ناکردہ گناہوں کے لیے بھی سرنگوں ہونا پڑے۔ وہ خاموش رہ کر اپنی قوت برداشت کا اس حد تک مظاہرہ کرنا چاہتی تھی کہ خود زیشان کھل کر برملا اس بات کا اقرار کر لیں کہ انہوں نے عالیہ کو ایک بے زبان پنچھی سمجھ کر اپنے قفس کی خوبصورت مگر آہنی تیلیوں میں بند کر رکھا ہے۔

ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں وہ کوٹھی کے بیشتر حصوں کو پوری طرح گھوم پھر کر دیکھ چکی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پورا ماحول ایک طلسم کدہ سا ہے۔ کوٹھی میں تنہا گھومنے پھرنے کے باوجود وہ بار بار چونک اٹھتی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے کوئی دبے قدموں اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ کچھ نادیدہ آنکھیں اس کی ایک ایک حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہی ہوں۔ وہ اپنے ان خدشات یا وہم کو کوئی نام دینے سے قاصر تھی لیکن ایک بات اس نے خاص طور پر محسوس کی تھی جو اس کے وجود میں کسی نادیدہ خوف کی مانند اپنی جگہ مستحکم کرتی جا رہی تھی۔

ذیشان کی وہ تصویر جو اس کی خوابگاہ کے علاوہ کوٹھی کے ہر داخلی دروازے کے اوپر فریم میں موجود تھی' اپنے چہرے کے تاثرات کو حیرت انگیز طور پر بدلتی دکھائی دیتی۔ کبھی تصویر کے آنکھوں کا زاویہ عالیہ کو بدلا ہوا محسوس ہوتا' کبھی وہی آنکھیں بڑی خوابناک اور مسکراتی نظر آتیں۔ اکثر ایسا لگتا جیسے وہ آنکھیں اسے غصے سے گھور رہی ہوں۔ کبھی تصویر میں نظر آنے والے ہونٹوں پر اسے مسکراہٹ کا گماں ہوتا اور کبھی ان ہونٹوں پر کھنچاؤ کی ایسی کیفیت محسوس ہوتی جیسے وہ زبان خاموش سے اپنی خفگی کا اظہار کر رہی ہو۔ یہ ساری کیفیتیں اتنی تیزی سے رونما ہو کر اپنی اصلی شکل اختیار کرتیں کہ عالیہ مسکرا کر رہ جاتی۔ ڈیڑھ ماہ تک اس تصویر کو دیکھتے رہنے کے باوجود وہ ابھی تک اس بات کا حتمی فیصلہ نہیں کرپائی تھی کہ وہ سب کچھ اس کا وہم تھا یا حقیقت لیکن ایک بات طے تھی کہ ذیشان کی وہ تصویر عالیہ کے لیے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی جسے حل کرنے سے وہ قاصر تھی۔ اسے کوٹھی کا پورا ماحول بڑا عجیب اور پراسرار سا لگتا تھا۔

اس وقت عالیہ کوٹھی کے پائیں باغ میں ایک تناور درخت پر پڑے قیمتی اور حسین جھولے پر بیٹھی موسم کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ اچانک اس نے ایک ہدہد کو اپنے سامنے لان پر آکر بیٹھتے دیکھا۔ ہدہد کے بادامی رنگ کے جسم پر کالی اور سفید دھاریاں بڑی خوشنما لگ رہی تھیں۔ کدال جیسے سر پر نظر آنے والی لمبی سی کلغی کبھی بڑی تیزی سے پھیل کر کھڑی ہو جاتی اور کبھی دب جاتی تھی...... وہ ربر کی

گیند کی مانند لان پر اس طرح بار بار اچھل رہا تھا جیسے عالیہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا ہو۔ پھدکتے ہوئے اس کے پر پھیلتے تو سیاہ اور سفید دھاریاں زیادہ واضح طور پر نظر آنے لگتیں۔ عالیہ بڑی توجہ سے ہدہد کو دیکھ رہی تھی۔ جب اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی پشت پر کوئی کھڑا ہو۔ عالیہ نے تیزی سے نظریں گھما کر دیکھا تو اس کا شبہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ سنبل زرق برق لباس پہنے اس کے عقب میں موجود تھی۔ اس کی نظریں سامنے لان پر کسی شے پر مرکوز تھیں۔ ان نظروں سے نفرت اور غصے کی ملی جلی کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"تم.....؟" عالیہ نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا "تم یہاں کب سے موجود ہو؟"

"میں....." عالیہ کی آواز سن کر سنبل کی محویت یکلخت ختم ہو گئی۔ اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا "میں ابھی ابھی آئی ہوں..... آپ کو یہ اطلاع دینی تھی کہ آقا آگئے ہیں۔"

"کہاں ہیں ذیشان؟" عالیہ نے تعجب سے دریافت کیا۔

"اپنی خوابگاہ میں۔" سنبل نے ادب سے کہا۔

سنبل کا جواب سن کر عالیہ جلدی سے اٹھی اور تیز تیز قدم بڑھاتی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ ذیشان کی آمد کی اطلاع اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس لیے کہ اس سے پیشتر وہ ہمیشہ رات ڈھلنے کے بعد ہی اپنی مصروفیات سے فرصت پا کر گھر لوٹنے کے عادی تھے۔ مہینے بھر سے وہ ذیشان کے اس معمول کو نوٹ کر رہی تھی لیکن اس کے بارے میں بھی کوئی بازپرس نہیں کی تھی۔ اس نے خود کو حالات کے ہر سانچے میں ڈھال لینے کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا۔ اپنی طرف سے وہ ذیشان کو کسی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ شاید اس لیے کہ ذیشان نے نامساعد حالات میں اسے اپنا کر تحفظ فراہم کیا تھا۔ اس کے والدین کے سر سے ایک بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔ اسے متوقع بدنامی سے بچا لیا تھا ورنہ شبانہ بیگم نے اپنی امارت کے نشے میں مدہوش ہو کر جس نفرت، اور حقارت سے اس کی معصوم محبت کو داغدار کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا' اس سے بوکھلا کر وہ حرام موت مرنے کا فیصلہ بھی کر سکتی تھی۔

اپنے خیالوں میں گم قدم اٹھاتی' وہ خوابگاہ میں داخل ہوئی تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ زیشان مسہری کے قریب کھڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔ سنبل ان کے بائیں جانب ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ عالیہ کو اس بات پر شدید حیرت ہوئی کہ سنبل اس سے پہلے خوابگاہ تک کس طرح پہنچ گئی؟ پھر اس کی نظر زیشان کے پیروں کے قریب رکھے ہوئے خوبصورت پنجرے پر پڑی تو اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔ پنجرے کے اندر بالکل ویسا ہی ایک ہدہد قید تھا جیسا وہ کچھ دیر پہلے شترلان پر دیکھ چکی تھی۔ ایک لمحے میں عالیہ کے ذہن میں متعدد سوالات چکرانے لگے..... "ہدہد کا کوٹھی کے باغ میں پہلی بار عالیہ کو نظر آنا...... سنبل کی وہاں موجودگی...... اس کی نگاہوں میں نفرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات..... زیشان کا خلاف توقع جلدی واپس آجانا..... سنبل کا عالیہ سے پہلے خوابگاہ میں پہنچنا اور ایک ہدہد ہی کا پنجرے میں قید نظر آنا۔" یہ ایسی قابل غور اور حیرت انگیز باتیں تھیں جنھوں نے عالیہ کے ذہن کو پھرکی کی طرح نچا کر رکھ دیا۔ ہر سوال کے پیچھے عالیہ کو کوئی نہ کوئی اسرار محسوس ہو رہا تھا لیکن اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اسے خوابگاہ میں اس وقت زیشان کے ہوتے ہوئے سنبل کی موجودگی بھی ناگوار گزری تھی لیکن وہ اسے بھی نظرانداز کر گئی۔ زیشان کے قریب جا کر بولی:

"آپ آج خلاف معمول اتنی جلدی کیسے آگئے؟ کیا آج زیادہ مصروفیت نہیں تھی؟"

"آج بیٹھے بیٹھے تمہاری یاد اتنی شدت سے آئی کہ میں کھنچا چلا آیا" زیشان نے پیار سے جواب دیا لیکن اس کی آنکھوں میں پراسرار چمک ابھی موجود تھی۔

"تمہیں کیا یہاں رکنے کا حکم دیا گیا ہے؟" عالیہ نے تیکھی نظروں سے سنبل کو دیکھا۔

"جی....." سنبل نے دزدیدہ نظروں سے زیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جی نہیں....."

"کس مقصد سے آئی تھیں تم یہاں؟" پہلی بار عالیہ کی پیشانی پر آڑی ترچھی لکیروں کا جال بن گیا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی شامل تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"مم.....میں.....یہ پنجرہ....." سنبل ایک ثانیے کو سٹپٹا کر رہ گئی۔ اس نے پنجرے کے بارے میں کچھ کہنا چاہا تھا۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا....." زیشان نے جلدی سے سنبل کی بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں کہا "تم اب جا سکتی ہو۔"

سنبل نے باری باری زیشان اور عالیہ کو دیکھا' پھر نظریں جھکا کر خوابگاہ سے باہر چلی گئی۔

"یہ پنجرہ یہاں سنبل لائی تھی؟" عالیہ نے زیشان سے دریافت کیا۔ سنبل کے جاتے ہی اس کی پیشانی پر ابھرنے والی سلوٹیں بھی ختم ہو گئی تھیں۔

"گھر واپس آتے ہوئے میں نے تمہارے لیے نایاب تحفہ خرید لیا تھا۔" زیشان نے فاخرانہ نظروں سے پنجرے پر نظر ڈال کر کہا "ہماری خوابگاہ کے لیے یہ ہدہد ایک انمول اضافہ ہوگا۔"

عالیہ نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ زیشان پنجرے کو خواب گاہ تک لانے میں سنبل کا نام بڑی خوبصورتی سے نظرانداز کر گئے تھے۔ اس نے بھی زیادہ کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی۔ بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"کیا اس ہدہد میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں....." زیشان نے بدستور پنجرے میں بند ہدہد کو عجیب نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "اس نسل کے پرندے اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ اتفاق ہی سمجھو جو یہ مجھے مل گیا ورنہ......"

"ورنہ کیا......" عالیہ نے زیشان کے معنی خیز اور چبھتے ہوئے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا "آپ کچھ کہتے کہتے خاموش کیوں ہو گئے تھے؟"

"یہی سوچ رہا تھا کہ اگر یہ میرے بجائے کسی اور کے ہاتھ لگ جاتا تو ایک نادر الوجود پرندہ ہماری خوابگاہ کی زینت نہ بن سکتا۔"

"کیا اس پنجرے کا خوابگاہ میں رکھنا ضروری ہے؟"

"تمہارا تحفہ ہے جہاں چاہے رکھو لیکن اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ یہ

پنجرے سے نکلنے نہ پائے.....میں کنیزوں کو بھی اس کی نگرانی کی تاکید کر دوں گا۔"
آخری جملے ادا کرتے وقت ذیشان کی تیز نظریں ہدہد پر جمی ہوئی تھیں جو پنجرے میں ہونے کے باوجود بڑا پرسکون نظر آرہا تھا۔

"آپ کے لیے چائے اور ناشتے کا اہتمام کیا جائے؟" عالیہ نے پنجرے کا موضوع بدل کر بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

"اہتمام کرنا ہے تو اپنی محبت کا کرو جو تمہارے اس پرستار کے لیے سب سے زیادہ انمول اور سکون بخش ہے۔" ذیشان نے محبت سے جواب دیا۔ اس کی نگاہوں میں گلابی ڈورے تیرنے لگے تھے۔ عالیہ اس کا مفہوم بھانپ کر زیرلب مسکرا دی۔ پھر اس کے بعد جو کھیل شروع ہوا' وہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

ذیشان کے قرب اور ہاتھوں کے حصار میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ ان میں سمٹ کر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھی.....کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ ایک خوابناک اور طلسمی سی مدہوشی آہستہ آہستہ گھنا ٹوپ بادلوں کی طرح بتدریج اس کے وجود اور ہوش و حواس پر اس طرح طاری ہو جاتی کہ وہ ہربات سے بے نیاز ہو کر رہ جاتی اور بڑی دیر تک خواب خرگوش میں ڈوبی رہتی۔ جب دوبارہ ہوش میں آتی تو اسے صرف اتنا یاد رہتا کہ ذیشان نے اسے اپنی آغوش میں لے کر محبت بھری باتیں کی تھیں۔ ان باتوں کو سنتے سنتے وہ نیند کی وادیوں میں بھٹک گئی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا' عالیہ کو اس کی قطعی کوئی خبر نہ ہوتی۔ البتہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے کبھی بھی ذیشان کو اپنی خوابگاہ میں نہیں پایا تھا۔ یہ بھی ایک معمہ تھا جسے وہ ابھی تک حل نہیں کر سکی تھی.....!!

○

عابد حسین نے خلاف توقع جمشید کو دروازے پر کھڑے دیکھا تو بری طرح سٹپٹا کر رہ گئے۔ وہ ایک بار پہلے بھی جمشید کو سردار علی نواز کے ساتھ دیکھ چکے تھے لیکن اس وقت اور بات تھی۔ اب حالات نے جو پلٹا کھایا تھا' اس نے عابد حسین کو ذہنی طور پر نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ عالیہ کا دکھ ان کو پہلے ہی لاحق تھا' پھر بیوی کی ذہنی حالت خراب

ہوگئی اور ڈاکٹروں کے مشورے پر اسے نفسیاتی امراض کے ہسپتال میں داخل کرانا پڑا تو عابد حسین بالکل تنہا رہ گئے۔ یہ تنہائی انہیں کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈستی رہتی تھی۔

عالیہ کی گمشدگی کے بعد انہوں نے اپنا گھر بھی تبدیل کر دیا تھا۔ غم انہیں اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا لیکن وہ بڑے حوصلے والے تھے جو بڑی خندہ پیشانی سے ہر دکھ کو قدرت کی طرف سے ایک آزمائش سمجھ کر اس پر پورا اترنے کی کوشش کرتے۔

شبانہ بیگم کی باتیں ان کے دل و دماغ پر نقش تھیں۔ اس لیے جب خاور نے عالیہ کی شادی کے بعد نرگس کی زبانی صورتحال معلوم ہونے کے بعد عابد حسین سے ملاقات کی تو انہوں نے حقارت سے منہ پھیر لیا تھا۔ ایک لمحے کو ان کے دل میں یہی خیال آیا تھا کہ ان کی تباہی اور عالیہ کی بربادی کی اصل جڑ وہی ہے لیکن خاور نے جب انہیں تفصیل سے حالات بتائے تو وہ اس کے ساتھ بات کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ خود عابد حسین کو تفتیش کرنے کے بعد بھی یہی علم ہوا تھا کہ شبانہ بیگم' اکبر برلاس اور خاور کی ضد واقع ہوئی ہیں۔

خاور کو دیکھ کر ان کے دل کے آبلے پھوٹ گئے تھے۔ وہ بڑی دیر تک اپنی قسمت پر آنسو بہاتے رہے۔ پھر خاور کے بے حد اصرار کے بعد ہی عابد حسین نے اسے اپنی بپتا سنائی تھی۔ خاور نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ عالیہ کے غائب ہو جانے کے معمے کو حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اسی ضمن میں اس نے عابد حسین سے اس بات کی اجازت طلب کی تھی کہ جمشید کو بھی حالات سے باخبر کر دیا جائے۔ عابد حسین پولیس کو درمیان میں نہیں گھسیٹنا چاہتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر ایک بار پولیس کو حالات کا علم ہوگیا تو پھر گلی گلی ان کی بدنامی کے چرچے شروع ہو جائیں گے۔ اخبارات میں بے سروپا اور بے ہودہ کہانیاں شائع ہوں گی اور تفتیش کے دوران خود عابد حسین سے ایسے سوالات کیے جائیں گے جس کا جواب دینے کے بجائے وہ مر جانا بہتر سمجھتے۔ چنانچہ انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا کہ پولیس کو شامل تفتیش نہ کیا جائے مگر جب خاور نے جمشید کے سلسلے میں اس بات کی ذمہ داری لی کہ بات اس کی

حد سے آگے نہ بڑھے گی تو وہ بادل نخواستہ آمادہ ہو گئے تھے لیکن اس وقت اچانک جمشید کو اپنے دروازے پر دیکھ کر بری طرح الجھ گئے تھے۔

"عابد انکل......" جمشید نے عابد حسین کے چہرے سے ان کے دل و دماغ میں ابھرنے والے طوفان کا اندازہ لگایا تو بڑے نرم لہجے میں بولا "کیا آپ مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"

عابد حسین جواب دینے کے بجائے دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گئے۔ جمشید نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔ پھر اس مختصر سے کمرے پر نظر ڈالی جو اپنے مکینوں کی پریشانیوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ جمشید نے بڑی اپنائیت سے عابد حسین کو ہاتھ تھام کر ایک کرسی پر بٹھایا۔ پھر خود دوسری کرسی پر ان کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں ابھی ہسپتال سے ہو کر آرہا ہوں......خدا کی ذات پر یقین رکھئے' وہ اپنے نیک بندوں کو آزمائش میں ضرور ڈالتا ہے لیکن کسی کے ساتھ ناانصافی کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔"

عابد حسین خاموش رہے' کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں اس وقت عالیہ کے سلسلے میں آپ سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے آیا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری کارروائی کا علم آپ کے اور خاور کے سوا کسی اور کو نہ ہوگا۔"

عابد حسین بدستور سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم رہے۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ کوٹھی جو آپ کو ڈاکٹر ذیشان نے دکھائی تھی' وہ اس کی ملکیت نہیں ہے؟"

"مجھے اس کی کوٹھی سے کوئی غرض نہیں۔" عابد حسین نے آہستہ سے کہا "مجھے اپنی بیٹی کی تلاش ہے جس کے غم میں اس کی ماں ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔"

"مجھے آپ کی پریشانیوں کا احساس ہے لیکن عالیہ کی تلاش کے سلسلے میں کچھ ضروری باتیں معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔" جمشید نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا

"کیا آپ نے اپنے علاقے میں ڈاکٹر ذیشان کے کلینک کو اس مکان میں قائم دیکھا تھا جو آسیب زدہ مشہور ہے؟"

"ہاں......"

"آپ کے علاوہ کوئی اور بھی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے؟"

"نہیں....." عابد حسین نے پہلو بدل کر جواب دیا "عالیہ کی رخصتی کے دوسرے دن میں نے اس آسیب زدہ کوارٹر کو دوبارہ اسی اجڑی ہوئی تباہ حالت میں دیکھا تھا جس میں وہ پہلے نظر آتا تھا۔"

"اس کے مطلب یہ ہوئے کہ وہ کلینک کوئی شعبدہ یا محض نظر کا فریب تھا اور ڈاکٹر ذیشان کی شخصیت بھی بظاہر آسیب جیسی تھی۔"

عابد حسین نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"ذاتی طور پر میں بھوت پریت یا بدروحوں کا انسانی صورت شکل میں پائے جانے کا قائل نہیں ہوں لیکن میں نے بزرگوں کی زبانی بھی یہی سنا ہے اور کہانیوں میں بھی پڑھا ہے کہ جن یا بھوت بلاوجہ کسی کو پریشان نہیں کرتے۔" جمشید نے بڑی سنجیدگی سے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "کسی نہ کسی ایسی بھولی بسری بات سے ان کا تعلق ضرور ہوتا ہے جو انسان فراموش کر چکا ہو یا جان بوجھ کر اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے.....اکثر حالات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا لیکن وہی تمام ناقابل یقین باتوں کی اصل جڑ اور بنیاد ہوتی ہے......"

"میں تمہاری باتوں کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔" عابد حسین نے جمشید کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میں عرض کرتا ہوں۔" جمشید نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بولا "ایک ناقابل یقین واقعہ میرے قریبی عزیز داروں میں رونما ہو چکا ہے۔ ان کا ایک ہی نوجوان لڑکا تھا جو دوپہر کے وقت کوٹھے پر جا کر پتنگ بازی کرنے کا عادی تھا۔ اس میں نہ تو کوئی قابل اعتراض بات تھی نہ ہی پتنگ بازی قابل دست

اندازی پولیس کے زمرے میں شمار ہوتی ہے جو اس لڑکے کو اس سے روکا جاتا لیکن ایک روز میرے عزیز کے بیان کے مطابق ایک سفید ریش بزرگ ان کے دروازے پر آیا اور صاحب خانہ سے درخواست کی کہ وہ اپنے لڑکے کو دوپہر کے اوقات میں کوٹھے پر جا کر ہلڑبازی اور خرافات کرنے سے منع کریں۔ میرے عزیز صاحب حیثیت ہونے کے علاوہ اکھڑ دماغ کے مالک تھے۔ انہوں نے بزرگ شخص کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے دریافت کیا کہ انہیں کیا تکلیف لاحق ہے؟"

"دوپہر میں شور و غل سے ہمارے آرام میں خلل ہوتا ہے۔" بزرگ نے اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔

"کیا آپ یہ بتانے کی زحمت کریں گے کہ آپ رہتے کہاں ہیں؟" صاحب خانہ نے قدرے درشت لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ میں آج آپ کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"گویا آپ ہماری درخواست پر غور کرنے کو تیار نہیں ہیں۔" جواب میں سفید ریش بزرگ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں جو غصے کی علامت تھی۔

"فرض کر لیجئے کہ میں غور نہ کروں تو آپ میرا کیا کر لیں گے؟" صاحب خانہ کے تیور بھی خراب ہو گئے۔

"اس کا اندازہ آپ کو بہت جلد ہو جائے گا۔" بزرگ نے جواب دیا' پھر وہ یکلخت نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

جمشید نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"میرے عزیز کو بزرگ کا اچانک غائب ہو جانا کچھ عجیب سا لگا لیکن انہوں نے اس کی باتوں پر زیادہ غور بھی نہیں کیا۔ بات آئی گئی ہو گئی مگر ایک ہفتے بعد ان کا جوان لڑکا جو حسب عادت دوپہر میں کوٹھے پر پتنگ اڑا رہا تھا' اچانک چیختا چلاتا نیچے صحن میں اس طرح آگرا کہ اس کے دونوں پیروں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ علاج معالجے سے وہ بچ تو گیا لیکن آج تک دوبارہ کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہو سکا۔ بعد میں میرے عزیز نے جب عاملوں اور تعویز گنڈہ کرنے والوں سے رابطہ قائم کیا تو ایک عامل نے

دبی زبان میں خیال ظاہر کیا کہ کوٹھے پر قائم صاحب خانہ کی لائبریری میں کچھ جنوں (جنات) کا قیام تھا اور لڑکے کی پتنگ بازی اور شور و غل سے ان کے آرام میں خلل اندازی ہوئی تھی۔ جن یہاں تک برداشت کرتے رہے لیکن بعد میں لڑکے سے کوئی ایسی حرکت ضرور سرزد ہوئی جو جنوں کے اشتعال کا باعث بن گئی اور انہوں نے کوٹھے پر چار فٹ اونچی دیوار ہونے کے باوجود لڑکے کو فضا میں بلند کر کے نیچے پھینک دیا...... بعد میں میرے عزیز نے جب لڑکے کو مختلف لوگوں کے ذریعے کریدنے کی کوشش کی تو یہ انکشاف ہوا کہ لڑکے نے حادثے والے دن اس لائبریری میں جا کر پیشاب کیا تھا جس کیوجہ سے جنوں کے رہنے کی جگہ نجس ہوئی تو وہ انتقامی جذبے سے خود کو باز نہ رکھ سکے....."

جمشید نے دو چار کتابوں کی ان کہانیوں کا بھی ذکر کیا جو انتہائی پراسرار اور ناقابل یقین تھیں۔ پھر اس نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"کیا آپ کے ذہن میں ایسا کوئی گزرا ہوا واقعہ ہے جس کی روشنی میں ہم ڈاکٹر ذیشان کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کر سکیں؟"

"نہیں...." عابد حسین نے قدرے الجھتے ہوئے کہا۔ "میں ان فضول باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

"لیکن آپ کے ساتھ پراسرار اور ناقابل یقین باتوں کا بڑا گہرا تعلق ہے....." جمشید نے بات جاری رکھی "مثلاً ڈاکٹر ذیشان کا کلینک اور عالیہ کا رخصتی کے بعد اس طرح گم ہو جانا کہ ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس کے علاوہ بھی مجھے خاور کی زبانی جن حالات کا علم ہوا ہے' اس میں سے بیشتر پراسرار اور حیرت انگیز ہیں۔"

عابد حسین نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کے تاثرات گہرے ہونے لگے۔

"کیا کبھی عالیہ نے آپ سے رابطہ قائم کیا تھا؟" جمشید نے اچانک دبی زبان میں دریافت کیا۔

"اگر ایسا ہوتا تو میں تم لوگوں سے اس بات کو چھپانے کی کوشش کیوں کرتا؟"

عابد حسین نے ناخوشگوار انداز میں جواب دیا "کاش ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ عالیہ بقید حیات نہیں ہے تو ہم ایک ہی بار رو دھو کر اسے صبر کر لیں۔ اس عذاب مسلسل سے تو چھٹکارا مل جائے گا جس نے ہماری راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر رکھا ہے۔"

"حوصلے سے کام لیں انکل۔" جمشید نے عابد حسین کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر تک ان کی دلجوئی کی باتیں کرتا رہا، پھر دوبارہ اصل موضوع کی طرف آگیا۔ "کیا آپ نے ڈاکٹر ذیشان کو عالیہ کی رخصتی کے بعد دوبارہ کبھی نہیں دیکھا؟"

"نہیں....." عابد نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"جو لوگ نکاح میں بطور گواہ اور وکیل شامل ہوئے تھے، ان کا کیا کہنا ہے؟" جمشید نے بات آگے بڑھانے کی خاطر پوچھا۔

"میں نے نکاح نامے کے حصول کے لیے قاضی سے ایک بار ڈرتے ڈرتے ملاقات کی تھی لیکن اس سے پیشتر کہ میں اس کا ذکر چھیڑتا، قاضی نے مجھ سے ایک ایسا سوال کیا کہ میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔" عابد حسین نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "جانتے ہو اس نے مجھ سے کیا سوال کیا تھا؟"

"کیا.....؟" جمشید نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"اس نے پوچھا تھا کہ میں عالیہ کی شادی کب کر رہا ہوں؟" عابد حسین کی آواز کرب کے احساس سے رندھ گئی۔ کچھ توقف کے بعد درد بھرے لہجے میں بولے "اس کے بعد میں وہاں سے خاموشی سے واپس آگیا۔ پھر میں نے کسی سے بھی عالیہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ اپنی عزت کی خاطر وہ کوارٹر چھوڑ کر یہاں آگیا۔"

"اور ابھی آپ فرما رہے تھے کہ میں اس قسم کی فضول باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

جواب میں عابد حسین کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سر جھکائے بیٹھے رہے۔

"کیا آپ نے اس کوٹھی کے چوکیدار سے دوبارہ کبھی ملاقات کی تھی جسے ڈاکٹر ذیشان نے اپنی ملکیت بتایا تھا؟" جمشید نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"نہیں....." عابد حسین نے سپاٹ لہجے میں کہا "جو معلومات وہ ایک بار فراہم کر چکا تھا، وہی میرا سکون برباد کرنے کو بہت تھیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ چوکیدار نے غلط بیانی سے کام لیا ہو؟"

"لیکن....." عابد حسین چونکے۔ ان کی نگاہوں میں امید کی ایک موہوم سی کرن ابھری "اسے میرے ساتھ کیا پرخاش ہو سکتی ہے؟"

"بات پرخاش کی نہیں۔" جمشید نے پہلو بدل کر وضاحت کی "ہو سکتا ہے اسے اسی قسم کی باتیں کرنے کا حکم دیا گیا ہو..... آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اس کے بیان کی صداقت کو بڑی آسانی سے چیک کر لوں گا۔"

عابد حسین بے چینی سے اپنی کرسی پر کسمسا کر رہ گئے۔ جمشید کی وضاحت نے ان کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی گردش تیز کر دی..... ذہن میں عالیہ کا دھندلاتا ہوا تصور پھر اپنے نقش اجاگر کرنے لگا تھا۔

"ذرا سوچ کر بتائیں انکل..... کیا ڈاکٹر ذیشان نے آپ کو اپنی کوٹھی دور ہی سے دکھائی تھی یا کسی وجہ سے آپ کوٹھی کے اندر نہیں گئے تھے؟"

"اس ملعون نے مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی لیکن میں نے ہی وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"اور کوئی ایسی بات جو ڈاکٹر ذیشان کی تلاش میں ہمارے کام آسکے؟" جمشید نے استفسار کیا۔

"اس وقت تو مجھے عالیہ سے زیادہ اس کی ماں کی فکر لاحق ہے۔" عابد حسین نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ "ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اگر فوری طور پر اس کے ذہن کو لاحق صدمہ دور نہ ہوا تو عین ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔"

"عالیہ کے سلسلے میں کیا آپ نے پیروں فقیروں سے بھی کوئی رابطہ قائم کیا ہے؟"

"نہیں....." عابد حسین نے سرد آہ بھری "خدا سب سے بڑا کارساز ہے۔ میں اسی کے آگے دامن پھیلائے ہوئے ہوں۔"

"پریشان نہ ہوں۔" جمشید نے کچھ دیر بعد اٹھتے ہوئے کہا "میری کوشش یہی ہوگی کہ جتنی جلدی ممکن ہو عالیہ کو تلاش کرکے آپ کو اس کی خوشخبری سناؤں۔"

"میری عزت کا خیال رکھنا بیٹے۔" عابد حسین نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے درخواست کی۔ "عمر کے اس حصے میں کسی بدنامی کا داغ میرے لیے ناقابل برداشت ہی ہوگا۔"

جمشید کوئی جواب نہ دے سکا۔ کسی بچے کی اچانک ابھرنے والی چیخ اس قدر کریہہ اور ہولناک تھی کہ عابد حسین بھی حیرت سے اچھل پڑے۔ پھر وہ دونوں ہی لپکتے ہوئے مکان کے کچے صحن کی سمت گئے جہاں تقریباً آٹھ سال کا ایک بچہ خون میں لت پت زمین پر پڑا پچھاڑیں کھا رہا تھا۔ اس کے حلق سے کربناک چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ بچے کے بائیں گال پر چار انگلیوں کے نشانات واضح طور پر نظر آرہے تھے جو خون جم جانے کے سبب نیلے پڑ چکے تھے۔ خون میں لتھڑا ہوا وہ اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے کچھ دم کا مہمان ہو۔ اس کے چہرے کے نقوش بھی بڑے ہی خوفناک نظر آرہے تھے۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر جمشید اور عابد حسین دونوں ہی دم بخود رہ گئے۔ پھر جمشید نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بچہ کس کا ہے؟........یہاں کہاں سے آگیا....؟"

جواب میں عابد حسین کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بچے کی کربناک چیخیں بھیانک قہقہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ قہقہے پورے مکان کے در و دیوار سے نشر ہو رہے ہوں۔ جمشید مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود بری طرح بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر اس کی نظریں دوبارہ کچے صحن کی طرف گھومیں تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ خون میں لتھڑا ہوا بچہ پراسرار طور پر غائب ہو چکا تھا۔ پورا صحن بالکل خشک اور صاف نظر آرہا تھا اور اسی صحن میں دروازے کے قریب عابد حسین اوندھے منہ گرے پڑے تھے۔ قہقہوں کی آوازیں بھی ختم ہو چکی تھیں۔

جمشید کے لیے وہ سب کچھ ناقابل یقین ہی تھا۔ ایک ثانیے کے لیے اس کا ذہن

گھوم کر رہ گیا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ پھر تیزی سے گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھ کر عابد حسین کی نبض ٹٹولی جس کی رفتار بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی...!

جمشید کے ذہن میں وہ گفتگو گونجنے لگی جو خاور سے آخری ملاقات کے بعد کسی نامعلوم شخص نے اس سے فون پر کی تھی.....!!



عالیہ حسب معمول صبح بیدار ہوئی تو ذیشان خوابگاہ میں موجود نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا' لباس تبدیل کیا۔ پھر اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم میں آگئی جہاں سنبل اور طاہرہ ہاتھ باندھے موجود تھیں۔ ذیشان کو ناشتے کی میز پر موجود نہ پا کر وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنے کام پر جا چکے ہوں گے۔ اسے ابھی تک اس بات کا بھی کوئی علم نہیں تھا کہ ذیشان کا کاروبار اور اس کی مصروفیات کس قسم کی ہیں۔ اس نے کبھی معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی اس نے خاموشی سے ناشتہ کیا' پھر اٹھ کر پائیں باغ کی طرف جانے لگی۔ ذیشان کی عدم موجودگی میں وہ اکثر ناشتے سے فارغ ہو کر پائیں باغ میں ہی اپنا کچھ وقت گزارتی تھی۔

مختصر سی راہداری عبور کرکے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو اچانک اس کی نظر ہدہد کے اس پنجرے پر پڑی جو لاؤنج کے درمیان ایک خوبصورت سی منقش گول میز پر رکھا ہوا تھا۔ پنجرے میں سنہری تالا لگا دیکھ کر وہ رک گئی۔ اسے یاد آگیا کہ ذیشان نے خاص طور پر اس پرندے کو نادر الوجود کہا تھا اور اس کی نگرانی کی تاکید کی تھی۔

عالیہ پنجرے کے قریب کھڑی ہدہد کو دیکھنے لگی جو اس کے قریب آنے کی وجہ سے غالباً سہم کر پنجرے میں ادھر ادھر اڑنے لگا تھا۔ ہدہد کی پریشانی محسوس کرکے اس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے دل ہی دل میں خوبصورت پرندے کو مخاطب کرکے کہا۔

"اس طلسم کدے میں آج تمہارا دوسرا دن ہے' اس لیے پھڑپھڑا رہے ہو۔ وقت جیسے جیسے گزرتا جائے گا تم بھی اس ماحول میں زندگی گزارنے کے عادی ہو جاؤ گے۔ تمہارے سر پر نظر آنے والا یہ تاج (کلغی) بادشاہت کی علامت ضرور ہے لیکن

اس محل نما کوٹھی میں صرف ذیشان کا حکم چلتا ہے جس نے تمہیں بھی قید کر لیا......"

ہدہد جو سراسیمگی کا شکار تھا' پنجرے کی ایک تیلی کو چھوڑ کر دوسرے رخ والی تیلی پر چلا گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی خوبصورت آنکھیں بار بار جھپک رہی تھیں۔ کدال نما سر کسی ایک مقام پر ٹھہرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ عالیہ اس کی وحشت محسوس کر رہی تھی۔ ایک معصوم اور آزاد پرندے کو بے بسی کی حالت میں دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ پہلی بار اس کے ذہن میں یہ خواہش ابھری کہ وہ ذیشان کی تاکید کو نظرانداز کرکے ہدہد کو آزاد کر دے۔ اسے یقین تھا کہ پنجرے میں لگے سنہری تالے کی چابی کسی کنیز کے پاس ہوگی۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں سنبل ہی کا نام ابھرا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبل کو آواز دے کر طلب کرتی' وہ پشت سے قدم اٹھاتی عالیہ کے سامنے آگئی۔

"تم..." عالیہ نے سنبل کو تیز نظروں سے گھورا۔ "میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ہر وقت پرچھائیں بن کر میرے ساتھ ساتھ نہ چمٹی رہا کرو۔ ضرورت ہوگی تو میں خود تمہیں بلا لوں گی۔"

"اگر آپ کو میری مداخلت ناگوار گزری ہے تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔" سنبل نے بڑے ادب سے اپنی بات جاری رکھی "لیکن میں آپ کو یہ بتانے کی خاطر آئی تھی کہ [illegible] اس کی چابی بھی آقا ہی کے پاس [illegible] کر اس کی نگرانی کریں۔"

عالیہ [illegible] اس کے ذہن میں یہ خیال بجلی بن کر کوندا کہ کہیں سنبل نے اس کے دل میں ابھرنے والی خواہش تو نہیں جان لی تھی۔ وہ جس پراسرار ماحول میں زندگی گزار رہی تھی' وہاں ہر بات ممکن تھی لیکن سنبل کے دوسرے جملے نے اس کے شبہے کی تردید کر دی۔

"ایک خاص بات اور عرض کرنی ہے جس کی وجہ سے مجھے قریب آنا پڑا۔ آقا نے اس بات کی ہدایت بھی بڑی سختی سے کی ہے کہ اس پرندے کو ان کے سوا کوئی

اور دانہ پانی نہیں دے گا۔"

"کوئی خاص وجہ.....؟" عالیہ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ہم آقا سے کسی بات کی وجہ معلوم کرنے کی جرات کبھی نہیں کرتے۔" سنبل نے بدستور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

"کیا میں بھی اس ہدہد کے سلسلے میں ذیشان کی ہدایات کی پابند ہوں۔" عالیہ نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ میں بھلا کیا عرض کر سکتی ہوں۔"

سنبل نے نظریں جھکا کر جواب دیا لیکن عالیہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ سنبل نے جس انداز میں اپنا جملہ ادا کیا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ ذیشان کے حکم کا اطلاق اس کی ذات پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئی لیکن اس نے سنبل سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی عزت کا جو بھرم قائم تھا' وہ اسے برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے کسی کنیز کے منہ لگنے کے بجائے وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی پائیں باغ میں جا کر ٹہلنے لگی لیکن اس کا ذہن بار بار ہدہد کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات رہ رہ کر کھٹک رہی تھی کہ آخر ایک پرندے کو اس قدر اہمیت کیوں دی جا رہی تھی؟ بڑی دیر تک وہ اس کی اہمیت پر غور کرتی رہی' پھر تھک ہار کر کچھ دیر ستانے کی غرض سے وہ سنگ مرمر کی ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے خوبصورت' حسین اور مہکتے پھولوں کی کیاری تھی جسے بیضوی شکل میں ترتیب دینے کی خاطر سرخ اینٹوں کو کنگوروں کے انداز میں کیاری کے اطراف میں بڑی چابکدستی سے لگایا گیا تھا۔

عالیہ نے وقت کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کے سلیقوں کو ضرور اپنا لیا تھا لیکن ماں باپ کی یاد اکثر اسے تڑپا دیا کرتی۔ اس وقت بھی بیٹھے بیٹھے اچانک اس کے ذہن میں ماں کا خیال آ گیا۔ ڈیڑھ ماہ کا عرصہ بہت طویل تھا۔ نہ جانے اتنی مدت تک انتظار کرتے کرتے اس کے دل پر کیا کیا قیامتیں نہ ٹوٹی ہوں گی؟ خدا جانے اب وہ عالیہ کو یاد بھی کرتی ہو گی یا رو پیٹ کر صبر کر چکی ہو گی؟ پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہو گی یا

عالیہ کی راہ تکتے تکتے اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے پتھرا گئی ہوں گی؟ غموں کے بوجھ سے آزاد ہو کر نہ جانے کہاں مٹی کے نیچے دفن ہو گی؟ اور اس کی جدائی میں باپ کا کیا حال ہو گا؟ عالیہ کی رخصتی کے بعد وہی تو ایک سہارا رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھ بند ہو جانے کے بعد باپ کس کے سہارے زندگی کے دن کاٹ رہا ہو گا.....؟ کیا وہ کبھی اس طلسم کدے سے رہائی پا کر اپنے والدین کی صورت دیکھ سکے گی یا وہ بھی......

عالیہ کا دل بھر آیا تو آنکھوں کے پیمانے بھی چھلک اٹھے۔ وہ اپنی حالت پر سسکنے لگی۔ سبزے پر لہلاتے حسین اور خوش رنگ پودے اور مہکتے پھول اس کی آنکھوں میں دھندلانے لگے تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یادوں کے دریچے کھول کر وہ ماضی میں جھانکنے لگی تو وقت کا احساس مٹ گیا۔ پھر وہ اس وقت چونکی جب کسی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر شاید اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

عالیہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھا لیکن وہاں اس کے سوا کوئی اور موجود نہیں تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ سر پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ اس نے خاص طور پر محسوس کیا تھا۔ ان ہاتھوں کے لمس نے اسے تسکین کا احساس دلایا تھا مگر یہ احساس آنکھ کھولتے ہی خوف میں بدل گیا تھا۔ آس پاس کسی کو موجود نہ پا کر وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے کسی دوسرے انسان کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی اس کے آس پاس ضرور موجود ہے۔ کہیں نہ کہیں دو نادیدہ آنکھیں ضرور تھیں جو اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی ہوں گی.....

عالیہ کے دل کی دھڑکنیں بتدریج تیز ہونے لگیں۔ اس طلسمی ماحول اور پریشان کن خیالات سے چھٹکارا پانے کی خاطر اس نے کوٹھی کے اندر واپس جانے کا ارادہ کیا مگر اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ اس کے پیر جیسے زمین پر جم کر رہ گئے تھے۔ اس نے گھبرا کر کسی کنیز کو آواز دینی چاہی مگر آواز نے اس کا ساتھ نہ دیا' حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بڑی مدھم آواز میں اس کے کان میں سرگوشی کر رہا ہو۔

"گھبراؤ مت.....یہ سحر جو قائم ہے' ضرور ٹوٹے گا مگر اس میں وقت لگے گا۔"

"کون؟.....کون ہے....؟" عالیہ نے گھبرا کر سوال کرنا چاہا لیکن ہونٹوں نے جنبش کرنے سے انکار کر دیا۔

"اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنا.....یہاں چاروں طرف ان گنت آنکھیں تمہارے اوپر جمی ہوئی ہیں.....میں نے ان طلسمی نظروں پر وقتی طور پر پردہ ڈال دیا ہے مگر یہ پردہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا۔ شیطانی قوتوں کو اگر کوٹھی میں میری موجودگی کا راز معلوم ہو گیا تو ان کے پہرے اور سخت ہو جائیں گے۔"

"میں اس گھٹن سے نجات چاہتی ہوں...ہمیشہ کے لیے۔ خواہ موت کی شکل میں ہی کیوں نہ حاصل ہو....؟" عالیہ نے سہمے ہوئے انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کرنا چاہا مگر اس بار بھی قوت گویائی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"میری بات غور سے سنو....تم اپنی نہیں کسی اور کی سزا بھگت رہی ہو۔"

"میں سمجھی نہیں.....کسی دوسرے کی سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟"

"ڈاکٹر ذیشان کے ایک نہیں' کئی روپ ہیں۔ تمہیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔ ہوشیاری اور ذہانت سے کام لینا ہوگا ورنہ اس کال کوٹھری سے کبھی چھٹکارا نہیں حاصل کر سکو گی۔"

"مجھے ہر سمت گھپ اندھیرا نظر آتا ہے.....فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔"

"وقت کا انتظار کرو.....ظلم ہمیشہ نہیں پھلتا پھولتا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں.....مجھے اپنا دشمن نہیں' دوست سمجھو....."

"لیکن....میں تم پر کس طرح اعتماد کر لوں؟ کس طرح یقین کر لوں کہ میرے لئے سازش کا کوئی نیا جال نہیں بنا جا رہا...."

"اس کا جواب تمہیں میں نہیں آنے والا وقت دے گا۔"

"وہ وقت کب آئے گا.....؟"

"ابھی کسی وقت کا تعین نہیں ہو سکتا لیکن ڈاکٹر ذیشان....."

پھر وہ سرگوشی یکلخت ختم ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی عالیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے

اس کی کھوئی ہوئی قوتیں واپس لوٹ آئی ہوں۔ اس نے ایک بار پھر سہمی سہمی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ دور دور تک کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ سرگوشیوں کے بارے میں غور کرنے لگے۔ ذہن پر زور دینے کے باوجود اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ سرگوشیاں کسی مرد کی تھیں یا عورت کی۔ وہ اس کا اپنا وہم بھی ہو سکتی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ بے خودی میں خود اپنے ہمزاد سے کلام کر رہی ہو...حقیقت کیا تھی؟ وہ کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکی۔

کچھ دیر عالیہ اپنی جگہ گم صم کھڑی رہی۔ پھر وہ خوف کی شدت ہی تھی جس نے اسے سنبل کو آواز دینے پر مجبور کر دیا۔ سنبل اس کے پکارتے ہی اس طرح نمودار ہوئی جیسے کہیں قریب ہی کھڑی ہو۔

"آپ نے شاید کنیز کو آواز دی تھی....؟" اس نے عالیہ سے پوچھا۔

"ہاں...." عالیہ نے مختصراً کہا۔ پھر وہ سنبل کی آنکھوں پر غور کرنے لگی۔ وہ نگاہیں اسے اپنے وجود کی گہرائیوں میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سنبل کی نگاہیں اس کا ایکسرے کر رہی ہوں۔ اس کے خیالات کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان آنکھوں میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ عالیہ کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔ اس نے جلدی سے اپنی توجہ دوسری طرف ہٹائی اور کوٹھی کی سمت قدم اٹھانے لگی۔ سرگوشی کا نامکمل جملہ اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ بات ڈاکٹر ذیشان سے متعلق تھی لیکن ادھوری چھوڑ دی گئی تھی....آخر کیوں۔ عالیہ نے سوچا "کیا اسے پریشان کرنے کی خاطر جان بوجھ کر ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا گیا تھا یا سرگوشی کرنے والی پراسرار شخصیت مخالف قوتوں کی نظروں میں آگئی تھی....؟"

اس گتھی کو سلجھانے کی خاطر وہ تادیر مختلف پہلوؤں پر غور کرتی رہی۔ پھر اس نے ایک فیصلہ کر لیا...اپنی پرچھائیں سے بھی محتاط رہنے کا فیصلہ..... سرگوشیوں میں ابھرنے والی آواز نے بھی اسے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ڈاکٹر ذیشان کے ایک نہیں' کئی روپ ہیں۔ اس کوٹھی کو بھی اس نے طلسم کدہ ہی کہا تھا جہاں ایک سحر قائم تھا۔ اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ سحر ایک نہ ایک دن ضرور ٹوٹے گا

aazzamm@yahoo.com

لیکن اس میں کتنا وقت لگے گا' اس کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔

عالیہ کا ذہن انہیں سرگوشیوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہ کوئی نادیدہ قوت تھی جس نے وقتی طور پر کوٹھی کے طول و عرض پر قائم طلسمی جال پر کوئی پردہ ڈال دیا تھا..... "لیکن کسی نادیدہ قوت کو اس کی خاطر خطرات سے ٹکرانے کی کیا ضرورت تھی؟" عالیہ نے سوچا۔ "کہیں وہ ذیشان ہی کی کوئی نئی چال تو نہیں تھی جس نے اسے اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلا کر قید کر رکھا تھا؟ اسے ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی جبکہ وہ اسے سرے سے جانتی ہی نہیں تھی۔ ذیشان نے یہ باور کرانے کی کوشش کیوں کی تھی کہ وہ اسے اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے جوانی کی سرحدوں میں پہلا قدم رکھا تھا؟ کیا یہ محض ایک خوبصورت سا جملہ تھا جو اس کا دل لبھانے کی خاطر برسبیل تذکرہ کہا گیا تھا یا اس کے پیچھے بھی کوئی پراسرار معمہ موجود تھا؟"

عالیہ حالات کا تجزیہ کرتی رہی۔ سرگوشیاں ابھرتے ابھرتے یکلخت اس انداز میں ختم ہو گئی تھیں جیسے کسی دوسری طاقت نے وہاں کسی کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ یہی ایک خیال عالیہ کو مضطرب کر رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل اسے بار بار مشورہ دے رہا تھا کہ اسے ان سرگوشیوں کے پیچھے چھپی ہوئی نادیدہ قوت کا یقین کر لینا چاہیے.....وہ سرگوشیاں ذیشان کی سازش نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذیشان نے تو اسے پہلے ہی کسی تجربے کار شکاری کی طرح اپنے جال میں پھنسا کر بے بس کر رکھا تھا۔ کنیزوں کی پوری ٹولی اس کی نگرانی پر مامور تھی۔ کوٹھی کے در و دیوار سے ٹکرا کر وہ شاید اپنے وجود کو تو ختم کر سکتی تھی لیکن فرار کا راستہ اختیار نہیں کر سکتی تھی۔ سرگوشیوں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی تھی کہ اگر اس نے پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی مصلحتوں کو نظرانداز کیا۔ ذہانت اور دور اندیشی سے کام نہ لیا تو وہ کوٹھی کی قید و بند سے تمام زندگی چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے گی.....اور پھر اچانک نادیدہ قوت کا ایک جملہ صدائے بازگشت بن کر اس کے ذہن میں گونجنے لگا۔

"تم اپنی نہیں..... کسی اور کی سزا بھگت رہی ہو۔"

عالیہ بڑی سنجیدگی سے اس جملے کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی' جب

سنبل کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ "آپ اس وقت مجھے کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں؟"

عالیہ نے چونک کر اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت اپنی خوابگاہ میں تھی۔ سنبل شاید اس کے پیچھے پیچھے قدم اٹھاتی اندر آ گئی تھی اور حسب معمول اس کی پشت پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ عالیہ کو اس کی موجودگی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ دو ایک بار پہلے بھی اسے تنبیہہ کر چکی تھی کہ بلاضرورت اس کے ساتھ سائے کی طرح نہ چمٹی رہے۔ اس وقت بھی عالیہ کے ذہن میں ایک پل کو یہ خیال آیا کہ وہ درشت لہجے میں سنبل کو دھتکار دے "وہ خود قیدی ہی سہی لیکن اس کی حیثیت بہرحال سنبل کے مقابلے میں بہتر تھی".....مگر عالیہ نے فوری طور پر خود کو سنبھالا۔ نادیدہ قوت نے اسے ذہانت اور عقلمندی سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر اچانک رونما ہونے والی تناؤ کی کیفیتوں کو دور کیا.....قدرے الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے لیکن....." عالیہ نے دانستہ اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"اگر یہ کنیز آپ کے کسی کام آ سکی تو اپنی خوش قسمتی پر ناز کرے گی۔" سنبل نے بڑی عاجزی کا اظہار کیا.....اس کی نظریں بدستور عالیہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم.....مجھ سے خفا تو نہیں ہو.....؟" عالیہ نے اپنی بے بسی کے اظہار کی بڑی خوبصورت اداکاری کی۔

"آپ کنیز کو شرمندہ کر رہی ہیں۔" سنبل کا جواب مودبانہ تھا۔

"یہ تمہارا حسن ظن ہے ورنہ میں شاید اپنی پریشانیوں کے سبب تمہیں بھی سخت الفاظ میں جھڑک چکی ہوں۔"

"ان باتوں کو بھول جائیے۔" سنبل نے سنجیدگی سے کہا "کنیز ہر حال میں آپ کی تابعدار ہے..... آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔"

عالیہ نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ ایک لمحے کو پرخیال انداز میں کچھ سوچتی رہی' پھر

بڑی دل شکستہ آواز میں بولی "سنبل تم بھی میری طرح ایک عورت ہو۔ اس لیے میرے دکھ درد کو بہتر سمجھ سکتی ہو۔ میں کئی بار تمہیں اپنا دوست بنانے کے بارے میں غور کر چکی ہوں لیکن ہر بار یہ خوف میرے ارادوں کے درمیان حائل ہوتا رہا کہ اگر تم نے بھی میری باتوں کو مذاق سمجھ کر نظرانداز کر دیا تو میں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاؤں گی۔"

"اس وہم کو دل سے نکال دیجئے۔" سنبل نے حسب معمول بڑی انکساری سے کہا "کنیز پر آپ آنکھ بند کرکے بھروسہ کرسکتی ہیں۔"

"سنبل...." عالیہ نے تھوڑے توقف سے دبی زبان میں پوچھا "کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی کہ جو کنیزیں میری خدمت پر مامور ہیں اور کوٹھی میں مقیم ہیں' وہ سب گونگی کیوں ہیں؟"

"آقا پرسکون زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ شور شرابہ اور بحث مباحثہ انہیں پسند نہیں' اسی لیے میرے علاوہ تمام کنیزوں کو سختی سے زبان بند رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان کی ملازمت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس لمحہ ان کی زبان سے کوئی لفظ ادا ہوا' ان کو ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا...." سنبل نے عالیہ کے قریب آتے ہوئے دبی زبان میں کہا "آقا ان کنیزوں کو ان کے کام کے مقابلے میں بہت زیادہ تنخواہ اور دیگر مراعات دیتا ہے۔ اس لیے وہ گونگی بنی رہتی ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟" عالیہ چونکی۔ "کیا وہ حقیقت میں گونگی نہیں ہیں؟"

"جی نہیں...." سنبل نے اس بار دزدیدہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر سرگوشی کے انداز میں بولی "آپ نے کنیز کو دوست سمجھا ہے تو میں آپ سے غلط بیانی نہیں کروں گی لیکن ایک درخواست ہاتھ جوڑ کر کروں گی.... آقا سے بھول کر بھی ان باتوں کا ذکر نہ کیجئے گا ورنہ میرا انجام دوسری کنیزوں کے مقابلے میں زیادہ عبرت ناک ہوگا۔"

"کیا تم ذیشان سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو؟" عالیہ نے تعجب کا اظہار کیا۔

"موت کے تصور سے بھی زیادہ....." سنبل نے روانی میں کہا۔ پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی "میں آقا کے سلسلے میں اس سے زیادہ زبان نہیں کھول سکتی۔"

"کیوں....کیا انہیں تمہاری باتوں کا علم دور ہونے کے باوجود ہو جاتا ہے؟"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں...." سنبل دو قدم بڑھ کر عالیہ کے اور قریب آ گئی۔ ایک بار پھر اس نے کنکھیوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر بڑی ہی مدھم آواز میں بولی "گونگی نظر آنے والی کچھ کنیزوں کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ دوسری کنیزوں پر نظر رکھیں اور ان کی مصروفیات کے بارے میں آقا کو آگاہ کرتی رہیں....طاہرہ کو خاص طور پر آپ کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہے..... اس سے ہمیشہ محتاط رہیے گا' وہ اوپر سے جتنی معصوم نظر آتی ہے' اندر سے اتنی ہی خطرناک ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت بھی خوابگاہ کے آس پاس کہیں موجود ہو۔"

"میں سمجھی نہیں....." عالیہ نے حیرت سے پوچھا "ذیشان کو میری نگرانی کرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں معافی چاہتی ہوں....." سنبل نے بدستور دبی آواز میں کہا "میں آقا کے سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

عالیہ نے سنبل کو گہری نظروں سے دیکھا لیکن فوری طور پر کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کے دل میں یہ شبہ سر ابھار رہا تھا کہ سنبل اپنی چکنی چپڑی اور لچھے دار باتوں سے اسے شیشے میں اتارنے کی خاطر ایک نیا انداز اختیار کر رہی ہے ورنہ جو معلومات وہ اس وقت فراہم کر رہی تھی' وہ پہلے بھی عالیہ کا اعتماد حاصل کرنے کی خاطر اس کے گوش گزار کر سکتی تھی۔

"سنبل....." عالیہ نے کچھ توقف کے بعد اسے آزمانے کی خاطر قدرے بے تکلفی سے پوچھا "کیا میں یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہوں؟"



"آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں؟" سنبل نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میں جب سے اس کوٹھی میں آئی ہوں' ایک بار بھی باہر نہیں نکلی۔ اپنے والدین سے بھی نہیں مل سکی۔ کیا تم اسے آزادی کہہ سکو گی؟"

میرا خیال ہے کہ اگر آپ آقا کے ہمراہ باہر جانے کی درخواست کریں تو وہ آپ کی خواہش کا احترام ضرور کریں گے۔" سنبل نے بڑے یقین سے جواب دیا' پھر ہچکچا کر بولی "شرط یہ ہے کہ آپ اپنے والدین سے ملنے کی ضد نہیں کریں گی۔"

"وہ کیوں.....؟" عالیہ کے ذہن کو ایک دھچکا سا لگا۔

"آقا کسی وجہ سے آپ کے والدین سے ناراض ہیں۔"

"کیا تم وہ وجہ مجھے بتا سکتی ہو؟" عالیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ والدین کے ذکر پر وہ جذباتی ہونے لگی تھی۔

"میں مجبور ہوں....." سنبل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "آقا کے سلسلے میں اگر میں نے کسی راز سے بھی پردہ اٹھایا تو میری موت اتنی بھیانک اور اذیت ناک ہوگی کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

عالیہ تلملا کر رہ گئی۔ سنبل کی باتیں اور اس کا کردار عجیب پراسرار رنگ اختیار کرتا جا رہا تھا۔ وہ جس انداز میں ذیشان کے سلسلے میں گفتگو کر رہی تھی۔ اس سے یہی اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ وہ ذیشان کی زندگی کے بہت سارے سربستہ رازوں سے واقف ہے لیکن کسی وجہ سے ان کے انکشاف سے ڈرتی ہے.....وہ وجہ کیا ہو سکتی تھی؟

"میں دوست کی حیثیت سے آپ کو ایک مشورہ دوں گی۔" سنبل نے مہر سکوت توڑی "دوسری کنیزوں کے سامنے آپ کا برتاؤ مجھ سے سخت اور کھنچا کھنچا نظر آنا چاہیے۔ اس کے علاوہ میری ایک شرط بھی ہے۔"

"کیسی شرط.....؟" عالیہ نے پوچھا۔

"آپ تنہائی میں بھی کبھی میرے بارے میں کوئی بات نہیں سوچیں گی۔" سنبل کا مطالبہ بڑا معنی خیز تھا۔

"کیا مطلب.....؟" عالیہ کا اضطراب بڑھنے لگا۔

"اس کوٹھی میں کچھ قوتیں ایسی بھی ہیں جو دلوں میں ابھرنے والے خیالات بھی پڑھ لیتی ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں....." عالیہ نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا اس وقت وہ قوتیں ہمارے درمیان ہونے والی باتوں سے بے خبر ہوں گی؟"

"میں تفصیل بتانے سے گریز کروں گی۔" سنبل نے دبی زبان میں کہا۔ "صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ جب تک میں آپ سے ازخود بے تکلفی کا اظہار نہ کروں' آپ کو احتیاط برتنی ہوگی۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔" عالیہ الجھنے لگی۔

"ان باتوں کو سمجھنے میں آپ کو کچھ وقت لگے گا۔" سنبل نے رازداری سے بات جاری رکھی "میں آپ کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ایک درخواست اور بھی کروں گی..... آپ کی نظریں اگر کبھی کوئی خلاف توقع منظر دیکھیں تو اس پر یقین نہ کیجیے گا۔ اس کوٹھی کی حدود میں ہر ناممکن بات ممکن ہو سکتی ہے لیکن اس کی حقیقت ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"

"تم سمجھ سکتی ہو.....؟" عالیہ نے سنبل کو بغور دیکھا جس کی ہر بات ایک نیا رنگ اختیار کرتی جا رہی تھی۔

"ہدہد کے پنجرے سے دور رہنا آپ کے حق میں زیادہ سودمند ثابت ہوگا۔" سنبل نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے سرگوشی کی "کسی کو بھی اس بات کا شک نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اس پرندے میں دلچسپی لے رہی ہیں۔"

عالیہ ہدہد کے پنجرے کے حوالے سے بری طرح چونکی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا کہ کہیں وہ پراسرار سرگوشیاں جو اس نے کچھ دیر پہلے پائیں باغ میں سنی تھیں، سنبل ہی کی تو نہیں تھیں.....؟ کیا سنبل ہی وہ نادیدہ قوت تھی جو کسی وجہ سے اس کے کام آنا چاہتی تھی؟

"طاہرہ آرہی ہے، اب آپ مجھے اپنی ادنیٰ کنیز سمجھ کر مخاطب کریں۔" سنبل نے مدھم لہجے میں کہا۔ پھر اس کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات بھی حیرت انگیز طور پر تبدیل ہو گئے۔ اسی لمحے عالیہ نے طاہرہ نامی کنیز کو دروازے سے داخل ہوتے دیکھا تو اس کی حیرت دوچند ہو گئی..... سنبل دروازے کی جانب پشت کیے کھڑی تھی.....

جمشید اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا خاور کو عابد حسین سے اپنی ملاقات اور وہاں پیش آنے والے اس پراسرار واقعے کی تفصیل سنا رہا تھا جس نے اس کے ذہن کو بری طرح الجھا رکھا تھا۔ اس نے خون میں نہائے ہوئے بچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس کی کربناک چیخ کی آواز سنی تھی۔ پھر در و دیوار سے قہقہوں کا ابھرنا اور اس کے بعد سب کچھ حیرت انگیز طور پر غائب ہو جانا، یہ ایسی ناقابل یقین باتیں تھیں جس پر جمشید انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ ان تمام باتوں کو خاور کے سامنے دہراتے وقت بھی اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے منے قطرے صاف نظر آرہے تھے۔

"اب تمہارا کیا خیال ہے؟" خاور نے سنجیدگی سے پوچھا "کیا ڈاکٹر ذیشان کی شخصیت کے پیچھے کوئی شیطانی ہاتھ کام نہیں کر رہا؟ عالیہ کی گمشدگی بھی اسی کی پراسرار ذات سے منسلک ہے۔"

"جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اسے میں جھٹلا تو نہیں سکتا لیکن اس پر یقین بھی نہیں آرہا....." جمشید نے کرسی پر کسمسا کر بدستور سنجیدگی سے کہا، پھر کچھ سوچ کر بولا "وہ سب کچھ اتنا بھیانک اور ہولناک تھا کہ تمہارے عابد حسین صاحب بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اب تک ہسپتال میں بے ہوش پڑے ہیں۔"

"ان کی حالت زیادہ تشویشناک تو نہیں ہے؟" خاور نے پوچھا۔

"یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکٹر نے فوری طور پر یہی خدشہ ظاہر کیا ہے کہ ان کے ذہن پر کسی بات کا گہرا اثر ہوا ہے۔"

"وہ کس ہسپتال میں داخل ہیں؟" خاور نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"پریشان مت ہو....." جمشید نے تسلی دی۔ "میں نے اول تو انہیں بھی اسی

ہسپتال میں داخل کرایا ہے جہاں ان کی مسز زیرعلاج ہیں۔ اس کے علاوہ میرا ایک آدمی ان کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ عابد حسین کے بارے میں بے ہوشی کا سن کر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔

"تم کیا سوچنے لگے.....؟" جمشید نے اسے کریدنے کی خاطر پوچھا۔

"پہلے عالیہ۔ پھر آنٹی اور اب عابد صاحب....." خاور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "کیا تمہارے خیال میں ان تمام حادثوں کے پیچھے ممی کی وہ تلخ باتیں تو نہیں ہیں جو انہوں نے عالیہ کے بارے میں اس کے گھر جا کر......"

"اب تو جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔" جمشید نے خاور کی بات کاٹ کر کہا "پرانی باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل ہوگا؟"

خاور کے کوئی جواب دینے سے پہلے فون کی گھنٹی بجی اور جمشید نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ ہیلو کہنے کے بعد وہ دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سنتا رہا' پھر بولا۔

"فی الحال تم وہیں ٹھہرو۔ میں کسی دوسرے آدمی کا بندوبست کرتا ہوں۔" جمشید نے جملہ مکمل کرکے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ پھر خاور کو دیکھتے ہوئے بولا "اسی شخص کا فون تھا جسے میں عابد حسین کی دیکھ بھال کے لیے ہسپتال چھوڑ آیا تھا۔"

"کوئی خاص خبر....؟" خاور نے تیزی سے دریافت کیا۔

"ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ مسٹر عابد حسین کے دماغ کو کوئی ایسی شدید چوٹ پہنچی ہے جس کے بارے میں کوئی نیورو سرجن ہی حتمی فیصلہ کر سکتا ہے۔ بہرحال تفصیلی معائنہ اور ضروری ایکسرے وغیرہ کرنے کے بعد ہسپتال کے ڈاکٹروں نے فی الحال ان کی کیفیت کو تشویش ناک قرار نہیں دیا لیکن یہ بھی کہا ہے کہ اگر مریض کو اگلے چھتیس گھنٹوں تک ہوش نہ آیا تو کیس کی موجودہ نوعیت کوئی خطرناک رخ بھی اختیار کر سکتی ہے۔"

"ایسی صورت میں تو ہمیں فوری طور پر انہیں کسی نیورو سرجن کو دکھانا چاہیے۔" خاور نے بے چینی کا اظہار کیا "چھتیس گھنٹوں تک انتظار کا رسک کیوں لیا جائے؟"

"ڈونٹ یو وری۔" جمشید نے اطمینان سے کہا' پھر اس نے فون اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔ تقریباً سات منٹ تک باتیں کرتا رہا۔ پھر ریسیور رکھ کر خاور سے مخاطب ہوا "میرا خیال ہے کہ سرجن احتشام کے بارے میں تم نے بھی سنا ہوگا۔ اس وقت ذہنی امراض کے معاملے میں انہی کا نام ٹاپ پر ہے۔"

"میں ذاتی طور پر بھی ان سے مل چکا ہوں۔" خاور نے جواب دیا "سرجن احتشام ڈیڈ کے واقف کاروں میں سے ہیں۔ وہ اگر عابد انکل کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیں تو بہت مناسب رہے گا لیکن.....کیا سرجن احتشام اس خیراتی ہسپتال میں جانا پسند کریں گے؟"

"انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آج رات میں کسی وقت وہ عابد حسین کو ضرور اٹینڈ کر لیں گے۔" جمشید نے کہا "تم اس سلسلے میں بالکل بے فکر ہو جاؤ اور صرف عالیہ کے بارے میں سوچو کہ ہم اسے کس طرح برآمد کر سکتے ہیں۔"

"سب سے پہلے ہمیں ڈاکٹر ذیشان کا معمہ حل کرنا ہوگا جو ہر اعتبار سے مشکل نظر آ رہا ہے۔" خاور نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"تمہارے لیے ایک اور اطلاع بھی ہے میرے پاس۔" جمشید نے کہا "جو کوٹھی عابد حسین کو دکھائی گئی تھی' وہ ہمارے مطلوبہ ڈاکٹر ذیشان کی نہیں ہے۔ میں نے اپنے ایک خاص ماتحت کے ذریعے پوری رپورٹ حاصل کر لی ہے۔ اس کوٹھی میں جو ڈاکٹر ذیشان مقیم ہے' اس کے بارے میں وہی رپورٹ سامنے آئی جو عابد حسین کوٹھی کے چوکیدار کی زبانی سن چکے ہیں۔ میری اطلاع کے مطابق وہ دس گیارہ روز بعد واپس آجائے گا.....رہا سوال ہمارے مطلوبہ ڈاکٹر ذیشان کا تو جو شخص ماورائی قوتوں کا مالک ہو' اس کے لیے ہمیں بھی کچھ مخصوص انداز میں سوچنا ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں....."

"لوہے کو لوہا ہی زیادہ بہتر طور پر کاٹ سکتا ہے۔" جمشید نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں ذاتی طور پر بلیک میجک اور تعویز گنڈے کرنے والوں کا قائل نہیں ہوں لیکن عالیہ کی خاطر مجبوراً کسی ایسے آدمی کی تلاش کرنی پڑے گی جو سیر پر سوا سیر ثابت ہو سکے.....یعنی ڈاکٹر ذیشان سے زیادہ پراسرار قوتوں کا مالک ہو۔"

"میں تمہارا پوائنٹ سمجھ گیا لیکن ایسا آدمی ہمیں ملے گا کہاں؟"

"اس کی تلاش بھی ہو جائے گی....." جمشید نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا "فی الحال میں ایک ایسے شخص کا انتظار کر رہا ہوں جس کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے میجک بال (MAGIC BALL) کے ذریعے سمندر کی سات تہوں کے نیچے روپوش کسی مجرم کا ٹھکانہ بھی دریافت کر سکتا ہے۔ ہمارے ہی محکمے کے ایک آفیسر اس کے بڑے معتقد ہیں۔ میں نے انہی کے ذریعے اسے بلوایا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ میجک بال کے ذریعے عالیہ کے بارے میں کیا کچھ بتاتا ہے؟"

خاور اور جمشید تقریباً آدھے گھنٹے تک عالیہ، ڈاکٹر ذیشان اور عابد حسین کے گرد گھومنے والی پراسرار کہانی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے۔ پھر ایک سپاہی نے اندر داخل ہو کر جمشید کو کسی پروفیسر کالیا کے آمد کی اطلاع دی۔ جمشید نے سپاہی سے کہا کہ وہ اسے اندر بھیج دے۔

"پروفیسر کالیا....؟" خاور نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ میں یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں۔"

"سنا بھی ہوگا اور اخباروں میں اس کا اشتہار بھی دیکھا ہوگا۔" جمشید نے مسکرا کر کہا "اس وقت ملاقات بھی کر لیں۔"

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک سیاہ رنگت کا دراز قد آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے سیاہ پتلون پر سیاہ رنگ ہی کا لمبا سا چوغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر سفید رنگ کی فلیٹ ہیٹ تھی۔ آنکھوں پر موٹے فریم کا سیاہ چشمہ تھا۔ ہاتھ میں اس نے سیاہ رنگ ہی کا میڈیکل بیگ پکڑ رکھا تھا۔ خاور اسے بڑی توجہ سے دیکھنے لگا۔

"خاکسار کو پروفیسر کالیا کہتے ہیں۔" آنے والے نے جمشید کی اجازت کے بغیر ہی

ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر فلیٹ ہیٹ اتار کر اپنی گنجی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے گھمبیر لہجے میں بولا "مجھے ڈی ایس پی سراج صاحب نے اس وقت آپ سے ملاقات کرنے کو کہا تھا۔"

"مجھے بھی آپ کا انتظار تھا۔" جمشید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ پھر کچھ توقف سے بولا "دراصل مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش ہے جو ڈیڑھ دو ماہ سے کہیں روپوش ہو گئی ہے۔"

"ون منٹ...." پروفیسر کالی نے ہاتھ اٹھا کر جمشید سے کہا۔ پھر اپنا بیگ کھول کر اس میں سے پہلے لکڑی کا گول رنگ نکال کر میز پر رکھا۔ پھر سفید پلاسٹک کا فٹ بال نما ایک گولا نکال کر لکڑی کے رنگ پر رکھ دیا۔ سفید رنگ کے اس گولے کو مخصوص انداز میں رکھنے کے بعد پروفیسر نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لمحے تک اس کے ہونٹ متحرک رہے۔ پھر اس نے آنکھیں دوبارہ کھول کر سفید فٹ بال نما گولے پر تین بار زور زور سے پھونک ماری اور پیشہ ورانہ انداز میں بولا "میجک بال کا بول بالا.....جھوٹے کا منہ کالا۔ میں لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتا، جادو وہی ہے جو سر چڑھ کر بولے.....ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ تفصیلی گفتگو کرکے بال کی کھال نکالنا میرا کام نہیں۔ اگر مطلوبہ لڑکی کا پتہ نہ بتا دوں میرا نام نہیں۔ جو خدائی کا دعویٰ کرے، وہ کافر۔ جو مقابل کو چت کر دے وہ جابر.....ہاں تو محترم، آپ اب لڑکی کا نام بتائے اور اس کا پتہ پائے۔"

خاور پورے انہماک سے پروفیسر کالیا کی حرکتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جمشید کی نظریں بھی اسی پر مرکوز تھیں۔ پروفیسر نے خاموشی اختیار کی تو جمشید نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"لڑکی کا نام بتانے سے پیشتر میں کچھ اور سوالات کے جوابات بھی چاہتا ہوں۔"

"پوچھیے....." پروفیسر نے کہا، پھر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیاں پھیلا کر اسے میجک بال کے اوپر نیچے لہرانے لگا۔ اس کی نگاہیں بھی میجک بال پر مرکوز تھیں۔

"پہلا سوال یہ ہے کہ لڑکی زندہ ہے یا مرچکی ہے......؟"

پروفیسر کالی کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پھیلی ہوئی انگلیاں میجک بال پر ادھر ادھر ایک مخصوص فاصلے سے لہراتی رہیں۔ جمشید کا سوال سن کر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگا۔ اس کی مدھم آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح کچھ دیر سنائی دیتی رہی' پھر اس نے واضح الفاظ میں جواب دیا۔

"لڑکی جوان ہے......خوبصورت ہے......اور ابھی زندہ ہے......"

"وہ جہاں ہے' وہاں خوش ہے یا کسی نے اسے زبردستی روک رکھا ہے؟" جمشید نے دوسرا سوال کیا۔

"لڑکی کا نام کیا ہے......؟" پروفیسر کالی نے کچھ دیر بدبدانے کے بعد بڑی تیزی میں دریافت کیا۔

"عالیہ......" جمشید نے نام بتا دیا۔ اس کی تیز نظریں ماہرانہ انداز میں پروفیسر کالیا کی حرکتوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"باپ کا نام......" پروفیسر نے دوسرا سوال بھی بڑی جلدی میں کیا۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی شدید الجھن اور مشکل میں گرفتار ہو۔

"عابد حسین......" جمشید نے آہستہ سے کہا۔

کچھ دیر تک کمرے میں گہری خاموشی طاری رہی۔ پروفیسر کالیا اب کرسی پر بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ خاور اور جمشید دونوں اسے گھور رہے تھے۔

"ستارے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔" پروفیسر کالیا کی گھٹی گھٹی آواز خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی ابھری "لڑکی خوش نہیں ہے۔ اسے شیطانی قوتوں نے گھیر رکھا ہے......میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ سخت مضطرب ہے۔ سہمی سہمی سی اور......دھند......چاروں طرف دھند کی گہری سیاہ چادر پھیل رہی ہے۔ مجھے اب کچھ نظر نہیں آرہا۔"

پروفیسر کالی نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں سے الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات مترشح تھے۔

"اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا "یہ پہلا اتفاق ہے۔"

"کیا آپ نے لڑکی کو دیکھا تھا؟" خاور نے بے چینی سے دریافت کیا۔ پھر اس وقت اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب پروفیسر کالی نے تفصیل سے عالیہ کا حلیہ' قد و قامت اور ناک نقشہ بیان کرنا شروع کیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے عالیہ اس کے سامنے موجود ہو اور وہ اسے سرتاپا دیکھ رہا ہو......!

"شیطانی قوتوں سے تمہاری کیا مراد ہے پروفیسر؟" جمشید نے پوچھا۔

"میں پوری طرح حالات کا جائزہ نہیں لے سکا۔ شاید ان نادیدہ طاقتوں کو اس بات کی بھنک مل گئی کہ میں اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو ان کے قبضے میں ہے۔ اسی لیے چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا۔" پروفیسر کالی نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ "کاش آپ نے مجھے پہلے کچھ تفصیل بتا دی ہوتی تو میں کوئی توڑ کرلیتا......اب وہ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ اس لیے وہاں تک میری رسائی ناممکن ہو گئی ہے۔"

"پروفیسر کالیا......" جمشید نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا "تم نے کہا تھا کہ ستارے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ اس سے تمہاری مراد کیا تھی؟"

"میں نے جو کچھ کہا' وہ غلط نہیں ہو سکتا۔" پروفیسر نے پورے یقین اور بڑے اعتماد سے کہا "لڑکی جس صورتحال میں گرفتار ہے' اس کی ذمہ داری کسی اور پر بھی عائد ہوتی ہے۔ وہ کسی دوسرے کی وجہ سے موجودہ حالات کا شکار ہوئی ہے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ دوسری شخصیت کس کی ہے؟" خاور نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔ پروفیسر کا جواب سن کر اس کی پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ شاید اس لیے کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی عالیہ کی بربادی کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔

"اب یہ ممکن نہیں۔" پروفیسر نے مایوسی کا اظہار کیا۔

"کوئی ایسی صورت جو لڑکی کو اس عذاب سے چھٹکارا دلا سکے جس میں وہ مبتلا ہے؟" جمشید نے اصرار کیا "ایک بار پھر اپنے میجک بال کی قوت کو آزماؤ۔ تمہیں اتنی جلدی اپنی شکست نہیں تسلیم کرنی چاہیے۔"

"مجھے افسوس ہے آفیسر۔ اب بات میرے امکان سے باہر ہو چکی ہے۔" پروفیسر نے معذرت کی۔ پھر اپنا سامان سمیٹ کر اٹھتے ہوئے بولا "میں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ لڑکی جس جنجال میں پھنس گئی ہے' اس سے چھٹکارا پانے کے لیے کسی کو اپنی زندگی کی قربانی دینی پڑے گی۔ اس کے بغیر لڑکی کو نجات نہیں ملے گی۔"

"قربانی کسے دینی ہوگی؟" خاور نے پھر بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

"اسی کو جس کی غلطی کی سزا لڑکی کو مل رہی ہے۔"

"وہ کوئی مرد ہے یا عورت؟" جمشید نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"میں اس وقت یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پھر پروفیسر کالیا رخصت ہوگیا تو جمشید نے خاور کو مخاطب کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے......وہ دوسری شخصیت کس کی ہو سکتی ہے؟"

"ممی....." خاور نے کسمسا کر جواب دیا "ان کے درمیان میں آجانے سے حالات یکلخت بدل گئے تھے۔"

"میں تمہارے خیال سے متفق نہیں ہوں۔" جمشید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ پھر اس طرح خلاء میں گھورنے لگا جیسے وہ اس شخصیت کی تلاش میں ہو جس کے بارے میں پروفیسر کالی نے بڑے یقین سے قربانی پیش کرنے والی بات کہی تھی۔



اکبر برلاس نے خاور کے سلسلے میں بظاہر خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ عالیہ کی شادی ہو جانے کے بعد اب گڑے مردے اکھاڑنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا لیکن انہیں اس بات کا دکھ ضرور تھا کہ شبانہ بیگم نے اپنی امارت کے گھمنڈ میں عالیہ کے سلسلے میں جو کردار ادا کیا تھا' وہ ان کے شایان شان نہیں تھا۔ ان کی وجہ سے نرگس کے والد سردار علی نواز کے گھرانے سے اکبر برلاس کا میل جول بھی تقریباً ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

اکبر برلاس کی خاموشی کی ایک وجہ وہ پراسرار حالات بھی تھے جو انہیں اپنے آفس میں پیش آئے تھے۔ کسی نوارد کی فون کالس اور فحش تصویروں کا بادامی لفافہ ان کے

ذہن میں ابھی تک محفوظ تھا جس کی وجہ سے انہیں خاور کے معاملے میں شبانہ بیگم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے لیکن جب سے انہیں عالیہ اور اس کے والدین کے بارے میں پریشان کن حالات کا علم ہوا تھا' وہ شبانہ بیگم سے اور زیادہ کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ عالیہ کے سلسلے میں ان کی معلومات کا ذریعہ سردار علی نواز ہی تھے جن سے ایک محفل میں اکبر برلاس کی سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ اکبر برلاس کے دریافت کرنے پر ہی سردار علی نواز نے مختصراً طور پر عالیہ کی پراسرار گمشدگی اور اس کی ماں کو پہنچنے والے ذہنی صدمے کے بارے میں بتایا تھا۔

اکبر برلاس نے سب کچھ سن کر خاموشی ہی مناسب سمجھی تھی لیکن ان کے ذہن میں اس خیال نے کئی بار سر ابھارا تھا کہ وہی پراسرار قوتیں جو خاور اور عالیہ کی شادی کے سلسلے میں ان کے آڑے آچکی تھیں' شاید عالیہ کی گمشدگی کی ذمہ دار بھی ہوں لیکن ایک بات ان کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ آخر عالیہ اور خاور کی شادی میں رخنہ اندازی پیدا کرکے کسی کو کیا مل سکتا تھا؟ عالیہ اور ڈاکٹر ذیشان کا شادی کے بعد اس طرح غائب ہو جانا کہ کسی کو ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہو سکی' یہ بھی ایک پراسرار معمہ تھا جس نے عالیہ کی والدہ کو بھی ذہنی مریض بنا دیا تھا۔

عالیہ کا مسئلہ ختم ہو جانے کے بعد اکبر برلاس نے سکون کا سانس لیا تھا لیکن خاور کی بدلتی ہوئی کیفیتوں کو دیکھ کر ان کا سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچنا قدرتی امر تھا۔ اس لیے کہ خاور ان کا اکلوتا بیٹا تھا جس سے ان کے مستقبل کی ہزاروں امیدیں وابستہ تھیں۔ شبانہ بیگم سے اکبر برلاس نے اس لیے سرد جنگ اختیار کر رکھی تھی کہ انہوں نے خاور کے لیے کرنل نوازش کی بیٹی نازش کا انتخاب کیا تھا جس کا ایک بوڑھی بیوہ چچی کے سوا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ یہ بھی درست تھا کہ تن تنہا کرنل نوازش کی اربوں کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کی مالک تھی مگر اکبر برلاس کو خاور کے لیے یہ رشتہ پسند نہیں آیا جس کی وجہ نازش کا ضرورت سے زیادہ موڈرن ہونا تھا۔ وہ مغربی تہذیب کی دلدادہ تھی۔ ضرورت سے زیادہ آزاد خیال اور خود مختار طبیعت کی مالک تھی۔ کرنل نوازش کی آنکھ بند ہو جانے کے بعد اسے اور زیادہ کھل

کھیلنے کا موقع میسر ہو گیا تھا- اکبر برلاس کو یہ بھی علم تھا کہ خاور بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا مگر انہوں نے شبانہ بیگم سے اس موضوع پر ازخود بات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن دل میں یہ ضرور طے رکھا تھا کہ عالیہ کے بعد وہ اب کھل کر خاور کا ساتھ دیں گے اور شبانہ بیگم کو مزید من مانی نہیں کرنے دیں گے-

حسبِ معمول وہ آج بھی رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنی اسٹڈی میں چلے گئے- عالیہ کی شادی کے بعد سے ان کے اور شبانہ بیگم کے درمیان جو کھنچاؤ کی صورت پیدا ہو گئی تھی' اس کی شدت کو ختم کرنے کی خاطر اکبر برلاس نے ڈنر کے بعد اسٹڈی میں جا کر کتابوں کے ساتھ دل بہلانا شروع کر دیا تھا- شبانہ بیگم نے اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا لیکن اس پر احتجاج کرنا بھی کسرِشان سمجھا تھا- ان کا خیال تھا کہ اکبر برلاس ہفتہ دس دن اسٹڈی میں گزارنے کے بعد پھر بیڈ روم ہی کا رخ اختیار کریں گے لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور رسہ کشی کی صورت جاری رہی- اکبر برلاس کو مطالعہ کا ہمیشہ شوق رہا تھا- اس لیے وہ گیارہ بارہ بجے رات تک اپنی پسند کی کتابوں سے دن بھر کی تھکن دور کرتے رہتے- پھر خاموشی سے خوابگاہ میں جا کر رسمی طور پر شبانہ بیگم سے دو ایک بات کرتے اور لائٹ آف کر کے سونے لیٹ جاتے تھے-

آج بھی وہ تھکے ہارے خوابگاہ میں داخل ہوئے تو ان کا خیال تھا کہ شبانہ بیگم لیٹ چکی ہوں گی لیکن ان کا اندازہ خلاف توقع غلط ثابت ہوا- شبانہ بیگم نہ صرف جاگ رہی تھیں بلکہ ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھی کسی گہرے خیال میں مستغرق تھیں-

"کیا بات ہے.....؟" اکبر برلاس نے سرسری انداز میں دریافت کیا "کیا آج نیند نہیں آ رہی؟"

"میں اس وقت ایک اہم مسئلے پر غور کر رہی ہوں-" شبانہ بیگم نے شوہر کی جانب دیکھے بغیر سپاٹ لہجے میں جواب دیا-

"ایسا کون سا مسئلہ ہے جو رات کے ساڑھے گیارہ بجے درپیش آگیا؟" اکبر برلاس نے کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا-

"میں خاور کے بارے میں سوچ رہی ہوں-"

"خاور کے بارے میں....." اکبر برلاس کو چونکنا پڑا- "کیا ہوا خاور کو؟"

"میں اس کی شادی کے بارے میں غور کر رہی ہوں-" شبانہ بیگم نے پہلی بار شوہر کی جانب دیکھ کر سنجیدگی سے کہا "میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ گھر سے دور ہوتا جا رہا ہے- میرے حکم کو نظرانداز کرنے لگا ہے- اسے ڈھیل دینے کے بجائے اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس کے پیروں میں ذمہ داری کی بیڑیاں ڈال دی جائیں- آپ میری طبیعت سے واقف ہیں' میں سرکشی برداشت کرنے کی عادی نہیں ہوں....."

"خاور سے شادی کے موضوع پر کوئی بات ہوئی ہے آپ کی؟"

"میں نازش کے سلسلے میں اپنے فیصلے سے اسے آگاہ کر چکی ہوں لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ ابھی تک اسی دو کوڑی کی لڑکی کی محبت کے مالیخولیا میں گرفتار ہے جو شادی کے بعد ماں باپ کو چھوڑ کر شوہر کے ساتھ کہیں فرار ہو گئی ہے-" شبانہ بیگم نے اپنی نفرت کا اظہار بڑے کڑوے انداز میں کیا-

"جو لڑکی شادی کے بعد شوہر کے ساتھ کہیں چلی جائے' اسے مفرور نہیں کہا جاتا-" اکبر برلاس نے دبی زبان میں بیوی کی تصحیح کرنے کی کوشش کی-

"لیکن جو لڑکی ایک شریف لڑکے کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر کسی دوسرے کے ساتھ شادی کر لے اور پھر والدین سے بھی منہ پھیر لے' میں اسے شریف زادی بھی نہیں کہہ سکتی-" شبانہ بیگم نے تنک مزاجی سے کہا "جو بدچلن اور آوارہ اپنے والدین کی نہ ہوئی' وہ بھلا شوہر کی کیا ہو گی.....؟"

اکبر برلاس نے کوئی جواب نہیں دیا' تلملا کر رہ گئے-

"میں غور کر رہی ہوں کہ نازش اور خاور کی شادی کا فوری طور پر باقاعدہ اعلان کر دیا جائے اور ایک مہینے بعد کی کوئی تاریخ بھی پکی کر دی جائے-" شبانہ بیگم نے ٹھوس آواز میں اپنی بات جاری رکھی "خاور کو سیدھے راستے پر لانے کا یہی ایک راستہ ہے-"

"مجھے آپ کے غور کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مناسب ہو گا کہ خاور کی مرضی بھی معلوم کر لی جائے-" اکبر برلاس نے سنبھل کر جواب دیا-

"میں اسے اپنی پسند سے بہت پہلے آگاہ کر چکی ہوں۔ اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔"

"ایک بار اور پوچھ لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" اکبر برلاس نے سنجیدگی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو۔"

"اس کے باوجود اس گھر میں وہی ہوگا جو میں پسند کروں گی۔" شبانہ بیگم نے کسی سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا "میں حالات سے اتنی بے خبر نہیں ہوں جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ وہ آج کل کن چکروں میں اپنا قیمتی وقت برباد کر رہا ہے۔ نرگس کے ہونے والے شوہر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جمشید کے ساتھ اس کا میل جول کیوں بڑھ رہا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں۔ مجھے اس بات کی اطلاع بھی مل چکی ہے کہ اسکول ماسٹر عابد حسین نے لوگوں سے منہ چھپانے کی خاطر اپنا سرکاری کوارٹر چھوڑ کر ایک گھٹیا علاقے میں رہائش اختیار کر رکھی ہے۔ اس کی بیوی خیراتی ہسپتال میں پڑی اپنی بیٹی کو رو رہی ہے اور......"

"پلیز بیگم......" اکبر برلاس نے تیزی سے کہا "اب ان باتوں سے کیا حاصل؟"

"یہی تو سوچ رہی ہوں کہ خاور اس لڑکی کی خاطر کیوں اپنا وقت برباد کر رہا ہے جو اب ہمارے گھر میں کسی ملازمہ کی جگہ بھی نہیں لے سکتی۔" شبانہ بیگم نے بدستور غصے سے جواب دیا۔ پھر بل کھا کر بولی "جمشید کو شاید میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔"

"بات نازش کی ہو رہی تھی......" اکبر برلاس نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "دوسروں کا ذکر درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"گڈ......" شبانہ بیگم نے شوہر کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہا "میں بھی چھوٹے لوگوں کے ذکر کو پسند نہیں کرتی......ویسے بائی دی وے (By the Way) آپ کا کیا فیصلہ ہے نازش کے سلسلے میں؟"

"میرا مشورہ ہے کہ ہمیں خاور کی مرضی دوبارہ معلوم کر لینی چاہیے......"

"اور اگر اس نے میرا حکم ماننے سے انکار کیا تو......؟" شبانہ بیگم کی پیشانی شکن

آلود ہو گئی۔

"میں اسے مجبور کرنے کی کوشش نہیں کروں گا......"

"گویا آپ کو نازش کا رشتہ پسند نہیں ہے۔" شبانہ بیگم نے شوہر کو تیز نظروں سے گھورا۔

"بات نازش کے رشتے کی نہیں......خاور کی پسند کی ہے۔" اکبر برلاس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"اور میری پسند کی آپ کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں۔" شبانہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر سرد لہجے میں کہا۔

اکبر برلاس نے اس بات کو بڑی سنجیدگی سے محسوس کیا کہ ان کی زندگی میں وہ موڑ آ چکا ہے جب انہیں اولاد کی خوشیوں کی خاطر اپنے سکون کی قربانی دینی ہوگی۔ ایک لمحے کے لیے انہوں نے شبانہ بیگم کو غور سے دیکھا' پھر وہ نازش کی پسند اور ناپسند کے سلسلے میں کوئی تلخ بات کہنا چاہتے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو خاور کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ خاور نے باپ کو عجیب حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر ان سے کترا کر ماں کے سامنے آیا اور بڑی دل شکستہ آواز میں بولا۔

"ممی......میں آپ کو اپنے ایک اہم فیصلے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔"

"کیسا فیصلہ؟" شبانہ بیگم نے خاور کو وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"میں فوری طور پر آپ کی پسند کے مطابق نازش سے شادی کرنے پر تیار ہوں۔"

خاور کا چہرہ کسی جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

شبانہ بیگم کے چہرے پر یکلخت فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی لیکن اکبر برلاس نے خاور کے اس فیصلے کو سن کر اپنا نچلا ہونٹ بڑی شدت سے دانتوں تلے بھینچ لیا......وہ خاور کے اس اچانک اور خلاف توقع فیصلے کی وجہ جاننے کے لیے مضطرب نظر آ رہے تھے۔ ان کی الٹی آنکھ نے پھڑپھڑانا بھی شروع کر دیا تھا جسے وہ نیک شگون نہیں سمجھتے تھے......!

aazzamm@yahoo.com

○

کھانے کے بعد وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھی ایک میگزین کے اوراق الٹتی پلٹتی رہی۔ یہ کتابیں اور رسالے اسے زیشان نے فراہم کیے تھے لیکن آج تک اس کوٹھی کے اندر اس نے کبھی کوئی اخبار نہیں دیکھا تھا۔ دبی زبان میں اس نے ایک بار زیشان سے اخبار کی فرمائش کی تھی لیکن زیشان نے بڑی سرد مہری سے اس کی خواہش رد کر دی تھی۔

رسالے کی ورق گردانی کے دوران ایک دو بار اس کی نظریں ہدہد کے پنجرے کی سمت اٹھی تھیں جو ادھر ادھر پھدکتا پھر رہا تھا۔ پھر ایک بار اس کی نظر اس کی طرف گھومی تو چونک سی گئی۔ ہدہد پنجرے میں اس طرح آڑا ترچھا پڑا تھا جیسے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔ وہ رسالہ ایک طرف رکھ کر تیزی سے اٹھی اور پنجرے کے قریب چلی گئی۔ ہدہد بدستور بے سدھ پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن ان میں کوئی حرکت نظر نہیں آرہی تھی۔

"آج کی رات خواب گاہ میں روشنی رکھنا۔"

ایک مختصر سا جملہ سرگوشی کے انداز میں عالیہ کے کانوں میں سنائی دیا تو وہ الجھ سی گئی۔ ایسی ہی سرگوشیاں وہ پائیں باغ میں بھی سن چکی تھی جس کے بعد سنبل نے کوٹھی کے بارے میں کچھ باتیں بتائی تھیں اور ان کنیزوں کے راز سے بھی آگاہ کر دیا تھا جو بظاہر گونگی نظر آتی تھیں۔ سنبل کی انہی باتوں کے بعد اس نے وقتی طور پر یہ رائے قائم کی تھی کہ شاید پائیں باغ میں سنائی دینے والی سرگوشیاں بھی سنبل کی پراسرار قوت کا ایک نادیدہ پہلو تھیں۔ سنبل نے اسے تنہائی سے بھی ہر لمحہ محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔ سنبل ہی کی زبانی عالیہ پر اس راز کا بھی انکشاف ہوا تھا کہ کوٹھی کے اندر کچھ ایسی حیرت انگیز نادیدہ قوتیں بھی موجود ہیں جو ذہن میں ابھرنے والے خیالات بھی پڑھ لیتی ہیں۔ اس انکشاف کے بعد اس کے اندر ایک نئے شبہے نے سر ابھارا تھا کہ زیشان اور سنبل کے باہمی تعلقات بھی یقیناً آپس میں بہت گہرے اور دوستانہ ہوں گے۔ اگر اس کوٹھی پر زیشان کا راج تھا تو وہ نادیدہ قوتیں بھی یقیناً

اسی کے تابع ہوں گی اور ایسی صورت میں سنبل کے دل کا بھید بھی زیشان سے پوشیدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ سنبل نے عالیہ کو جو مشورے دیئے تھے' وہ بھی زیشان کے علم میں ضرور ہوں گے۔ اس خیال نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت بھی سرگوشی سننے کے بعد وہ غور کر رہی تھی کہ خوابگاہ میں رات کو روشنی رکھنے کا مشورہ اگر سنبل نے دیا تھا تو کیا زیشان اس مشورے سے آگاہ نہیں ہو گیا ہو گا؟.....اور خوابگاہ میں اجالا رکھنے سے اس کا مقصد کیا تھا؟ کیا پھر کوئی انکشاف ہونے والا تھا؟

"آپ کو اس وقت سکون کی ضرورت ہے۔" سنبل کی آواز عالیہ کے کانوں میں گونجی تو اس نے ہدہد کی جانب سے نظر گھما کر دیکھا۔ سنبل اس کی پشت پر موجود تھی۔

"میں یہاں لاؤنج میں خود کو بہتر محسوس کر رہی ہوں۔" عالیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"نہیں......آپ کو اس وقت خوابگاہ میں ہونا چاہیے۔"

سنبل کے جملے میں کچھ ایسی ہی رازداری تھی کہ عالیہ قدم اٹھاتی خوابگاہ میں چلی گئی۔ سنبل بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ خوابگاہ میں داخل ہو کر سنبل نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر عالیہ کے قریب آکر ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

"میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اس کوٹھی میں کچھ قوتیں ایسی بھی ہیں جو دلوں میں ابھرنے والے خیالات بھی پڑھ لیتی ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں....." عالیہ نے وضاحت چاہی۔

"آقا اور میرے بارے [illegible] جو باتیں آپ کے ذہن میں ابھر رہی تھیں' اگر میں بروقت درمیان میں پردہ نہ حائل کر دیتی تو وہ بھی نادیدہ قوتوں کے علم میں آجاتیں۔" سنبل نے قدرے سہمے ہوئے انداز میں کہا "آپ کے بارے میں تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ آقا مجھے کسی قیمت پر معاف نہ کرتا۔ ڈور کا ایک سرا ہاتھ آجائے تو آقا کا ذہن اس کے دوسرے سرے تک پہنچنے میں دیر نہیں

لگاتا اور پھر..... میرا انجام خطرناک ہی ہوتا۔"

"کچھ باتیں انسان کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔" عالیہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "فوری طور پر ایک چیز سامنے آجائے تو ذہن اس کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے۔ ذہن پر کنٹرول کرنا شاید اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو....."

"ہو سکتا ہے آپ درست کہہ رہی ہوں لیکن ہر شخص کو اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے۔" سنبل نے دبی زبان میں کہا "میں آقا سے درخواست کروں گی' آپ کی خدمت پر کسی دوسری کنیز کو مامور کر دیا جائے۔ میں آپ سے دور رہوں گی تو نہ مجھے آپ کے حالات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہمدردی ہوگی اور نہ ہی آپ میرے بارے میں کچھ سوچنے کی زحمت گوارا کریں گی۔"

"میں آئندہ احتیاط رکھنے کی کوشش کروں گی۔" عالیہ نے جلدی سے وعدہ کیا۔ پھر بات کا رخ بدل کر بولی "ذیشان میرے لیے جو تحفہ بطور خاص انمول سمجھ کر لائے تھے' وہ اس کوٹھی کی گھٹن کو برداشت نہ کر سکا۔"

"آپ کا اشارہ غالباً ہدہد کی سمت ہے۔" سنبل نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں.....وہ اس پنجرے کی قید سے آزاد ہو گیا جس میں اسے بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" سنبل نے دزدیدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"میں نے اسے اپنی آنکھوں سے مردہ حالت میں دیکھا ہے۔" عالیہ نے بڑے یقین سے جواب دیا "اس کی آنکھیں اپنے حلقوں میں پتھرا کر ہمیشہ کے لیے منجمد ہو چکی ہیں۔"

"وہ آپ کی نظروں کا فریب تھا۔"

"کیا مطلب......؟"

"ہدہد مرا نہیں.....زندہ ہے....." سنبل نے ٹھوس آواز میں کہا۔

"تم....." عالیہ نے تعجب کا اظہار کیا "تم اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہو؟"

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس کوٹھی کی ہر جاندار چیز آقا کے حکم کے تابع ہے.... آقا کے حکم کے بغیر وہ موت کو بھی گلے لگانے سے قاصر ہے۔"

"تم کفر بک رہی ہو....." عالیہ نے جھلا کر کہا "موت اور زندگی پر صرف اور صرف خدا کا اختیار ہے جس نے دونوں جہاں اپنی حکمت سے تخلیق کیے۔ وہی ہمارا رب العزت اس کائنات کی ہر شے کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔"

"میں آپ سے بحث نہیں کروں گی.... صرف ہاتھ باندھ کر اتنی درخواست کروں گی کہ آپ اگر مجھے اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتی ہیں تو جب تک میں خود سے آپ سے کوئی راز کی بات نہ کہوں' آپ میرے بارے میں قیاس آرائی سے بھی پرہیز کریں۔"

"ایک بات پوچھوں سنبل....؟" عالیہ نے فوری طور پر کچھ سوچتے ہوئے کہا "کیا یہ خوابگاہ جو اسی کوٹھی کا ایک حصہ ہے' نادیدہ قوتوں کے دائرے اختیار سے باہر ہے؟"

"ہاں...." سنبل نے تیزی سے جواب دیا "نادیدہ قوتوں کا جال خود آقا نے بچھایا ہے۔ وہ پراسرار طاقتیں آقا کے تابع ہیں۔ اسی لیے آقا نے اپنی خوابگاہ میں ان کے داخلے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔"

"گویا یہ خوابگاہ اس کوٹھی کا سب سے محفوظ حصہ ہے۔" عالیہ زہرخند سے بولی۔

"میں اب اجازت چاہوں گی۔" سنبل نے چونک کر یکلخت سعادت مندانہ انداز اختیار کیا۔ پھر خاموشی سے خوابگاہ سے نکل گئی۔ پھر قبل اس کے کہ عالیہ اس کے چونکنے یا اچانک خوابگاہ سے جانے کے بارے میں سوچتی' ذیشان ہنستے مسکراتے خوابگاہ میں داخل ہوئے اور عالیہ کو سنبل کے جانے کا راز معلوم کرنے کی خاطر الجھنوں کا شکار نہیں ہونا پڑا۔

ذیشان خلاف توقع بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ عالیہ کے قریب آتے ہی اسے اپنی ہاتھوں کے حصار میں لے کر بڑے پیار سے بولے۔

aazzamm@yahoo.com

"آج میں بہت خوش ہوں.... آج مجھے ایک ایسی کامیابی کی امید نظر آ رہی ہے جسے میں برسوں سے صرف خواب میں دیکھا کرتا تھا۔"

"بزنس میں کوئی غیر متوقع منافع....؟" عالیہ نے مسکرا کر پوچھا۔ پھر زیشان کے ہاتھوں کے حصار سے باہر آ گئی۔

"بزنس کا سارا منافع تو میں صرف اس کی امید پر قربان کر سکتا ہوں۔"

"ایسی کیا امید ہے جس کی تکمیل آپ چاہیں اور وہ پوری نہ ہو؟" اس بار عالیہ کے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔ پھر اسے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بات کا رخ بدل کر بولی "کھانا لگوایا جائے آپ کے لیے....؟"

"نہیں..... آج مجھے کھانے کی بھوک نہیں ہے۔" زیشان نے عالیہ کی خوبصورت نظروں سے جھانکتے ہوئے سرگوشی کی "خواب کی جو دھندلی سی تعبیر مجھے نظر آئی ہے اس کی خوشی میں آج رات بھر میں تمہارے ساتھ جشن مناؤں گا۔"

زیشان نے خوابگاہ کے دروازے کو اندر سے بند کیا تو عالیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ ایک بیوی کی حیثیت سے شوہر کی خوشیوں کا احترام کرنا اس کا فرض تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ فرض کی اس روز روز کی ادائیگی سے الجھن کا شکار ہونے لگی تھی لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا انکار بھی زیشان کے ارادوں کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ جبراً و قہراً اپنے ہونٹوں کو سی لیا کرتی تھی۔

زیشان کے چہرے سے خوشیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے دل کی کوئی ایسی مراد پوری ہونے والی تھی جس کی توقع وہ برسوں سے کر رہے تھے۔ عالیہ نے اسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی لیکن زیشان کے خوشگوار موڈ کو دیکھ کر اس کے ذہن میں کوٹھی سے باہر نکلنے کا خیال اس شدت سے ابھرا کہ وہ اسے دبا نہ سکی۔ سنبل نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر وہ زیشان کے ساتھ باہر جانے کی درخواست کرے تو وہ اسے رد نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے سنبل کی بات کی تصدیق کی خاطر دبی زبان میں زیشان سے کہا۔

"کیا مجھے اب بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ کوٹھی سے باہر جا سکوں؟"

زیشان ایک لمحے کو سنجیدہ ہو گئے۔ ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ چہرے پر کھنچاؤ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ کچھ دیر وہ خلاء میں گھورتے رہے' پھر یکلخت مسکرا کر بولے۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ایک ماحول میں رہتے رہتے انسان کا دل اکتانے لگتا ہے اور اب میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کی گھٹن کا احساس ہو۔ میں تمہیں ہر وقت ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اب میری طرف سے تمہیں کوٹھی سے باہر نکلنے کی پوری پوری اجازت ہے..... لیکن اس کے لیے تمہیں کچھ شرطیں ماننی پڑیں گی۔"

"وہ کیا.....؟" عالیہ نے پہلو بدل کر پوچھا۔ ویسے اسے خوشی تھی کہ سنبل کا مشورہ نیک ثابت ہوا تھا۔

"تم تنہا کہیں نہیں جاؤ گی..... سنبل یا میں..... ہم دونوں میں سے کوئی ایک تمہارے ساتھ ہوگا اور....."

"اور کیا....." عالیہ کا دل دھڑکنے لگا۔

"میں جب تک اجازت نہ دوں' تم اپنے والدین سے نہیں ملو گی۔ ان کے علاوہ بھی کسی واقف کار سے ملنے کی یا بات کرنے کی غلطی نہیں کرو گی....." زیشان نے سپاٹ لہجے میں کہا "اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو نتائج کی ذمہ داری بھی تم ہی پر عائد ہوگی.... تم مجھ سے بعد میں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں کرو گی۔"

"جیسا آپ چاہیں گے میں ویسا ہی کروں گی لیکن کیا مجھے دور سے بھی والدین کو دیکھنے کی اجازت نہیں مل سکتی؟" عالیہ کی آواز رندھ سی گئی۔

"کچھ وقت اور گزر جانے دو' اس کے بعد میں تم کو تمہارے والدین سے ملانے لے چلوں گا.... یہ میرا وعدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ میرے ساتھ خوش رہنے کا وعدہ کرو۔"

"میں.....میں خوش ہی تو ہوں۔" عالیہ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی لیکن والدین کے خیال سے وہ دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

کچھ دیر زیشان اس کے خوبصورت وجود سے کھیلتے رہے۔ پھر بتی بند کرنے کے

ارادے سے اٹھے تو عالیہ نے سنائی دینے والی سرگوشی کے پیش نظر ڈرتے ڈرتے کہا۔

"آج تو آپ اپنی خوشیوں کا جشن منانا چاہتے ہیں۔ آج رات تو خوابگاہ میں روشنی رہنے دیں۔"

زیشان نے پلٹ کر عالیہ کو غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کو عالیہ سہم کر رہ گئی۔ اس نے سوچا کہیں زیشان کو سرگوشیوں کا راز تو نہیں معلوم ہو گیا؟ لیکن دوسرے ہی لمحے جب زیشان نے بڑی معصومیت سے جواب دیا تو اس کا وہم دور ہو گیا لیکن وہم کی جگہ اب وحشت نے لے لی تھی۔ زیشان نے کہا تھا۔

"میں خود اندھیرے کو پسند نہیں کرتا لیکن روشنی میں تمہیں میرے اس وجود کو برداشت کرنا پڑے گا جسے تم نے پہلی بار خواب میں دیکھا تھا اور پھر پہلی رات کو روشنی ہونے کے بعد تم بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھیں.....کیا تم میرے اس روپ کو برداشت کر سکو گی؟"

"آپ کے کتنے روپ ہیں.....؟" عالیہ نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ وہ ان سرگوشیوں کی بھی تصدیق کرنا چاہتی تھی جس نے زیشان کے کئی روپ کی بات کی تھی۔

"میرے خوابوں کی تعبیر سامنے آجانے دو' پھر تمہیں تمہاری باتوں کا جواب مل جائے گا۔" زیشان نے معنی خیز انداز میں کہا' پھر اصل موضوع کی جانب آگیا۔ "روشنی کے بارے میں تم نے اپنے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا۔"

"آج کی رات تو خوابگاہ کو روشن ہی رہنے دیں....." عالیہ نے دل کڑا کرکے جواب دیا۔

زیشان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر جب زیشان بے لباس ہوا تو عالیہ نے دل پر جبر کرکے بڑی مشکلوں سے [illegible] کے اس ناپاک اور مکروہ وجود کو برداشت کیا جسے وہ پہلے بھی دو تین بار دیکھ چکی تھی۔ [illegible] ابلے ابلے گوشت کے لوتھڑے اور انگاروں کی طرح دہکتی آنکھوں نے [illegible] وجود کو ناقابل برداشت بنا رکھا تھا لیکن عالیہ اس کے بدہیئت چہرے کو دیکھ [illegible] گئی۔

زیشان مسہری پر اس کے قریب آیا تو عالیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ کسی محبوب کا تصور اس قدر اذیت ناک اور بھیانک بھی ہو سکتا ہے' یہ بات اس نے خواب میں بھی نہیں سوچی تھی لیکن اس وقت وہ ایک ایسے ہی عجیب الخلقت شخص کو داد عیش دینے پر مجبور تھی۔

وہ شاید اس سحر کے ٹوٹنے کا انتظار کر رہی تھی جس کی پیش گوئی کسی نادیدہ قوت نے سرگوشی میں کی تھی۔ اس نے اس بات کی تلقین بھی کی تھی کہ پراسرار کوٹھی کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اسے دور اندیشی سے کام لینا ہوگا۔ مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ انہی مشوروں کے پیش نظر وہ زیشان کے قرب میں زبردستی سانس لینے پر مجبور تھی۔

زیشان جذبوں کی شدت کے ساتھ ساتھ انسان سے حیوان بنتا گیا۔ درندوں کی طرح عالیہ کو جھنجھوڑنے لگا۔ وہ جنونی ہوتا جا رہا تھا۔ عالیہ کا دل چاہا کہ پوری قوت لگا کر اس کو مسہری سے نیچے گرا دے لیکن اس سے پہلے کہ وہ دور اندیشیوں اور مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتی زیشان کسی خونخوار چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر خود ہی مسہری سے نیچے اتر گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ اس کی شعلہ بار نظریں تیزی سے اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگیں۔ وہ مختلف سمتوں میں دیکھتا رہا' پھر اس نے لپک کر روشنی بند کی تو کمرہ گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا۔

"یہ.....یہ لائٹ کیوں بند کر دی آپ نے.....؟" عالیہ نے زیشان کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ کسی نادیدہ قوت نے سرگوشی میں اسے "آج رات خوابگاہ میں روشنی رکھنا" والی بات کیوں کہی تھی؟ زیشان کا اچانک اچھل کر اس کے قرب سے دور جانے کا سبب کیا تھا؟ اس نے لائٹس کیوں آف کر دی تھیں؟ وہ کس قسم کا خطرہ محسوس کر رہا تھا؟ "کوئی بہت دور بیٹھا ہماری خلوت میں جھانک رہا ہے۔" زیشان درندوں کی مانند غرایا "میرا خیال تھا کہ وہ بربادی اور تباہی کے بعد میرا تعاقب کرنے کی حماقت نہیں کریں گے لیکن اب وہ خود اپنی موت کو آواز دے رہے

ہیں.....میں ان کو ایسی سزا دوں گا کہ ان کی روحیں بھی قیامت تک سکون کی تلاش میں بھٹکتی رہیں گی۔"

ذیشان کی قہر آلود آواز کچھ دیر تک خوابگاہ کے سناٹے میں گونجتی رہی' پھر اس کے قدموں کی آہٹ ابھر کر دور ہوتی چلی گئی۔ عالیہ نے اٹھ کر اس کے تعاقب میں باہر جانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے ذہن پر غنودگی کا اتنا تیز غلبہ طاری ہوا کہ وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگی۔



ہسپتال کے اس کمرے میں اس وقت نیورو سرجن احتشام کے علاوہ جمشید اور خاور بھی موجود تھے۔ ڈیوٹی نرس جسے سرجن احتشام نے بطور خاص مریض کی تیمارداری کے لیے رکھا تھا' ایک طرف بڑی مستعدی سے کھڑی کسی حکم کی منتظر تھی۔ سرجن احتشام پوری توجہ سے مریض کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار اپنی دستی گھڑی کی جانب بھی گھوم جاتی تھیں۔

"نرس....." سرجن احتشام نے نرس کو مخاطب کیا۔ "مریض کو دوسرا انجکشن تم نے کس وقت لگایا تھا؟"

"دوسرا انجکشن آپ کی ہدایت کے مطابق پہلے انجکشن کے تین گھنٹے بعد لگایا تھا۔" نرس نے کہا "اس وقت ٹھیک پانچ بجے تھے۔"

"بیس منٹ گزر چکے....." سرجن نے دوبارہ اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے خودکلامی کا انداز اختیار کیا "اتنی دیر میں تو مریض کو ہوش آجانا چاہیے تھا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" جمشید نے سرجن احتشام سے دبی زبان میں دریافت کیا۔ "کیا مریض کی بے ہوشی اور طویل بھی ہو سکتی ہے؟"

"فی الحال میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا مگر میرا خیال ہے کہ مریض کو اب دس منٹ کے اندر اندر ہوش آجانا چاہیے۔" سرجن احتشام نے بدستور مریض پر نظریں جمائے ہوئے کہا "ایکسرے اور دوسرے تمام ٹیسٹ کے بعد بظاہر ذہن میں کوئی ایسی خرابی نظر نہیں آتی جو مریض کو مزید بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار رکھے۔ اس

کے علاوہ میں نے جو دو انجکشن دلوائے ہیں' وہ بھی نہایت زود اثر اور آزمودہ ہیں۔"

"میں اپنی معلومات کی خاطر ایک بات اور دریافت کرنا چاہوں گا۔" جمشید نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا "میں نے آپ کو وہ حالات نہیں بتائے جس کی وجہ سے مریض کے ذہن کو جھٹکا پہنچا تھا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد بھی مریض اسی خوف اور خطرے کے زیر اثر رہے جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوا تھا۔"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔" سرجن احتشام نے مسکرا کر پوچھا "کیا آپ چاہتے ہیں کہ مریض ہوش میں آنے کے بعد کوئی ایسا بیان دینے کے قابل نہ رہے جو پولیس کی کارکردگی پر اثر انداز ہو؟"

"آپ غلط سمجھے....." جمشید نے تیزی سے کہا۔ "مریض ہمارا کوئی مطلوبہ مجرم نہیں ہے۔"

"پھر.....آپ کو اس سے اس قدر ہمدردی کیوں ہے؟"

"دراصل مسٹر عابد حسین میرے پرانے واقف کار ہیں۔" خاور نے دبی زبان میں کہا۔

"آئی سی۔" سرجن احتشام نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ پھر دوبارہ جمشید کی طرف دیکھ کر بولا "کیا اب آپ مجھے وہ حادثہ یا واقعہ بتانا پسند کریں گے جس کی وجہ سے مسٹر عابد کے ذہن کو جھٹکا پہنچا تھا؟"

جمشید نے کنکھیوں سے خاور کی سمت دیکھا' پھر وہ کوئی معقول جواب دینا چاہتا تھا کہ عابد حسین کے کراہنے کی مدھم آواز کمرے میں ابھری اور سب ہی مریض کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سرجن احتشام نے ہاتھ بڑھا کر عابد حسین کی نبض دیکھی۔ پھر گھوم کر نرس کی طرف دیکھا تو وہ تیزی سے ان کے قریب آگئی لیکن سرجن نے کوئی بات اس قدر سرگوشی میں کہی جسے نرس کے سوا اور کوئی نہیں سن سکا۔ جواب میں نرس نے اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی' پھر مریض کے داہنی جانب رکھی ہوئی میز کے قریب جا کر ایک اور انجکشن تیار کرنے لگی۔

عابد حسین نے دوسری بار کراہ کر سر کو اس انداز میں آہستہ آہستہ دائیں بائیں

ہلانا شروع کیا جیسے ان کی گہری نیند میں کوئی خلل پڑ رہا ہو۔ جمشید اور خاور بھی قدم بڑھا کر بستر کے قریب آگئے۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کا مریض اب دو چار منٹ میں ہوش میں آجائے گا....."

سرجن احتشام نے بڑے یقین سے کہا۔ اس کا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ عابد حسین نے بے چینی کی کیفیت میں دو چار بار گردن کو دائیں بائیں جنبش دینے کے بعد آنکھیں کھول دیں اور چھت کو گھورنے لگے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے انہیں اپنے آس پاس دوسروں کی موجودگی کا مطلق کوئی احساس نہیں تھا۔

سرجن احتشام کی ماہرانہ نظریں عابد حسین کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ایک لمحے تک کمرے میں مکمل سکوت طاری رہا' پھر سرجن احتشام نے مریض سے بڑے نرم لہجے میں دریافت کیا۔

"اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں.....؟"

عابد حسین نے تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر پہلے سرجن احتشام کو دیکھا' پھر جمشید اور خاور کو خالی خالی سپاٹ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کی پلکوں نے اس طرح بار بار جھپکنا شروع کر دیا تھا جیسے وہ اپنے قریب نظر آنے والے تینوں چہروں کو شناخت کرنے کی خاطر اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مسٹر عابد حسین....." سرجن احتشام نے مریض کو دوبارہ مخاطب کیا۔ "کیا آپ اپنے ذہن پر کوئی دباؤ یا بوجھ محسوس کر رہے ہیں؟"

عابد حسین نے چونک کر دوبارہ سرجن احتشام کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ پلکوں نے اور تیزی سے حرکت کرنا شروع کر دیا تھا۔ جمشید اور خاور کی نظریں عابد حسین کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا مسٹر عابد حسین۔" سرجن احتشام نے اس بار ٹھوس آواز میں دریافت کیا "آپ اس وقت کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

کون ہو.....؟" عابد حسین نے قدرے سہمے ہوئے انداز میں پہلی بار
ایسی خرابی نظر نہیں آئی

aazzamm@yahoo.com

زبان کھولی۔

"میں آپ کا معالج ہوں' سرجن احتشام....."

"اور.....میں.....میں کون ہوں.....؟" عابد حسین نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔

"آپ عابد حسین ہیں....." سرجن احتشام پوری توجہ سے مریض کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگانے میں مصروف تھے۔

"عا.....بد.....حسین۔" عابد حسین نے رک رک کر کہا' پھر الجھتے ہوئے بولا "یہ.....یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"پھر.....آپ کا نام کیا ہے؟" سرجن احتشام نے بڑی نرمی سے دریافت کیا۔

"میرا نام.....میرا.....نا.....م....." عابد حسین کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت نظر آئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بڑی شدت سے اپنی یاداشت کرید کر اپنا نام تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"آپ ذہن پر زور نہ دیں....." سرجن احتشام نے اس کی الجھن دور کرنے کی خاطر کہا۔ پھر نرس کو قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے بدستور نرم لہجے میں بولا "آپ کو اس وقت سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔"

"سکون.....آرام....." عابد حسین نے رک رک کر کہا۔ پھر آنکھیں جھپکاتے ہوئے پوچھا "میں.....کہاں ہوں.....میرا.....نام.....نام کیا ہے؟"

سرجن نے تسلی دینے کی خاطر عابد حسین کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد اس نے نرس سے انجکشن لے کر اپنے ہاتھوں سے عابد حسین کو لگایا۔ انجکشن اتنا زود اثر تھا کہ آدھی دوا جسم میں جاتے ہی عابد حسین نے آہستہ آہستہ دو بار پلکوں کو جنبش دینے کی کوشش کی' پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ خواب آور دوا نے اپنا اثر بڑی تیزی سے دکھایا تھا۔

جمشید اور خاور بدستور عابد حسین کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی مریض کے ذہن پر ہلکی ہلکی فاگ (دھند) موجود ہے لیکن

بہرحال اب یہ خطرے سے باہر ہیں۔" سرجن احتشام نے انجکشن لگا کر خالی سرنج نرس کے حوالے کرتے ہوئے جمشید سے کہا "دو ایک روز تک مریض کو نیند کی حالت میں رکھنا پڑے گا تاکہ ذہن پر کوئی بوجھ نہ پڑے....اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ ان کی یادداشت واپس آجائے۔"

سرجن احتشام کو رخصت کرنے کے بعد خاور دوبارہ جمشید کی کار میں بیٹھ گیا۔ اپنی کار وہ جمشید کے آفس پر ہی چھوڑ کر اس کے ساتھ ہسپتال آیا تھا۔ جمشید خلاف توقع کسی سوچ میں مستغرق تھا۔ خاور کا اپنا ذہن بھی الجھ رہا تھا۔ وہ عالیہ کے سلسلے میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اگر اس نے گھر والوں سے بغاوت کرکے اس کا ہاتھ تھام لیا ہوتا تو شاید وہ ڈاکٹر ذیشان کے پراسرار جال میں نہ پھنستی۔ پروفیسر کالیا نے کہا تھا کہ لڑکی جس جنجال میں پھنس گئی ہے' اس سے چھٹکارا پانے کے لیے کسی کو اپنی زندگی کی قربانی دینی ہوگی۔ پروفیسر کے وہ الفاظ اس وقت بھی اس کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ جب اس نے والدین کی خوابگاہ میں داخل ہو کر نازش سے اپنی شادی کی حامی بھری تھی۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کا خواہش مند تھا۔ ماں کی ضد بھی پوری ہو جاتی اور وہ اپنی زندگی کی قربانی دے کر عالیہ کو بھی اس مصیبت سے چھٹکارا دلا دیتا جس میں وہ گرفتار تھی۔ اس وقت عابد حسین کی کیفیت دیکھ کر بھی اسے ذہنی طور پر صدمہ ہوا تھا۔ عالیہ کی پراسرار گمشدگی.... اس کی ماں کا نفسیاتی مریض بننا اور اب عابد حسین کا ذہنی کرب سے گزرنا۔ یہ سب ایک ہی سلسلے کی بکھری ہوئی کڑیاں تھیں۔ خاور خود کو ان تمام حالات کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔ اس کی ایک ذرا سی بزدلی ایک خاندان کی بربادی کا پیش خیمہ بن گئی تھی۔

"تم کس سوچ میں مبتلا ہو....؟" جمشید کی آواز خاور کے کانوں میں گونجی تو اس کے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔

"اگر عابد حسین کی یاداشت واپس نہ آئی تو عالیہ کی ماں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟" خاور نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"سرجن احتشام پرامید ہے کہ مریض کی یادداشت بحال ہو جائے گی۔" جمشید نے

سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تمہیں اب ان معاملات میں جذباتی نہیں ہونا چاہیے جو تمہارے اختیار سے باہر ہو چکے ہیں۔"

"لیکن کچھ باتیں ابھی میرے اختیار میں ہیں۔" خاور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"میں نے اب والدہ کی خواہش کا احترام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"نازش سے شادی...."

"وہاٹ....؟" جمشید چونکا۔ "تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ نازش سے شادی کرنے کے بعد تمہاری زندگی جہنم بن جائے گی۔ وہ جس آزاد ماحول میں سانس لے رہی ہے' تم وہاں دو دن بھی سکون سے نہیں رہ پاؤ گے۔"

"بہرحال' میں نے ممی کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم سمندر میں چھلانگ لگا کر عزت کی موت مر جاؤ۔" جمشید نے جھلا کر کہا۔

خاور کے ہونٹوں پر کرب بھری مسکراہٹ ابھر آئی۔ پھر اس نے قرب و جوار کا جائزہ لیا تو چونک کر بولا "کیا تم اس وقت اپنے آفس نہیں چل رہے ہو؟"

"نہیں...." جمشید بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ "میں اس وقت ایک بار پھر پروفیسر کالیا سے فوری طور پر ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ پروفیسر کھل کر اقرار کر چکا ہے کہ اب عالیہ کے سلسلے میں وہ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا' بات اس کے اختیار سے نکل چکی ہے۔"

"میں اس سے عالیہ کے سلسلے میں نہیں....عابد حسین کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں...." خاور نے وضاحت طلب انداز میں پوچھا "عابد حسین کے بارے میں تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

aazzamm@yahoo.com

"یہی کہ عابد حسین کی یادداشت کی واپسی کے لیے پولیس کا ڈرائنگ روم ٹریٹ منٹ (تشدد کے ذریعہ زبان کھولنے پر مجبور کرنا) کس حد تک موثر ثابت ہو سکتا ہے؟"

"کیا مطلب....؟" خاور نے حیرت سے کہا "کیا تم ان پر کسی قسم کا شک کر رہے ہو؟"

"ہاں...." جمشید نے سپاٹ آواز میں جواب دیا "میرا اندازہ ہے کہ عابد حسین پوری طرح ہوش و حواس میں آچکے ہیں اور جان بوجھ کر یادداشت خراب ہو جانے کی اداکاری کر رہے ہیں۔"

"لیکن سرجن احتشام نے تو کہا ہے کہ....."

"سرجن احتشام نے اپنی تشخیص کی ماہرانہ رائے کا اظہار کیا تھا۔" جمشید نے خاور کا جملہ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "میں ایک پولیس آفیسر ہوں جس کی کامیابی کا سارا دارو مدار شکوک اور شبہات پر ہوتا ہے جس کے سلسلے میں ہماری تفتیش کے نتائج ہمیشہ حوصلہ مند ثابت ہوئے ہیں۔ کسی ایک معمولی سے نکتے کو بھی نظرانداز کر دینا اکثر ہمارے لیے شرمندگی اور ناکامی کا سبب بن جاتا ہے۔"

"تمہیں اس بات کا شبہ کیوں ہے کہ عابد حسین خود کو ذہنی طور پر غیر حاضر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"اس کا جواب بھی شاید پروفیسر کالیا کے پاس موجود ہو۔" جمشید نے سپاٹ آواز میں کہا۔

خاور نے فوری طور پر کوئی اور سوال نہیں کیا۔ اسے اپنے اور جمشید کے مراسم اور تعلقات پر مکمل بھروسہ تھا۔ جمشید کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا جو خاور کے لیے پریشانی یا ذہنی کوفت کا باعث ہو لیکن یہ بات خاور کے ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ اس شبہے کی بنیاد کیا تھی جس نے جمشید کو پروفیسر کالیا سے ملاقات پر اکسایا تھا؟

اتنے میں ان کے درمیان خاموشی ہی رہی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ پروفیسر کالیا کے ذاتی آفس میں موجود تھے۔ جمشید کو پروفیسر کا آفس تلاش کرنے میں زیادہ دشواری

پیش نہیں آئی۔ پروفیسر سے ملاقات کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد وہاں پہلے سے موجود تھی لیکن اس نے جمشید کا وزیٹنگ کارڈ دیکھنے کے بعد بہرحال اسے فوراً ہی اپنے کمرہ خاص میں بلا لیا تھا جہاں اس کی ضرورت کی تمام اشیاء بڑے سلیقے سے میز اور دیواروں پر سجی ہوئی تھیں۔ میجک بال پروفیسر کی میز کے ساتھ ہی ایک گول میز پر رکھا تھا۔ اس وقت شاید پروفیسر کالیا کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی تھا جو اس نے جمشید اور خاور کو دیکھتے ہی گفتگو کا آغاز کر دیا۔

"میری خوش قسمتی جو آپ نے یہاں تک آنے کی تکلیف گوارہ کی۔" اس نے براہ راست جمشید کو مخاطب کیا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں دو روز پیشتر آپ سے آپ کے دفتر میں ملا تھا اور وہاں سے رخصت ہوتے وقت میں نے آپ کو اس بات سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ بات اب میرے امکان سے باہر ہو چکی ہے.... ہاں اگر آپ نے اس لڑکی کے بارے میں مجھے پہلے تفصیل سے آگاہ کر دیا ہوتا تو شاید میں اتنی آسانی سے اپنی ہار تسلیم نہ کرتا...."

"میں اس وقت آپ سے لڑکی کے سلسلے میں نہیں' اس کے باپ کے سلسلے میں کچھ معلوم کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔" جمشید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر بڑی صاف گوئی سے بولا "اس وقت میں ایک عام کلائنٹ کی حیثیت سے آیا ہوں' اس لیے آپ کی فیس ادا کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔" پروفیسر نے بظاہر انکساری سے کام لیا مگر فیس ادائیگی کی بات سن کر اس کے چہرے پر نظر آنے والی بیزاری کی علامتیں سُہی لیکن تھیں۔

ے سکتا۔"

"آج میں آپ کو پوری تفصیل بتانے سے گریز نہیں کر

سنجیدگی اختیار کی' پھر عابد حسین کے گھر جانے سے لے کر جب بے حد سرد تھا۔ "کیا

آنے کی پوری تفصیل بیان کر ڈالی۔ موجودگی میں انہیں ہتھکڑیاں

پروفیسر بڑی توجہ اور پورے انہماک سے ایک ایک

عابد حسین کے گھر کے کچے صحن میں کسی بچے کے خون بے بسی کے عالم میں ہونٹ

کاٹ رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات چغلی کھا رہے تھے کہ وہ زبان کھولنے سے کترا رہا ہے۔ خاور کی نظریں بھی پروفیسر کے چہرے پر بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"مجھے بتاؤ پروفیسر کالیا۔ بیچ کے نظر آنے اور غائب ہو جانے کا مقصد کیا تھا؟ وہ قہقہے کس کے تھے جس کی گونج ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہے؟" جمشید نے تھوڑے توقف کے بعد قدرے نرم لہجے میں کہا "میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم جان بوجھ کر کچھ اگلنے سے پرہیز کر رہے ہو..... کوئی بات ایسی ضرور ہے جو تمہیں خوفزدہ کر رہی ہے.....میں تمہیں ہر قسم کا تحفظ فراہم کرنے کا وعدہ کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دو.....دوسری کوئی بات میرے لیے قابل قبول نہیں ہوگی۔"

"یہ زبردستی ہے آفیسر...." پروفیسر کالیا نے احتجاج کیا۔ "میں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔"

"قانون کو جان بوجھ کر اندھیرے میں رکھنا بھی جرم ہی ہے پروفیسر..." جمشید کے لہجے میں دوبارہ کرختگی پیدا ہو گئی "تم شاید ایک پولیس آفیسر کے وسیع اختیارات سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔"

"میں نے انکار تو نہیں کیا...." پروفیسر نے پہلو بدل کر کہا "صرف دو روز کی مہلت مانگ رہا ہوں۔ معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی خاطر مجھے کچھ اور عمل بھی کرنے پڑیں گے.....اس کے بغیر میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن میں پورے وثوق اور اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ تم اس وقت مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔" جمشید نے جھلا کر میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا' پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا "آل رائٹ پروفیسر کالیا....میں تم کو دو روز کی مہلت دیتا ہوں لیکن یہ دو روز بھی تمہیں حراست میں گزارنے ہوں گے..... تمہیں اس وقت میرے ساتھ ہی چلنا ہوگا۔"

پروفیسر کالیا نے جمشید کو تلملا کر دیکھا' پھر وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا لیکن اسی وقت

فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ پھر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد ریسیور جمشید کی طرف بڑھاتے ہوئے مردہ سی آواز میں بولا۔

"آپ کی کال ہے۔"

"ہیلو...ڈی ایس پی جمشید اسپیکنگ۔" جمشید نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا لیکن اس کی نظریں بدستور پروفیسر پر جمی رہیں۔

"پروفیسر کو تنگ مت کرو میرے عزیز...وہ زبان کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔" دوسری جانب سے کھرکھراتی آواز میں کہا گیا۔

"کون ہو تم...؟" جمشید نے چونکتے ہوئے دریافت کیا مگر وہ اس آواز کو پہچان گیا تھا۔ اسی آواز نے ایک بار پہلے بھی اسے مشورہ دیا تھا کہ عالیہ کے سلسلے میں اس کی صلاحیتیں کسی کام نہیں آئیں گی۔ یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ انسان کسی پرچھائیں پر قابو پانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

"اپنا قیمتی وقت ضائع مت کرو....." اس بار زخمی درندوں جیسی آواز میں جواب ملا "جتنی جلدی ممکن ہو' پروفیسر کے دفتر سے دفع ہو جاؤ۔ یہ میرا حکم ہے۔"

"فون پر اس قسم کا حکم چلانے والے میرے نزدیک بہادر نہیں بلکہ انتہائی بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔" جمشید نے بدستور پروفیسر کو گھورتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا "مرد ہو تو سامنے آکر بات کرو....."

دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ کسی کے غرانے کی خوفناک آوازیں ابھرتی رہیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی آدم خور درندہ اپنے شکار پر جھپٹنے سے پہلے زمین پر پنجے مار رہا ہو۔ جمشید نے اسے اکسانے کی خاطر کچھ اور کہنا چاہا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے ارادے کی تکمیل کرتا' گول میز پر رکھا ہوا میجک بال ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ دیوار پر سجی ہوئی مختلف جانوروں اور انسانوں کی کھوپڑیاں زمین پر گر کر ٹوٹنے لگیں۔ کمرے کے بجھے ہوئے بلب اس طرح روشن ہو کر بار بار جلنے بجھنے شروع ہو گئے جیسے کوئی شریر بچہ سوئچ سے کھیل رہا ہو۔

"مجھ پر رحم کرو....میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔" پروفیسر ہذیانی انداز میں چیختا

ہوا اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس طرح فضا میں اچھل کر اڑتا ہوا دیوار سے ٹکرایا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اسے ربر کی گیند کی مانند ہوا میں پھینک دیا ہو۔ جمشید کے علاوہ خاور بھی بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔ جو کچھ ہو رہا تھا' وہ حیران کن تھا۔

"میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں۔" کمرے میں ایک بھیانک اور قہر آلود آواز گونجی "میرے راستے سے دور ہو جاؤ....بھاگ جاؤ میری نظروں کے سامنے سے ورنہ تمہارا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔"

جمشید نے فوری طور پر خاور کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے پروفیسر کے کمرے سے نکل کر باہر آگیا جہاں زلزلے کی کیفیت تمام آرائشی ساز و سامان کو تہس نہس کر رہی تھیں۔ پروفیسر کالیا اس انداز میں چیخ رہا تھا جیسے بے شمار شیطانی قوتیں مل کر اسے زد و کوب کر رہی ہوں......!



غنودگی کا غلبہ زیادہ دیر قائم نہیں رہا۔ عالیہ کی کیفیت بتدریج سنبھلتی گئی۔ دھندلائی ہوئی باتیں دوبارہ اس کے ذہن میں اجاگر ہونے لگیں۔ کسی نادیدہ قوت کے مشورے پر ہی اس نے ذیشان سے خوابگاہ کی روشنی کے بارے میں درخواست کی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ خوابگاہ کو روشن رکھنے کا مشورہ اسے کیوں دیا گیا تھا؟ اس راز کا ایک پہلو اس کی سمجھ میں آگیا۔ جس انداز میں ذیشان نے تلملا کر مسہری سے چھلانگ لگائی تھی' اس سے صاف ظاہر تھا کہ یکلخت ہی اس نے کسی خطرے کو محسوس کیا تھا۔ پھر اس نے خوابگاہ کی تمام روشنیاں گل کر دی تھیں۔ اس کے انداز میں وحشت اور جنون کارفرما تھا۔ عالیہ کے استفسار پر اس نے کہا تھا "کوئی بہت دور بیٹھا ہماری خلوت میں جھانک رہا ہے۔" پھر اس نے دیوانوں کی طرح چیخ کر کہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو عبرتناک سزا دے گا جو اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ واہی تباہی بکتا خوابگاہ سے چلا گیا تھا۔

عالیہ بڑی سنجیدگی سے ان تمام باتوں پر غور کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں متعدد سوالات گونج رہے تھے....."وہ کون تھا جو بہت دور ہونے کے باوجود اس طلسم کدے

میں جھانک رہا تھا جہاں کی ہر بات پراسرار تھی۔" سنبل نے کہا تھا کہ اس کوٹھی میں کچھ ایسی نادیدہ قوتیں موجود تھیں جو ذہنوں میں ابھرنے والے خیالات بھی پڑھ لیتی ہیں۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ذیشان اس راز کو نہیں جان سکا جس کے پیش نظر کمرہ روشن رکھنے کی درخواست کی گئی تھی؟ کیا بہت زیادہ خوش ہونے کی وجہ سے وہ اس طرف دھیان نہیں دے سکا تھا یا اسے اس بات کی خوش فہمی تھی کہ کوئی اس کی خلوت میں جھانکنے کی جرات نہیں کر سکے گا؟ اور وہ خواب کیا تھا جس کی دھندلی سی تعبیر نظر آتے ہی ذیشان خوشی سے پاگل ہوگیا تھا؟ وہ کس امید کی بات کر رہا تھا جس کا وہ برسوں سے انتظار کر رہا تھا؟

عالیہ اپنی سوچوں میں مستغرق تھی جب ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی بن کر کوندا "وہ سرگوشی کس کی تھی جس نے خوابگاہ کو روشن رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔" اگر وہ سنبل کی سرگوشی تھی تو ذیشان کو اس کا علم کیوں نہیں ہوا؟ عالیہ کو اچھی طرح یاد تھا کہ سرگوشی کی وہ آواز اس وقت اس کے کانوں میں گونجی تھی جب وہ ہدہد کے پنجرے کے پاس کھڑی تھی۔ سنبل نے اس بات پر زور دیا تھا کہ کوٹھی میں صرف خوابگاہ ہی ایک ایسی محفوظ جگہ تھی جہاں نادیدہ قوتوں کا عمل دخل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی قابل غور تھی۔ اگر وہ سرگوشی سنبل کی تھی تو اس کے مطلب یہ نکلتے تھے کہ وہ کسی وجہ سے ذیشان سے باغی ہو گئی تھی ورنہ وہ عالیہ کو خوابگاہ میں روشنی رکھنے کا مشورہ دے کر کسی دوسری طاقت کو ذیشان کے خلوت کدے میں جھانکنے کا موقع کیوں فراہم کرتی؟ کیا سنبل اتنی طاقتور ہے کہ ذیشان کی دشمنی مول لے کر بھی کوٹھی کے طول وعرض میں اپنی من مانی کر سکتی ہے؟ عالیہ نے بڑی سنجیدگی سے سوچا' پھر اس آخری خیال کی نفی کرتے ہوئے اس کے ذہن میں یہ نکتہ بڑی سرعت سے اپنی جڑیں مضبوط کرتا چلا گیا کہ اس طلسم کدے میں کوئی دوسری نادیدہ قوت بھی کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہے جو اس کی رہنمائی کر رہی ہے.....وہ آواز بھی سنبل کی نہیں ہو سکتی جو اس نے پائیں باغ میں سنی تھی۔ ان سرگوشیوں نے اسے محتاط رہ کر مصلحتوں سے کام لینے کا قیمتی مشورہ دیا تھا۔ اس بات کے امکانات روشن تھے کہ سنبل

نے ان سرگوشیوں کو سن لیا ہو اور عالیہ کو شیشے میں اتارنے کی خاطر اس سے ہمدردی کا اظہار کیا ہو۔

"وہ دوسری نادیدہ طاقت کس کی تھی؟ اسے میری ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" عالیہ کے ذہن میں یہ سوال صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگا۔ اس کے دل و دماغ میں ہلچل سی برپا تھی۔ جب ایک بار پھر مدھم سی سرگوشی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"صرف خدا کی طاقت اور اس کی بڑائی پر ایمان رکھو.....باقی سب باطل قوتیں ہیں۔"

"آپ..... آپ کون ہیں؟" عالیہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"میرے بارے میں زیادہ مت سوچو.....حالات پر نظر رکھو۔ وقت کی رفتار تیز ہو رہی ہے۔"

"مجھے اپنا دم بھی گھٹتا محسوس ہو رہا ہے۔" عالیہ نے کہا "کس پر بھروسہ کروں؟ کسے دوست سمجھوں اور کسے دشمن؟"

"صرف اس کی ذات پر اعتماد اور یقین رکھو جو لازوال ہے۔"

"میں گھپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہوں۔" عالیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں "مجھے رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ تمہیں اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے.....نادیدہ قوتیں اپنا جال پھیلا رہی ہیں۔"

"کیا اس وقت بھی وہ میری باتیں سن رہی ہوں گی؟" عالیہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"نہیں.....غصہ انسان کی عقل خبط کر دیتا ہے۔ ذیشان کا ناپاک اور شیطانی وجود اس وقت ایک اور محاذ پر الجھ رہا ہے۔ وقتی طور پر وہ تم سے غافل ہے۔"

"وہ کون سی طاقت ہے جس نے ذیشان کو جنونی بنا دیا ہے؟"

"وہ بے قصور ہے..... غلطی سے ماورائی قوتوں کی زد میں آگیا ہے۔"

"مجھے اب کیا کرنا چاہیے.....؟"

"کسی پر اعتماد مت کرو.....صرف اس سے لو لگائے رکھو جو بگڑی بنانے والا ہے۔"

"پائیں باغ میں سنائی دینے والی سرگوشیاں....."

"میری ہی تھیں....." سرگوشی نے تیزی سے جواب دیا۔

"اس روز آپ ذیشان کے بارے میں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے تھے؟" عالیہ نے دریافت کیا۔ "وہ کیا بات تھی؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تم کسی دوسرے کی غلطی کی سزا کاٹ رہی ہو۔"

"کون ہے وہ جس کے جرم کی پاداش میں کربناک حالات سے دوچار ہوں؟"

"میں اس کے بارے میں تمہیں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا لیکن پریشان مت ہو.....فضا میں جو غبار طاری ہے' وہ آہستہ آہستہ چھٹ رہا ہے.....ذیشان کی قوتوں کو گھن لگنا شروع ہو چکا ہے۔"

"آپ نے کہا تھا کہ ذیشان کے ایک نہیں کئی روپ ہیں؟"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا.....تم بھی اس کے دو ایک روپ دیکھ چکی ہو۔"

"سنبل پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے؟" عالیہ نے جلدی سے پوچھا۔

"تم جس طلسم کدے میں سانس لے رہی ہو۔ اس میں نظر آنے والی ہر جاندار اور بے جان چیز محض نظروں کا دھوکا ہے۔ کسی پر اعتبار نہ کرنا ورنہ دلدل میں دھنستی چلی جاؤ گی۔ بھول بھلیوں سے بچنے کی خاطر پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ مصلحتوں کو نظرانداز نہ کرنا۔"

"کیا آپ مجھے میرے والدین کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں.....؟" عالیہ کی آواز رندھ گئی۔

"موت اور زندگی صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے اشارے کے بغیر کوئی سوکھا پتہ بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔"

"کیا میں اس جادو نگری سے زندہ سلامت بچ کر رہائی حاصل کر سکوں گی؟"

"مایوسی گناہ ہے.....میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ذیشان اس وقت کن لوگوں کو سزا دینے کی باتیں کر رہا تھا؟"

"میرے پاس وقت کم ہے......" مدھم سرگوشی میں کہا گیا۔ "میری ایک بات یاد رکھنا' کسی معاملے میں بھی جذباتی فیصلوں سے گریز کرنا۔ صبر اور ہمت سے کام لینا ورنہ بساط کا رخ پلٹتے دیر نہیں لگے گی۔"

"کیا آپ اسی کوٹھی میں موجود ہیں؟"

عالیہ نے بے حد اضطرابی کیفیت میں سوال کیا لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا تو وہ الجھتی ہوئی مسہری سے نیچے اتری۔ کچھ دیر اپنی خوابگاہ میں بے چینی سے ٹہلتی رہی۔ پھر قدم اٹھاتی خوابگاہ سے باہر آگئی۔ ذیشان کا تعاقب کرنے کا خیال جو ذہن پر غنودگی طاری ہونے سے پیشتر اس کے دماغ میں کلبلایا تھا' دوبارہ تازہ ہو گیا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ذیشان اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟

خوابگاہ کے باہر پوری کوٹھی پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی مختلف راہداریوں سے گزرتی رہی۔ کمروں میں جھانکتی رہی لیکن نہ تو ذیشان نظر آیا' نہ ہی کوئی کنیز دکھائی دی۔ سنبل نے اسے ایک بار بتایا تھا کہ بظاہر گونگی نظر آنے والی کنیزیں ہر وقت اس کی نگرانی پر مامور ہیں اور اس کی خبریں ذیشان کو پہنچاتی رہتی ہیں لیکن اس وقت شاید تمام کنیزیں بھی ذیشان کے ساتھ مل کر اس طاقت کے خلاف کہیں صف آراء ہو گئی تھیں جس نے اس کے خلوت کدے میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔

عالیہ رہائشی کمروں میں جھانکنے کے بعد واپس اپنی خوابگاہ کی جانب لوٹ رہی تھی جب اسے اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دبے قدموں اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ یہ احساس پہلے بھی متعدد بار ہو چکا تھا۔ اس نے فوری طور پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ خوابگاہ کی سمت جانے کے بجائے اس نے لاؤنج کا رخ اختیار کیا۔ قدموں کی آہٹ برابر اسے تعاقب کا احساس دلا رہی تھی۔ اس نے قدم بڑھاتے بڑھاتے یکلخت تیزی سے پلٹ کر دیکھا لیکن آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ قدموں کی آہٹ بھی ختم ہو گئی تھی۔ عالیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ایک لمحے کے لیے وہ خاموش کھڑی اپنی بکھری بکھری سانسوں کو سمیٹتی رہی۔ پھر اچانک اسے ہدہد کے پنجرے کا

خیال آگیا۔ عالیہ نے اسے خود اپنی نظروں سے بے جان حالت میں پنجرے کے اندر بے سدھ پڑا دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں کے اندر منجمد ہو کر رہ گئی تھیں لیکن سنبل نے بڑے یقین سے اس کے خیال کی تردید کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ عالیہ نے جو کچھ دیکھا' وہ اس کی نگاہوں کا فریب تھا۔

وہ سنبل کی بات کی تصدیق کی خاطر لمبے لمبے قدم اٹھاتی لاؤنج میں داخل ہوئی تو اس کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ سنبل نے غلط نہیں کہا تھا' ہدہد اپنے پنجرے میں زندہ سلامت نظر آرہا تھا لیکن عالیہ کے پنجرے کے قریب جانے پر وہ بے حد بے چین نظر آنے لگا۔ پنجرے کی تیلیوں پر بار بار اپنی جگہ تبدیل کرنے لگا۔ عالیہ اس کی اضطرابی کیفیت کو دیکھتی رہی۔ پھر معاً اس کے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ کہیں ہدہد ہی تو وہ غیبی قوت نہیں ہے جو اس کی رہنمائی کر رہا ہے؟ شاید یہی وجہ تھی جو ذیشان نے اسے قید کر رکھا تھا...... لیکن اگر وہ کسی رحمانی قوت کا مالک تھا تو پھر شیطانی قوتیں اس پر کس طرح غالب آگئی تھیں......؟ کیا اس میں بھی کوئی راز پوشیدہ تھا؟

عالیہ کی نظریں ہدہد پر مرکوز تھیں۔ اس خوبصورت اور معصوم پرندے کی بے چینی ہر لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ بار بار اس کی نظریں عالیہ کی جانب اٹھتیں' پھر وہ تیزی سے اڑ کر پنجرے کی عقبی تیلیوں پر جا بیٹھتا۔ وہ بے زبان پرندہ نہ جانے کس اضطراب کا شکار تھا۔ عالیہ نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ جانوروں اور پرندوں کو بدروحیں اور شیطانی قوتیں نظر آجاتی ہیں۔ وہ ہدہد کی بے چینی کو اسی حوالے سے بغور دیکھ رہی تھی۔ جب اس کی پشت سے ذیشان کی مانوس مگر کھرکھراتی ہوئی آواز ابھری اور عالیہ اس طرح چونکی جیسے کوئی بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھ کھل گئی ہو۔ اس نے تیزی سے گھوم کر دیکھا' ذیشان اس کی پشت پر کھڑا اسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے بڑے سرد اور غیر مہذب لہجے میں عالیہ سے پوچھا۔

"میں آپ کو دیکھنے کے ارادے سے خوابگاہ سے نکلی تھی۔" عالیہ نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ زیشان کی نگاہوں میں تیرنے والی خون کی سرخیاں اسے بڑی معنی خیز اور پراسرار نظر آرہی تھیں۔

"اس پنجرے کے پاس تمہاری دلچسپی کا کیا سامان ہے؟" زیشان کا لب و لہجہ اچانک ہی بڑا تلخ ہو گیا۔

"میں سمجھی نہیں....." عالیہ نے اس بار بھی صبر سے کام لیا۔ وہ مصلحتوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم نے ایک بار ہدہد کو آزاد کرنے کے بارے میں سوچا تھا۔" زیشان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتی آواز میں پوچھا۔ "کیا یہ تمہیں بہت زیادہ پسند آگیا ہے؟"

"خوبصورت اور معصوم پرندے کھلی فضا میں چہچہاتے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔" عالیہ نے زیشان کی نظریں اپنے وجود میں چبھتی محسوس کیں تو جلدی سے پنجرے کی سمت دیکھتے ہوئے بولی "آپ نے مجھے یہ پرندہ بطور تحفہ دیا تھا..... کیا میں اسے آزاد کرنے کا بھی حق نہیں رکھتی.....؟"

"نہیں....." زیشان نے تیزی سے کہا۔ "میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ اس نسل کے پرندے اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ اس بات کی تاکید بھی کی تھی تمہیں کہ یہ پرندہ پنجرے سے نکلنے نہ پائے......"

عالیہ نے جواب میں زیشان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ پھر ہونٹ کاٹنے لگی۔

"میری باتیں اس وقت تمہیں تلخ محسوس ہو رہی ہیں.....کیوں؟" زیشان نے سپاٹ اور سرد لہجے میں دریافت کیا۔

"آپ اس وقت کسی بات سے الجھے ہوئے ہیں....." عالیہ نے موضوع بدلنے کی خاطر تدبر سے کام لینے کی کوشش کی۔ "آپ کو آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"

"تم نے یہ نہیں معلوم کیا کہ ہماری خلوت میں کون جھانک رہا تھا....؟" زیشان کی

آنکھوں میں نظر آنے والی سرخی کا رنگ گہرا ہونے لگا۔ اس نے عالیہ کی بات کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔

"مجھے آپ کی یہ بات عجیب سی لگی تھی۔" عالیہ نے معصومیت کا اظہار کیا "بھلا کوئی دور بیٹھ کر ہماری کوٹھی کی اس خوابگاہ میں کس طرح جھانک سکتا ہے جس کے دروازے بھی آپ نے خود اپنے ہاتھ سے بند کیے تھے؟"

"تم نے آج کی رات خوابگاہ میں روشنی رکھنے کا اصرار کیوں کیا تھا؟"

"آپ نے اپنی خوشیوں کا جشن منانے کی بات کی تھی اس لیے میں نے بھی..."

"بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہو....." زیشان نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا، پھر غرا کر بولا "مجھے سچ سچ بتاؤ، تمہیں روشنی رکھنے کا مشورہ کس نے دیا تھا.....؟"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیشان کے بدلتے تیور دیکھ کر اس نے خاموشی میں عافیت سمجھی تھی۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں....." زیشان نے چیخ کر کہا۔ پھر قہر آلود نظروں سے پنجرے کی سمت نظر گھما کر بولا "یہ ہے تمہارا وہ حمایتی جس نے مجھ سے ٹکر لینے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے دبوچ کر پنجرے میں قید کر دیا تھا۔"

عالیہ اس انکشاف پہ چونکی۔ اس کی نظریں بھی ہدہد کی جانب اٹھیں جو پنجرے میں ادھر ادھر اڑتا پھر رہا تھا۔ "آج میں تیرا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا......" زیشان نے ہدہد کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر وہ تیزی سے پنجرے کی طرف لپکا تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ عالیہ کے لیے ناقابل یقین ہی تھا۔ فضا میں بجلیاں کڑکتی چمکتی نمودار ہوئیں.....پنجرے کا قفل ٹوٹ کر زمین پر گرا.....ہدہد نے قلابازی کھا کر شکرے کی شکل اختیار کی۔ پھر تیلیوں کو توڑتا ہوا فضا میں پرواز کر گیا.....زیشان نے جھپٹ کر اس کو پکڑنے کی ناکام کوشش کی۔ پھر وہ بھی حیرت انگیز طور پر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی پوری کوٹھی سے مختلف آوازوں کا شور و غل بلند ہونے لگا۔ عالیہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ اس کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا......!!

اکبر برلاس اس وجہ کو سمجھنے سے قاصر تھے جس کے پیش نظر خاور نے نازش سے شادی کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ شبانہ بیگم اولاد کے اس فیصلے پر پھولی نہیں سما رہی تھیں لیکن اکبر برلاس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس شادی کو کسی نہ کسی طرح روکنے کی کوشش ضرور کریں گے۔

نازش جس روش پر گامزن تھی' وہ اکبر برلاس کو مطلق پسند نہیں تھی۔ ایک دو بار انہوں نے خود محفلوں میں اسے جس لباس اور رنگ و ڈھنگ میں دیکھا تھا' وہ نہ صرف قابل اعتراض تھا بلکہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ نازش مغربی تہذیب کی دلدادہ تھی۔ دوسرے کے ساتھ بے باکی سے ملتے جلنے اور گھومنے پھرنے میں اسے کوئی عار نہیں محسوس ہوتی تھی۔ رقص و سرود کی محفلوں میں وہ مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیتی تھی۔ کچھ تو اس کی طبیعت میں آزاد خیالی شروع سے ہی موجود تھی اور باقی کسروالدین کا سایہ سر پر نہ ہونے سے پوری ہو گئی تھی۔

اکبر برلاس کوئی مذہبی رہنما نہیں تھے جو نازش کے رکھ رکھاؤ اور اس کی نشست و برخواست پر کوئی اعتراض کرتے۔ وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا پورا اختیار رکھتی تھی لیکن اس لائق بہرحال نہیں تھی کہ اکبر برلاس اسے بہو کی حیثیت سے قبول کر لیتے اور خاص طور پر جبکہ انہیں اس بات کا علم بھی تھا کہ خاور عالیہ سے محبت کرتا ہے۔ عالیہ کی شادی کے بعد بھی اس نے کبھی نازش کی طرف مائل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"پھر..... خاور نے اس قدر اچانک اور جذباتی انداز میں نازش سے شادی کرنے

کا فیصلہ کس طرح کر لیا تھا؟" یہی ایک سوال تھا جس نے اکبر برلاس کو سوتے جاگتے ایک عجیب سی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اس اظہار رضامندی کے پس منظر میں جھانک کر اس راز کو معلوم کرنا چاہتے تھے جس نے خاور کو نازش کو اپنانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے ذہن میں مختلف واہموں نے سر ابھارا تھا۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ ممکن ہے شبانہ بیگم کے بار بار اکسانے پر اس نے جھلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ عالیہ کی پراسرار گمشدگی اور اپنی محبت کی ناکامی سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے خود کو سزا دینے کے طور پر نازش سے شادی کا ارادہ کر لیا ہو۔ اس طرح ماں کی خوشی بھی پوری ہو جاتی اور وہ اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھی بھگت لیتا..... یا پھر خاور کے اس اچانک فیصلے کے پیچھے انتقامی جذبہ بھی کارفرما ہو سکتا تھا۔ وہ ماں کو باور کرانا چاہتا ہو کہ اس نے ہیرے کو ٹھکرا کر جس پتھر کا انتخاب کیا تھا' وہ شادی کے بعد اس کی زندگی کو لہولہان بھی کر سکتا ہے۔ اس ماحول کو پراگندہ کر سکتا ہے جس میں سب سکون کا سانس لے رہے تھے۔ شبانہ بیگم کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو جاتی کہ وہ نازش کو بھی اپنے اشاروں پر اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتی تھیں۔

ان تمام باتوں سے ہٹ کر ایک خیال اور بھی تھا جس نے اکبر برلاس کو پریشان کر رکھا تھا۔ ان کے سامنے ایسی بے شمار مثالیں موجود تھیں جس میں محبت کی ناکامی اور حالات کی ستم ظریفیوں نے مل جل کر اچھے بھلے انسانوں کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ سکون کی تلاش میں انہوں نے غلط راستوں کا انتخاب کر کے اپنی زندگیوں کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر لیا تھا۔ ایسی ایسی بری علتیں اختیار کر لی تھیں کہ جس میں پوری طرح غرق ہو جانے کے بعد وہ اس طرح اس کے عادی بن گئے کہ نکاسی کے تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ عین ممکن تھا کہ نازش نے خاور کو دوستی اور ہمدردی کا فریب دے کر اپنے حسن کے خوبصورت جال میں پھانس لیا ہو اور اس کی زندگی میں کوئی ایسا زہر گھول دیا ہو جس کے نشے نے خاور کو اسی کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر دیا ہو۔ اس ایک شبے کے اور بھی متعدد شرمناک پہلو نکلتے تھے جن کا تصور ہی بڑا اذیت ناک تھا۔ اصلیت کیا تھی؟ اسے جاننے کی خاطر اکبر برلاس کی راتوں کی نیند اور دن کا چین

حرام ہو گیا تھا۔ خاور ان کا اکلوتا لڑکا تھا۔ وہ اس کی زندگی کو حالات کی صلیب پر لٹکتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس وقت بھی وہ دفتر میں بیٹھے انہی پریشان کن امکانات پر غور کر رہے تھے جب فون کی گھنٹی بجی اور ان کے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ فون ڈائریکٹ لائن پر کیا گیا تھا۔

"ہیلو....." اکبر برلاس نے دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا کر کہا۔

"انکل میں جمشید بول رہا ہوں....." دوسری جانب سے جمشید کی مانوس آواز سنائی دی تو اکبر برلاس نے سکون کا سانس لیا۔

"تم خیریت سے تو ہو.......؟"

"آپ بزرگوں کی دعا ہے انکل۔"

"اس وقت تمہیں انکل کی یاد کیسے آگئی؟" اکبر برلاس نے شکوہ کیا "کیا اب اتنی فرصت بھی نہیں ہے کہ کبھی ملنے آسکو؟"

"ضرور حاضر ہوں گا......" جمشید نے کہا' پھر سنجیدگی سے بولا "اسوقت میں نے آپ کو ایک خاص مقصد سے فون کیا تھا۔"

"کہو......" اکبر برلاس نے اپنائیت کا اظہار کیا۔ "اگر میں تمہارے کسی کام آسکوں تو مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"کیا میں امید رکھوں کہ اس وقت ہمارے درمیان جو بات ہوگی' اس کا علم کسی اور کو نہیں ہوگا..... آنٹی اور خاور کو بھی نہیں۔"

"ایسی کیا بات ہے؟" اکبر برلاس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"مجھے آپ سے خاور کے سلسلے میں گفتگو کرنی ہے......"

"خاور کے سلسلے میں......" اکبر برلاس کا دل دھڑکنے لگا۔ "کیا ہوا خاور کو.....؟" انہوں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا لیکن اگر نازش سے اس کی شادی ہوگئی تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں......" اکبر برلاس نازش کا نام سن کر چونکے۔ وسوسوں نے پھر سر

ابھارنا شروع کر دیا۔

"کیا آپ کو بھی نازش کا رشتہ پسند ہے؟" جمشید نے دبی زبان میں سوال کیا۔

"میں بھی تم سے یہی درخواست کروں گا کہ میرے جواب کی بھنک بھی کسی اور کو نہ ملے...." اکبر برلاس نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ پھر کچھ توقف کے بعد گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بولے "کرنل نوازش سے میرے تعلقات بس واجبی حد تک تھے لیکن میں نے نازش کو کرنل کی زندگی میں بھی کبھی بہو کی حیثیت سے نہیں دیکھا.... ممکن ہے اس کا کردار میری توقع سے کہیں زیادہ بلند ہو مگر مجھے اس کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی اور وہ ماحول جس میں وہ سانس لے رہی ہے' قطعی پسند نہیں۔"

"پھر.....نازش سے خاور کے رشتے کی بات کیسے شروع ہوگئی؟"

"تمہاری آنٹی کو نازش بہت زیادہ پسند ہے۔" اکبر برلاس نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے سرد آہ بھری "لیکن مجھے حیرت اس بات کی ہے کہ خاور نے شادی کی حامی کیونکر بھری....؟ تم اس کے دوست ہو بیٹے۔ کیا تم کو بھی خاور نے شادی پر آمادگی کی کوئی وجہ نہیں بتائی؟"

"میں نے اسی غرض سے آپ کو فون کیا ہے....." جمشید نے تیزی سے کہا۔ "انکل میری درخواست ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو' آپ اس شادی کو روکیں۔"

"خاور اور تمہارے درمیان نازش کے سلسلے میں کیا بات ہوئی تھی؟" اکبر برلاس نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"میں فون پر تفصیل بتانے سے گریز کروں گا لیکن اتنا ضرور گوش گزار کر سکتا ہوں کہ خاور اس وقت بڑے جذباتی دور سے گزر رہا ہے۔ نازش سے شادی کی حامی اس نے آنٹی کو خوش کرنے کی خاطر بھری ہے لیکن شادی کے بعد وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"کیا کر سکتا ہے وہ....؟" اکبر برلاس نے ریوالونگ چیئر پر کسمسا کر بے حد پریشان لہجے میں پوچھا "مجھے بتاؤ جمشید بیٹے.....خاور کے ذہن میں کیا؟ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ کیا

سوچ رکھا ہے اس نے؟"

"آپ پریشان نہ ہوں انکل۔۔۔پلیز۔" جمشید نے سمجھاتے ہوئے کہا "میں کسی وقت آپ کو پہلی فرصت میں مل کر سب کچھ بتا دوں گا لیکن آپ کو اس بات کی ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی کہ نازش سے خاور کی شادی نہ ہو سکے۔۔۔ آنٹی کو سمجھانے کی کوشش کریں۔"

"کیا تم آج ہی مجھ سے نہیں مل سکتے۔۔۔؟" اکبر برلاس نے بدستور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا "تمہاری باتیں سن کر میری جو کیفیت ہو رہی ہے' شاید تم اس کا اندازہ دور بیٹھ کر نہ لگا سکو۔۔۔خاور میرا اکلوتا بیٹا ہے' اس کے لیے میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں لیکن تمہاری آنٹی۔۔۔ انہیں سمجھانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"آپ اس کی فکر بھی نہ کریں۔" جمشید نے دلاسہ دیا۔ "میں ہی کوئی راستہ نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ خاور کا ارادہ کیا ہے؟"

"میں آج نہیں تو کل کسی وقت آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا لیکن میری درخواست ہے کہ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ خاص طور پر آنٹی کو تو اس بات کا علم نہ ہو کہ میں نے آپ سے نازش اور خاور کے سلسلے میں۔۔۔"

"تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔۔۔" اکبر برلاس نے یقین دلایا۔ پھر بڑی لجاجت سے بولے "تم خاور کے دوست ہو۔ وہ تمہاری بہت عزت کرتا ہے۔ اسے سمجھانے کی کوشش کرو کہ اس کا کوئی غلط اقدام کم از کم میرے لیے موت اور زندگی کا مسئلہ بھی بن سکتا ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کروں گا۔"

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں انکل۔۔۔" جمشید نے سنجیدگی سے کہا "خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔۔۔ وہ بہتر کرے گا۔"

"میں تمہارا انتظار بڑی شدت سے کرتا رہوں گا۔" اکبر برلاس نے پہلو بدل کر جواب دیا "آنے سے پیشتر فون ضرور کر لینا تاکہ کہیں تمہیں انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔۔۔"

"مجھ سے وعدہ کریں انکل کہ آپ پریشان نہیں ہوں گے۔"

"کوشش کروں گا۔۔۔" اکبر برلاس نے مضمحل آواز میں جواب دیا "تمہاری باتوں سے جو بے چینی لاحق ہو گئی ہے' وہ تم سے ملنے کے بعد ہی دور ہو سکتی ہے۔"

پھر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اکبر برلاس ریوالونگ چیر سے اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ ان کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ بڑی سنجیدگی سے جمشید سے ہونے والی گفتگو کے ایک ایک پہلو پر غور کر رہے تھے۔ دل اور دماغ میں رہ رہ کر ایک ہی بات بار بار ابھر رہی تھی۔۔۔

"وہ کون سا ایسا راستہ اختیار کریں جو خاور اور نازش کے رشتے کے درمیان ایک ایسی آہنی دیوار ثابت ہو جسے دنیا کی کوئی طاقت نہ گرا سکے۔۔۔!!"



عابد حسین کو ہوش آیا تو ان کے ذہن میں سب سے پہلے اسی بچے کا تصور ابھرا جو ان کے صحن میں ننگ دھڑنگ حالت میں خون میں لت پت پڑا کربناک آواز میں ہولناک چیخیں مار رہا تھا۔ وہ منظر اس قدر دہشت ناک تھا کہ عابد حسین خود کو سنبھال نہ سکے۔ ان کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا پھیل کر اس قدر گہرا اور کثیف ہوتا چلا گیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر صحن میں گر پڑے تھے۔ ہوش آنے پر انہوں نے خود کو خیراتی ہسپتال کے ایک کمرے میں پڑا پایا۔ ذہن پر طاری دھند چھٹنی شروع ہوئی تو انہیں جمشید کا خیال آیا جسے چھوڑنے کی خاطر دروازے تک گئے تھے جب بچے کی چیخ کی ابھرنے والی آوازیں ان دونوں کو واپس گھر کے صحن تک کھینچ لائی تھیں۔ اس کے بعد شاید جمشید ہی نے انہیں ہسپتال میں داخل کروایا تھا۔

عابد حسین اس بچے کے بارے میں اپنے ذہن کو کرید رہے تھے۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی چیخ کی آوازیں ان کے لاشعور میں کہیں دفن ہیں۔ جیسے اس بچے سے ان کا کوئی گہرا تعلق رہا ہو۔ کوئی ایسا راز ضرور تھا جو بار بار ان کے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا لیکن وہ ڈور کا کوئی سرا نہیں تلاش کر سکے تھے۔ کئی بار انہوں نے جھلا کر اس بچے کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن اس کا خوفناک تصور جیسے ان

کے وجود سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔

ہسپتال میں وہ کتنے دن بے چینی کی حالت سے دوچار رہے انہیں اس کا صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن ہسپتال کی نرسوں اور ڈاکٹروں کی گفتگو سے انہیں اس بات کا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ جمشید اس پراسرار بچے کے نظر آنے کے بعد ان کی شخصیت میں دلچسپی ضرور لے رہا تھا۔ ایک دو بار انہوں نے خاور کی آواز بھی سنی تھی لیکن اس طرح آنکھیں بند کیے خاموش لیٹے رہے جیسے گہری نیند سو رہے ہوں۔ وہ خاور یا جمشید کو کوئی جواب دینے سے پیشتر اس بچے کے بارے میں اپنی یادداشت کو پوری طرح کریدنے کے خواہش مند تھے لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

اس روز بھی وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھے اور جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے لیٹے تھے جس روز سرجن احتشام' جمشید اور خاور ان کے کمرے میں جمع ہوئے تھے۔ سرجن احتشام نے بڑے یقین سے مریض کے ہوش میں آجانے والی بات کہی تھی۔ عابد حسین ان کی ایک ایک بات سن رہے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ شبہ اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا تھا کہ جمشید نہ صرف اس بچے کے بارے میں اصلیت جاننے کے لیے بے چین ہے بلکہ اسے ان کی طویل بے ہوشی پر شک گزر رہا ہے۔ عابد حسین اس وقت تک اپنی بے ہوشی کے ڈرامے کو جاری رکھنا چاہتے تھے جب تک وہ اپنے گھر کے صحن میں نظر آنے اور پھر حیرت انگیز طور پر غائب ہو جانے والے بچے کا معمہ حل نہ کر لیں لیکن سرجن احتشام نے جب جمشید سے بے ہوشی کے اسباب معلوم کرنے والی بات کہی تو عابد حسین کو مجبوراً ہوش میں آنا پڑا۔ وہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اس بچے کے بارے میں زیادہ تشہیر ہو' اسی سبب ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ جان بوجھ کر اس قسم کی اداکاری کرتے رہے جیسے ان کی یادداشت پوری طرح بحال نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے جمشید کی آنکھوں میں ابھرنے والے شکوک بھی محسوس کر لیے تھے لیکن وہ جمشید سے صرف تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ نہ جانے یہ خوف کیوں ان کے ذہن پر طاری تھا کہ صحن میں نظر آنے والے بچے کے بارے میں اگر رازداری سے کام نہ لیا گیا تو وہ کسی نئی مصیبت میں

گرفتار ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے یادداشت گم ہو جانے کی اداکاری جاری رکھی۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ سرجن احتشام نے ایک انجکشن لگایا تھا جس کے بعد ان کا ذہن نیند کی کیفیتوں سے دوچار ہو گیا تھا۔ انجکشن کی خواب آور دوا نے انہیں کتنی دیر سکون کی حالت سے دوچار رکھا' انہیں یاد نہیں تھا لیکن دوبارہ ذہن سے غنودگی کے اثرات دور ہوئے تو وہی بچہ ایک بار پھر ان کے اعصاب پر سوار ہو گیا۔ وہ کسی خطرناک جراثیم کی مانند ان کے دل و دماغ سے جونک کی طرح لپٹ گیا تھا۔

عابد حسین بڑی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ انہیں اپنی بیوی کا خیال بھی آرہا تھا جو اسی ہسپتال کے ایک دوسرے وارڈ میں تھیں لیکن عابد حسین کو ان کی حالت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ انہیں عالیہ کا غم بھی لاحق تھا۔ حالات نے انہیں اچانک اس طرح اپنی لپیٹ میں لیا تھا کہ وہ بے بسی کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔ جمشید اور خاور کے درمیان میں آجانے سے انہیں بڑی تقویت حاصل ہوئی تھی۔ انہیں اس بات کی امید ہو چلی تھی کہ وہ دونوں مل کر عالیہ کے سلسلے میں ضرور کوئی کارآمد معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ انہوں نے خاور کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ بھی کر لیا تھا کہ عالیہ کی شادی ہو جانے کے بعد بھی وہ اس کی یاد سے دستبردار نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ازخود ان کے پاس کبھی نہیں آتا۔ ویسے خاور کو دیکھ کر انہیں عالیہ کی یاد اور بھی شدت سے آئی تھی۔ شبانہ بیگم کی مخالفت اگر راستے کی دیوار نہ بنتی تو عا۔۔ اور خاور کی جوڑی بڑی کامیاب ہوتی لیکن وقت کی گردش نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا تھا۔ جمی جمائی بساط کا رخ پلٹ دیا تھا..... اور اب جب عالیہ کے کھوج کی امید نظر آنی شروع ہوئی تو وہ پراسرار بچہ درمیان میں آگیا جس نے جمشید کے علاوہ عابد حسین کے ذہن میں بھی ایک نامعلوم سی ہلچل پیدا کر دی تھی۔

اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی تو عابد حسین نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز اور قدموں کی آہٹ کو وہ پوری توجہ سے سن رہے تھے۔ پھر

نسوانی آوازیں گنگنانے کی مدھم آواز ابھری تو عابد حسین نے پلکوں کے درمیان ہلکی سی جھری کرکے دیکھا۔ ڈیوٹی نرس ان کی طرف پشت کیے کھڑی چارٹ پر کچھ اندراجات کرنے میں مصروف تھی۔ عابد حسین نے کچھ سوچ کر آنکھیں کھول دیں۔ نرس کو مدھم آواز میں پکارا تو وہ تیزی سے پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"تھینکس گاڈ....." نرس نے قریب آتے ہوئے کہا۔ پھر عابد حسین کی نبض پر ہاتھ رکھ کر پیشہ ورانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "آپ اب کیسا محسوس کر رہے ہیں......؟"

"کمزوری بہت زیادہ ہے۔" عابد حسین نے نقاہت بھری آواز میں جواب دیا "ذہن پر کچھ وزن سا محسوس ہو رہا ہے۔"

"ڈونٹ وری....." نرس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا "اب آپ کو ہوش آگیا ہے تو طبیعت کا بھاری پن بھی دور ہو جائے گا۔"

"نرس......" عابد حسین نے نرس کو پرامید نظروں سے دیکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا "کیا تم میرا ایک کام کر سکو گی؟"

"وہائی ناٹ.... فرمایئے کیا کام ہے؟"

"اسی ہسپتال کے نفسیاتی وارڈ میں......."

"آپ کی وائف زیر علاج ہیں۔" نرس نے جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا "آپ ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں......" عابد حسین کا دل دھڑکنے لگا۔ "اب اس کی ذہنی کیفیت کیسی ہے؟"

"ان کا علاج جاری ہے...." نرس نے جواب دیا "ہسپتال کے ڈاکٹروں کو امید ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی لیکن جو صدمہ ان کے ذہن کو پہنچا ہے' اسے دور ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"کیا وہ ابھی تک بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے.....؟"

"آپ پریشان نہ ہوں......" نرس نے ہمدردی کا اظہار کیا "مسٹر خاور نے ان کے لیے ایک نفسیات کے ماہر ڈاکٹر کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ میری طرح آپ کی

aazzamm@yahoo.com

وائف کے لیے بھی ایک نرس تعینات کر دی گئی ہے جو ہر طرح سے ان کا خیال رکھتی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" عابد حسین نے چونک کر نرس کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا "کیا تمہارا تعلق اس ہسپتال سے نہیں ہے؟"

"جی نہیں...." نرس نے کہا "مجھے سرجن احتشام نے آپ کی دیکھ بھال پر مامور کیا ہے۔ میں انہی کے ساتھ کام کرتی ہوں اور آج کل آپ کی ڈیوٹی پر ہوں۔"

عابد حسین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"پلیز...." نرس نے ان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے جلدی سے کہا "آپ ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔ زیادہ سوچنا آپ کے لیے مفید نہیں ہوگا..... جسٹ ریلیکس..... خوش رہنے کی کوشش کیجئے۔"

"میں اس ہسپتال میں کب سے ہوں؟" عابد حسین نے انجان بنتے ہوئے نرس سے سوال کیا۔ وہ نرس کو باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ کب اور کس وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوئے تھے۔ انہیں کچھ یاد نہیں تھا۔

"شام کو سرجن احتشام آپ کو دیکھنے آئیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔" نرس نے عابد حسین کی بات کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی حالت اس وقت بالکل نارمل ہے۔"

"مجھے کیا مرض لاحق تھا......؟" عابد حسین نے پلکیں جھپکاتے ہوئے ایک بار پھر اپنی یادداشت گم ہو جانے والی اداکاری کے بھرم کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" نرس نے مسکرا کر جواب دیا "معمولی سا چکر آنے کی وجہ سے آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ دو تین روز کے بیڈ ریسٹ (Bed Rest) کے بعد تھوڑی بہت جو کمزوری ہے' وہ بھی دور ہو جائے گی۔"

عابد حسین نے مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ نرس سے پانی مانگ کر پیا۔ پھر دوسری کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد نرس چلی گئی تو عابد حسین کے ذہن پر پھر وہی پراسرار بچہ کسی آسیب کی طرح سوار ہو گیا۔ بچے کے چہرے

کے نقوش پھر ان کے ذہن میں اجاگر ہونے لگے۔ گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔

وہ بچہ آٹھ سال کا تھا لیکن اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کے بدن پر گاڑھا گاڑھا خون لتھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کی چیخ کی آوازیں بڑی ہی کربناک تھیں۔ صحن کے درمیان پڑا وہ اس طرح پچھاڑیں کھا رہا تھا جیسے کسی ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہو..... پھر جمشید نے جب اس بچے کے بارے میں عابد حسین سے دریافت کیا تو اس کی چیخ یکلخت گھٹ کر رہ گئی اور صحن کے در و دیوار سے دیوانہ وار قہقہہ لگانے کی آوازیں ابھرنی شروع ہو گئیں۔ قہقہوں کی ان آوازوں میں ایسا تاثر موجود تھا جیسے وہ کسی کی مجبوری اور بے بسی پر لگائے جا رہے ہوں..... ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جمشید بھی بوکھلا گیا تھا۔ جو منظر پیش آیا تھا' اسے دیکھ کر کوئی بھی دہشت زدہ ہو سکتا تھا۔

عابد حسین بھی بھیانک قہقہوں کی چو طرفہ گونج سن کر خوف سے پسینے پسینے ہو گئے تھے۔ فوری طور پر ان کے ذہن میں ڈاکٹر ذیشان کا تصور ابھرا تھا جس کے بارے میں انہیں "آسیب" ہونے کا پورا پورا شبہ ہو چکا تھا۔ جمشید کی طرف دیکھنے کے بعد عابد حسین نے دوبارہ اس پراسرار بچے کی سمت دیکھا تو ان کی نظریں اس کے بائیں گال پر جم کر رہ گئیں جہاں چار انگلیوں کے ابھرے ہوئے نشانات واضح طور پر نظر آ رہے تھے جو خون جم جانے کے سبب نیلے پڑ گئے تھے۔ انگلیوں کے ان نشانات کو دیکھ کر عابد حسین کے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ پھر ابھری ہوئی وہ چاروں لکیریں زہریلی ناگنوں کی مانند متحرک نظر آنے لگیں۔ ان کا بل کھاتا جسم بھی خون سے تربتر نظر آ رہا تھا۔ عابد حسین پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھتے رہے۔ انہوں نے وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن ناگنوں کی دہشت نے انہیں سحرزدہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی ادھر ادھر جنبش نہ کر سکے۔ تیزی سے بل کھاتی ہوئی خوبصورت ناگنوں نے ان کے قریب آ کر پھن کاڑھ لیے۔ ان کے جسم فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ ان کی زبانیں خوفناک انداز میں لپلپا رہی تھیں۔ پھر ناگنوں نے ایک ساتھ بل کھا کر عابد

حسین پر حملہ کر دیا تھا..... اس کے بعد عابد حسین کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا پھیل کر گہرا ہوتا چلا گیا۔ ذہن کی ساری قوتیں بڑی تیزی سے معطل ہونے لگیں۔ انہیں صرف اتنا یاد تھا کہ وہ کسی کٹے ہوئے تناور درخت کی مانند لڑکھڑائے تھے۔ پھر اپنا بوجھ قدموں پر سنبھالنے کی خاطر انہوں نے ایک آخری کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

انگلیوں کے وہی چار نشان اس وقت بھی ان کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے عالم تصور میں ان نشانات کو بغور دیکھ رہے تھے۔ جب ان چاروں لکیروں نے لہرا لہرا کر آپس میں گڈمڈ ہونا شروع کیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ دھندلا گئے۔ پھر دوبارہ جو صورت دھند کا سینہ چیرتی ہوئی سامنے آئی' اسے دیکھ کر عابد حسین کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ چار انگلیوں کے بجائے واضح ہونے والی شکل اسی آٹھ سال کے بچے کی تھی جسے وہ خون میں لت پت' ننگ دھڑنگ اپنے مکان کے کچے صحن میں روتا بلکتا دیکھ چکے تھے لیکن اس وقت وہ لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش بے حد حسین اور دلکش نظر آ رہے تھے البتہ آنکھوں میں بڑی پراسرار سی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ چند ساعت وہ عابد حسین کو معنی خیز انداز میں گھورتا رہا' پھر اس کے خوبصورت لبوں کو جنبش ہوئی۔

"میرے بارے میں اپنے آپ کو کیوں ہلکان کر رہے ہو انکل..... نرس نے ابھی تم سے کہا تھا کہ تمہیں آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"

"کون ہو تم....؟" عابد حسین نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"میں تو ایک بھولا بھالا معصوم بچہ ہوں انکل۔" بچے نے بڑی معصومیت سے کہا "مگر..... تمہاری آنکھوں سے خوف کیوں جھانک رہا ہے؟ کیا میں تمہیں اچھا نہیں لگ رہا....؟"

"کیا نام ہے تمہارا....؟" عابد حسین نے دریافت کیا۔ "کیوں بھیس بدل بدل کر میرے سامنے آ رہے ہو؟"

"میرا نام جان کر کیا کرو گے؟" اس نے بدستور معصومیت سے جواب دیا "بچے تو

سب بچے ہوتے ہیں...پیارے پیارے' بھولے بھالے' ڈالیوں پر مہکتے پھولوں کی طرح جنہیں پیار کیا جاتا ہے...کیا تمہیں میرا لباس میں نظر آنا اچھا نہیں لگا؟"

عابد حسین نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا- ان کی نظریں بچے پر مرکوز تھیں- دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچی تھی- وہ محسوس کر رہے تھے کہ بچہ جس لب و لہجے میں بات کر رہا تھا' وہ بظاہر معصوم تھا لیکن اس کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی راز ضرور تھا...وہ راز کیا تھا؟

"بری بات ہے انکل...." بچے نے سنجیدگی سے کہا "نرس نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں...زیادہ سوچنا آپ کے لیے مفید نہیں ہوگا.... جسٹ ریلیکس...خوش رہنے کی کوشش کیجئے-"

عابد حسین نے خوفزدہ نظروں سے بچے کو دیکھا- وہ جو کوئی بھی تھا' حیرت انگیز اور ناقابل یقین قوتوں کا مالک تھا- اس نے نہ صرف عابد حسین کی بے چینی کو محسوس کر لیا تھا بلکہ وہ جملہ بھی حرف بہ حرف دہرا رہا تھا جو کچھ دیر پیشتر ڈیوٹی نرس نے کہا تھا-

"اس طرح مجھے گھور گھور کر مت دیکھو انکل...مجھے ڈر لگ رہا ہے-" اس بار بچے نے خوفزدہ نظر آنے کی کوشش کی تھی مگر عابد حسین اس کے جملے میں چھپا گہرا طنز محسوس کر رہے تھے- وہ ان کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا تھا-

"تم...تم کون ہو...؟" انہوں نے بچے کو مخاطب کیا- "میرا تمہارا کیا تعلق ہے؟...مجھے یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو نظر آ رہے ہو...."

"پھر...میری اصلیت کیا ہے؟" بچے نے بھولپن کا مظاہرہ کیا لیکن اس کا جملہ زہر میں بجھا ہوا تھا- اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم ہی بتاؤ کہ میرا تمہارا بھلا کیا تعلق ہے؟...میں جو کچھ نظر آ رہا ہوں' اگر وہ نہیں ہوں تو پھر اور کون ہوں؟...میری رہنمائی کرو انکل...شاید میں بھی تمہاری طرح اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں-"

"تم...تم کوئی بدروح ہو...کسی بدکردار شیطان کی بھٹکتی ہوئی روح جو مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہی ہے-" عابد حسین نے پہلی بار دل کڑا کرکے کہا "لیکن میں

تم سے خوفزدہ نہیں ہوں-"

"گڈ...ویری گڈ...." بچے نے تالی بجاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا- "تم بہادر انسان ہو اور جو بہادر ہوتے ہیں' وہ نڈر اور بے خوف بھی ہوتے ہیں.... کسی سے نہیں ڈرتے...میں بھی بڑا ہو کر تمہاری طرح بہادر بننے کی کوشش کروں گا...مگر تم نے مجھے شیطان کیوں کہا تھا؟...کیا شیطان بہادر نہیں بن سکتے؟ مجھے سمجھاؤ انکل' بہادر بننے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

عابد حسین تلملا کر رہ گئے- ان کی قوت برداشت جواب دینے لگی- وہ بچے کے جواب میں پلٹ کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ یکلخت ایک خیال ان کے ذہن میں بجلی بن کر کوندا..."کہیں یہ بچہ ڈاکٹر ذیشان کا دوسرا روپ تو نہیں ہے؟" اس خیال کے ذہن میں ابھرتے ہی انہوں نے بچے کے چہرے کے نقوش کو بڑی گہری نظروں سے دیکھنا شروع کیا...ڈاکٹر ذیشان کا تصور ابھرتے ہی عالیہ کی یاد بھی ان کے دل کی گہرائیوں میں کلبلانے لگی تھی-

"اپنی بچی کی یاد آتی ہے تو تم تڑپ اٹھتے ہو...." بچے نے سرسراتے لہجے میں کہا "کبھی دوسروں کے بچوں پر بھی شفقت کی ایک نظر ڈال لیا کرو-"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے تمہیں پہلے بھی کبھی دیکھا ہے-" عابد حسین نے ذہن پر زور دے کر کہا "کہاں؟...یہ یاد نہیں آ رہا-"

"تم ابھی کسی ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں سوچ رہے تھے...." بچے نے زہرخند سے پوچھا "ڈاکٹر ذیشان کون ہے؟"

"تمہارا خیال غلط ہے-" عابد حسین نے کسی خیال کے تحت بچے کی بات کی تردید کرنی چاہی- "میں کسی ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں نہیں جانتا-"

"پھر...؟" بچہ معنی خیز انداز میں مسکرایا- "تم اس شک میں کیسے مبتلا ہو گئے تھے کہ میں ہی ڈاکٹر ذیشان کا دوسرا روپ ہوں...کیا وہ بھی کوئی بدروح یا آسیب ہے؟"

"دفع ہو جاؤ...." عابد حسین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا- "میں تمہاری

صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"اتنی جلدی میری صورت سے بیزار ہو گئے عابد حسین..... ابھی تو میں نے تمہاری طرف پوری توجہ بھی نہیں دی۔" اس بار بچے نے بڑے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ عابد حسین اس لب و لہجے کو سن کر ششدر رہ گئے۔ وہ آواز سو فیصد ڈاکٹر ذیشان کی تھی۔ ان کے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہونے لگیں۔

"تم نے غلط نہیں سوچا تھا عابد حسین۔" بچے نے بدستور ڈاکٹر ذیشان کی آواز میں کہا "میں ہی ڈاکٹر ذیشان کا دوسرا روپ ہوں جس کے ساتھ تم نے اپنی عزت بچانے کی خاطر عالیہ کی زندگی کا سودا کیا تھا۔ یاد ہے تمہیں خاور کی وہ سنگدل ماں جس نے تمہارے دروازے پر کھڑے ہو کر تمہاری شرافت اور غیرت کی دھجیاں اڑائی تھیں اور تم نے بے قصور ہونے کے باوجود اپنی زبان بند رکھی تھی۔ تمہاری اولاد نے تمہاری زبان پر تالے ڈال دیئے تھے۔ بات بڑھ جاتی تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے..... محبت گناہ نہیں ہے لیکن بلاوجہ کی بدنامی بھی رسوائی بن جاتی ہے..... میں غلط تو نہیں کہہ رہا.......؟"

"مم..... میری عالیہ کہاں ہے؟" عابد حسین نے تڑپ کر رندھی ہوئی آواز میں پوچھا "تم نے اسے کہاں چھپا رکھا ہے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم اس قدر بھیانک انتقام لے رہے ہو؟"

"تم نے میرا کیا بگاڑا تھا' وہی تو ساری کہانی کی بنیاد ہے جسے تم بھول چکے ہو۔" بچے نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر جلدی سے بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "عالیہ جہاں بھی ہے' ابھی تک زندہ ہے۔ وہ تمہاری بدولت میرا تیسرا روپ بھی دیکھ چکی ہے۔ تیسرا روپ جو تمہارے تصور سے بھی زیادہ ہولناک' بھیانک اور دہشت انگیز ہے۔"

"یہ..... یہ..... تم کیا کہہ رہے ہو؟" عابد حسین نے حیرت سے دریافت کیا۔ "تمہارے کتنے روپ ہیں؟"

"پہلے میرا صرف ایک روپ تھا....." بچے نے اپنا نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بڑی حقارت سے جواب دیا "تم نے ایک معصوم روپ کو چار حصوں میں منقسم کر دیا..... عابد

حسین تم نے شاید ابھی تک میرے بائیں گال پر نظر آنے والی چار انگلیوں کے نیل پڑے نشانات پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ انہی نشانوں نے مجھے چار روپ اختیار کرنے پر اکسایا تھا۔ ایک روپ وہ ہے جسے سب سے پہلے تم نے دیکھا تھا..... دوسرا روپ ڈاکٹر ذیشان کا ہے جس نے تم سے اپنا انتقام لینے کی خاطر خاور اور عالیہ کے درمیان شبانہ بیگم کی دیوار لاکھڑی کی تھی۔ جس وقت وہ تمہارے گھر میں کھڑی عالیہ کے بارے میں زہر اگل رہی تھی۔ اس وقت وہ میرے ہی زیر اثر تھی۔ اس کی زبان پر میرا تسلط تھا۔ پھر وہی جو میں نے پلان کیا تھا..... تم نے عالیہ کی بدنامی اور اپنے خاندان کی رسوائی سے بچنے کی خاطر اس کی شادی میرے ساتھ کر دی..... یاد ہے ناں تمہیں؟"

عابد حسین کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جاگتی آنکھوں سے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہے ہوں۔ عالیہ کے ذکر پر ان کی آنکھوں نے چھلکنا شروع کر دیا۔ وہ گڑبڑا کر اس بچے سے عالیہ کی زندگی کی بھیک مانگنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ فوری طور پر وہ اس بچے کی باتوں پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کرنا چاہتے تھے...... ہو سکتا تھا کہ وہ پراسرار بچہ کوئی نئی شیطانی قوت ہو جو کسی اور مقصد سے انہیں تنگ کرنا چاہتا ہو۔ عابد حسین کے ذہن میں یہ خیال ایک پل کو ابھرا لیکن دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس لیے کہ بچے نے ان کے دل میں ابھرنے والے خدشے کو محسوس کر لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نظر آنے والے حقارت اور نفرت کے ملے جلے تاثرات پھیل کر گہرے ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ڈاکٹر ذیشان کی صورت اختیار کر لی۔

"کیا اب بھی میرے بیان پر تمہارے لیے کسی شے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟" اس نے بڑے زہریلے انداز میں سوال کیا۔

"مم..... میں..... تم سے رحم کی درخواست کرتا ہوں۔" عابد حسین نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "تمہارے خیال میں اگر میں تمہارا مجرم ہوں تو مجھے جو چاہے سزا دو..... جان سے مار ڈالو مجھے لیکن میری بیٹی اور اس کی ماں کو اپنے انتقام کی زد سے آزاد کر دو..... میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

جواب میں ڈاکٹر ذیشان کے روپ نے ایک بھیانک اور فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔ پھر اس نے جلے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں والا تیسرا روپ اختیار کیا تو عابد حسین کے بدن کے رونگٹے بھی خوف سے کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی گھٹی گھٹی چیخ پر قابو نہ پا سکے۔ اتنی کریہہ اور بھیانک شکل انہوں نے پہلے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ خاص طور پر وہ دو آنکھیں جس میں کسی جلتی ہوئی ارتھی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"تم تو بڑے بزدل ثابت ہو رہے ہو عابد حسین...." کریہہ شکل والے نے کھرکھراتی آواز میں کہا "تم سے بہادر تو تمہاری بیٹی ہے جو ہر رات اسی چہرے کو پیار کرتی ہے جو اب اس کا مقدر بن چکا ہے۔"

"میں....میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔" عابد حسین بڑی عاجزی سے گڑگڑانے لگے۔ "عالیہ اور اس کی ماں کو اپنے آسیبی چکروں سے آزاد کر دو..... مجھے جس طرح چاہو اذیتیں دے کر ختم کر دو.....میں کوئی احتجاج نہیں کروں گا۔"

"تم بھول رہے ہو عابد حسین....." جواب میں مسکراتے ہوئے کہا گیا "آسیب' بدروحیں' شیطانی قوتیں اتنی آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتیں...."

"پھر....تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" عابد حسین نے اسے رحم طلب نظروں سے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

"انتقام....بھیانک اور عبرتناک انتقام۔ ایسا ہولناک انتقام جو تمہاری روح کو بھی قبر میں چین نہ لینے دے۔"

"میرا جرم کیا ہے....؟" عابد حسین نے بڑی بے بسی سے پوچھا "تم کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہو؟"

"ان چار انگلیوں کا انتقام جس نے مجھے اپنی شخصیت کو چار حصوں میں تقسیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ عجیب الخلقت نظر آنے والے نے بڑی سرد اور سفاک آواز میں کہا "یہ میرا تیسرا روپ ہے جو تم اس وقت دیکھ رہے ہو..... چوتھا روپ میں موقع اور محل دیکھ کر بدلتا رہتا ہوں..... تم نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔" آخری جملہ ادا کرنے کے بعد اس کی آنکھوں میں رقص کرتے ہوئے شعلوں کی لپٹ کچھ اور تیز

ہو گئی تھی۔ چہرے پر جلے اور ابلے ہوئے گوشت کے لوتھڑے یوں تھرتھرانے لگے جیسے وہ شدید غصے کے عالم میں کانپ رہا ہو۔ "میں نے تمہیں مجبور کر دیا تھا....؟" عابد حسین نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہاں...." اس نے کسی زخمی درندے کی مانند غراتے ہوئے جواب دیا "تم نے مجھے حقیر سمجھ کر میرے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا' اس نے مجھے غصے میں پاگل کر دیا تھا۔ تمہیں اپنے قدموں تلے روند ڈالنے کے بجائے میں نے طیش میں آکر خود اپنا چہرہ جلا ڈالا تھا۔ اپنی خوبصورتی اور اپنے حسن کو مسخ کر ڈالا۔ غصے نے مجھے دیوانہ کر دیا تھا لیکن اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب پانی میرے سر سے گزر چکا تھا۔ اس کے بعد میں نے تمہاری حیثیت پر نظر ڈالی تو تلملا کر رہ گیا۔ تم میری نادیدہ قوتوں کے سامنے زمین پر رینگتی چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر تھے.....میں ہوش آنے کے بعد بھی تمہیں مسل کر تمہارے وجود کو خاک میں ملا سکتا تھا لیکن تمہارے لیے میرا وہ انتقام حسب حال نہ ہوتا۔ چنانچہ میں نے تم سب کو تہس نہس کر ڈالنے کی ٹھان لی....ثبوت تمہارے سامنے موجود....تمہاری چہیتی عالیہ کی بھرپور جوانی میرے نفس کی آگ کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ تم اور تمہاری بیوی ہسپتال میں پڑے ایڑیاں رگڑ رہے ہو..... نرس نے ابھی تم کو بتایا تھا کہ ڈاکٹر تمہاری بیوی کی طرف سے پرامید ہیں لیکن ایسا ناممکن ہے۔ میں جب تک نہ چاہوں' تمہاری بیوی کبھی دماغی طور پر صحت یاب نہیں ہو سکتی.....

"تمہیں....شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" عابد حسین نے عالیہ کے سلسلے میں اس کے اشتعال انگیز جملے کو خون کا گھونٹ پی کر برداشت کرتے ہوئے کہا "مجھے نہیں یاد کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا ناروا سلوک کیا تھا جس نے تمہارے اندر انتقام کی آگ بھڑکا رکھی ہے.....ہو سکتا ہے کہ تم کسی اور کے دھوکے میں......"

"دھوکا مجھے نہیں' تمہیں ہوا تھا جو تم نے مجھے عام انسان سمجھ کر میرے اوپر ہاتھ اٹھانے کی حماقت کی تھی۔" وہ کسی زہریلے ناگ کی طرح خطرناک انداز میں پھنکارتے ہوئے بولا "میں پچیس سال سے اس انتقام کی آگ میں جھلس رہا ہوں جو تم نے

میرے دل و دماغ میں روشن کی تھی۔"
"میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا تھا.....کب؟" عابد حسین نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا "مجھے کچھ یاد نہیں آرہا....."

"ماضی میں جھانکنے کی کوشش کرو ماسٹر عابد حسین' تمہیں سب کچھ رفتہ رفتہ یاد آجائے گا۔" وہ بدستور حقارت بھرے انداز میں بولا "بیس سال کی طویل مدت نے شاید تمہاری ذہنی صلاحیتوں کو گرد آلود کر دیا ہے۔ اپنی یادداشت کو کریدنے کی کوشش کرو.....تم تو بہت ذہین اور رعب دار شخصیت کے مالک ہوا کرتے تھے۔"

عابد حسین نے اس کی بات کو بہت غور سے سنا.....اس بار انہیں "ماسٹر" کے حوالے سے مخاطب کیا گیا تھا۔ یہ حوالہ عابد حسین کے لیے ڈور کا ایک سرا تھا جسے مضبوطی سے تھام کر انہوں نے ماضی میں جھانکا تو تمام گرہیں یکلخت کھلتی چلی گئیں۔ بیس سال پہلے کا وہ ناقابل یقین سانحہ ان کے ذہن کی اسکرین پر پوری طرح روشن ہو گیا۔

اس زمانے میں وہ پرائمری کلاس کو پڑھایا کرتے تھے۔ چھوٹے بچوں کو کنٹرول کرنے کی خاطر انہیں پیار و محبت کے علاوہ اکثر رعب اور سختی سے بھی کام لینا پڑتا تھا۔ عابد حسین نے کبھی کسی لڑکے پر بلاوجہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ ان کی رعب دار کڑک آواز سن کر ہی بچے شور و غل کرنا بھول کر اپنی نصابی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے تھے لیکن عابد حسین کو یاد آگیا کہ ایک روز ان کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا تھا۔

لقمان تیسری جماعت کا سب سے ذہین طالب علم تھا۔ صحت مند جسم کا مالک ہونے کے علاوہ پورے اسکول کا سب سے خوبصورت' حسین اور حاضر جواب لڑکا تھا۔ اسکول کے سارے ماسٹر اور طلباء اس کی تعریف کرتے تھے۔ پڑھائی کے علاوہ کھیل کود میں بھی سرفہرست رہتا تھا۔ ہم جماعت بچوں پر رعب جمانا اور قسم قسم کی شرارتیں کرنا اس کا سب سے پسندیدہ مشغلہ تھا لیکن ایک دن اس نے غصے میں آکر اپنے کلاس کے ایک بچے کی ساری کتابیں اور کاپیاں پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالیں۔ اس بچے نے لقمان پر الزام لگایا تھا کہ اس نے بچے کی ایک کتاب غائب کر دی ہے۔ لقمان نے

اسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ کتاب کی چوری میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے لیکن جب دوسرے بچوں نے جو لقمان کے مخالف گروپ کے تھے' اس بچے کی حمایت میں لقمان پر ہی شبہ ظاہر کیا تو لقمان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے طیش میں آکر اس بچے کی ساری کتاب اور کاپیاں چیر پھاڑ کر پوری کلاس میں بکھیر دیں۔ اتفاق سے جس وقت وہ آخری کتاب کی دھجیاں اڑانے میں مصروف تھا' اسی وقت عابد حسین کلاس لینے کی غرض سے اندر داخل ہوئے۔ تمام لڑکے جو لقمان کے غصے سے سہمے ہوئے تھے' عابد حسین کو کلاس روم میں داخل ہوتا دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن لقمان نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ بدستور کتاب کے اوراق پھاڑ پھاڑ کر فضا میں بکھیرتا رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے بھی غیظ و غضب کی شدتیں عیاں تھیں۔

عابد حسین کے لیے لقمان کی وہ ناشائستہ حرکت ناقابل برداشت تھی۔ وہ غصے سے لقمان کو گھورتے رہے۔ پوری کلاس پر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ لقمان نے اپنا عمل جاری رکھا' پھر کتاب کا حشر نشر کرنے کے بعد وہ خاموشی سے چلتا ہوا اپنے ڈیسک کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"لقمان....." طاہرہ حسین نے رعب دار آواز میں اسے مخاطب کیا "تم نے فاروق کی کتابیں اور کاپیاں کیوں پھاڑیں؟"

"اس مردود نے میرے اوپر چوری کا الزام لگایا تھا...." خلاف توقع لقمان نے بھی اونچی آواز میں اور بگڑے ہوئے تیور سے جواب دیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہونے لگی تھیں۔

"فاروق....." عابد حسین نے فاروق نامی بچے سے وضاحت چاہی "تم بتاؤ۔ تمہاری کتاب کس نے چھپائی تھی؟"

"لقمان نے....." فاروق نے بسورتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے اس سے کتاب واپس کرنے کو کہا تو یہ الٹا مجھے چور اور بدمعاش کہنے لگا۔"

"لقمان......" عابد حسین قدم اٹھاتے لقمان کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر

بڑی رعب دار آواز میں بولے "فاروق کی کتاب کہاں ہے......؟"

"مجھے نہیں معلوم......" لقمان نے تیز لہجے میں کہا "جس نے چوری کی ہے' اسی سے معلوم کیجئے......میں چور نہیں ہوں۔"

"اگر تمہارا بیان درست ہے تو پھر تم نے فاروق کی کتابیں اور کاپیاں کیوں پھاڑیں؟"

"آپ نہ آجاتے تو میں اس بدبخت کے ہاتھ پاؤں بھی توڑ ڈالتا۔" لقمان غصے سے تھرتھر کانپنے لگا "اس نے میرے اوپر چوری کا الزام لگا کر میری بے عزتی کی تھی اور میں اپنی بے عزتی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"ہوش میں رہو لقمان......" عابد حسین نے سرزنش کی "تم گستاخ ہو رہے ہو......"

لقمان نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ عابد حسین کو شکایتی نظروں سے گھورنے لگا۔

"نظریں نیچی کرو......" عابد حسین نے اسے بڑے سخت لہجے میں ڈانٹا۔ پھر فیصلہ کن آواز میں بولے "تمہیں فاروق کی ان تمام کتابوں اور کاپیوں کی قیمت ادا کرنی ہوگی جو تم نے پھاڑی ہیں اور سزا کے طور پر تین روز تک بنچ پر کھڑا رہنا ہوگا۔"

"میری بات توجہ سے سنو ماسٹر جی......" جواب میں لقمان کے تیور اور خطرناک ہو گئے۔ "میں نے فاروق کی کتاب نہیں چوری کی' اس لیے میں کوئی سزا بھگتنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"بکواس بند کرو......ورنہ تمہاری چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" ماسٹر عابد نے حلق کے بل چلا کر کہا۔

"صرف زبانی جمع خرچ کر لو عابد حسین لیکن اگر تم نے میرے اوپر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو اس کا انجام بڑا خطرناک......"

"تڑاخ......" عابد حسین نے پوری قوت سے ہاتھ گھما کر تھپڑ رسید کیا تو اس کی آواز پوری کلاس میں گونج اٹھی۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ لقمان کے بائیں گال پر چار انگلیوں کے نشان ابھر آئے۔

"تم نے میرے اوپر ہاتھ اٹھا کر بہت برا کیا ماسٹر عابد حسین۔" لقمان نے دانت پیستے ہوئے کہا "تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا......"

عابد حسین نے دوبارہ لقمان کو تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا لیکن لقمان نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی گرفت میں اس قدر بے پناہ قوت تھی کہ عابد حسین اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکے۔ لقمان نے ایک لمحے تک قہر آلود نظروں سے انہیں گھورا' پھر ان کا ہاتھ جھٹک کر کلاس روم سے باہر چلا گیا۔ عابد حسین میز سے بید اٹھا کر اس کی طرف لپکے لیکن کلاس روم سے باہر جانے کے بعد لقمان انہیں دور دور تک کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید وہ ڈر کر بھاگ گیا تھا۔ عابد حسین تلملا کر رہ گئے۔ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ دوسرے دن لقمان کو کڑی سزا دیں گے تاکہ کلاس کے دوسرے بچے کبھی ان کے سامنے نظریں اٹھانے کی گستاخی نہ کر سکیں لیکن اس روز کے بعد سے لقمان دوبارہ کبھی اسکول نہیں آیا۔ البتہ فاروق کی گم شدہ کتاب کلاس کے ایک دوسرے بچے کے ڈیسک کے اندر سے برآمد ہو گئی تھی اور اس بچے نے اقرار بھی کر لیا تھا کہ وہ حرکت اس نے محض شرارتاً کی تھی۔

گزرتے واقعات ایک ایک کر کے یاد آئے تو عابد حسین کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔ مکروہ چہرے والا سینہ تانے کھڑا انہیں بڑی سفاک نظروں سے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے بڑے ہی خطرناک اور زہریلے لہجے میں کہا

"اب پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا عابد حسین......ابھی میرا انتقام پورا نہیں ہوا۔"

"میں اپنا جرم تسلیم کرتا ہوں۔" عابد حسین نے تڑپ کر کہا......"تم مجھے جو سزا دے لو لیکن عائیہ اور اس کی ماں کا پیچھا چھوڑ دو۔ ان دونوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"ان دونوں کا پیچھا چھوڑ دیا تو تمہارے کرب اور اذیت میں اضافہ کس طرح ہوگا؟" جواب بڑی تلخی اور سفاکی سے دیا گیا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک اس نے چونک کر فضا میں ادھر ادھر کچھ دیکھا' پھر پلک جھپکتے میں نگاہوں سے او جھل

ہو گیا۔ غائب ہونے سے پیشتر عابد حسین کو اس کی شعلہ بار نگاہوں میں خوف کی ایک معمولی سی جھلک ضرور نظر آئی تھی لیکن وہ اس کی وجہ نہیں جان سکے تھے..... البتہ عابد حسین کو اب پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ وہ آسیبی چکر میں گلے گلے پھنس چکے ہیں....!!



عالیہ کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ پے در پے رونما ہونے والے پراسرار اور حیرت انگیز واقعات نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں تھیں۔ جس کوٹھی میں وہ ذیشان اور اس کی کنیزوں کے ساتھ وقت گزار رہی تھی' وہ کسی طلسم کدے سے کم نہیں تھی۔ وہاں کی ہر بات ایک ایسا معمہ تھی جسے حل کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ ذیشان کی پراسرار قوتوں کے سامنے بے بس ہے۔ سنبل اور دوسری کنیزیں اپنے پراسرار نادیدہ وجود کے ساتھ ہر پل اس کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ ذیشان کے اندر بھی کوئی ایسی شیطانی قوت موجود تھی جو وہ دلوں میں ابھرنے والے خیالات بھی جان لیتا تھا۔ وہ ہر طرف سے جکڑی ہوئی تھی۔ اس کے لیے فرار کی تمام راہیں بند ہو چکی تھیں۔ اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے علاوہ کوئی اور بات اس کے اختیار میں نہیں تھی لیکن وقت کی ایک معمولی سی کروٹ نے اس کے ذہن میں کئی روشندان کھول دیئے تھے۔ امید کی کرنیں نظر آنے لگی تھیں۔

ذیشان کا برتاؤ پہلی بار اس کے ساتھ سخت ہوا تھا۔ وہ پل بھر میں اپنا شرافت کا چولا بدل کر سختی پر اتر آیا تھا۔ بار بار یہی دریافت کر رہا تھا کہ "خوابگاہ میں روشنی رکھنے کا مشورہ اسے کس نے دیا تھا؟" شاید سنبل نے بھی وہ آواز سن لی تھی جو عالیہ کو ہدہد کے پنجرے کے پاس کھڑے ہوئے سنائی دی تھی۔ اسی کی زبانی ذیشان کو اس بات کا علم ہوا ہوگا..... ممکن ہے اس نے اپنی پراسرار ماورائی قوتوں کے زعم میں اس بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا ہو لیکن جب اس نے اپنی خلوت میں کسی اور کو دور سے جھانکتے محسوس کیا تو وہ غصے سے دیوانہ ہی ہو گیا..... وہ کسی دشمن کے وجود کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے خوابگاہ سے نکلا تھا جس کے بعد عالیہ

کے کانوں میں کسی مہربان دوست کی آواز گونجی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ پراسرار کوٹھی میں نظر آنے والی ہر جاندار اور بے جان شے محض نظروں کا فریب ہے۔ اس نے عالیہ کو تاکید کی تھی کہ "صرف خدا کی ذات پر بھروسہ رکھو جو لازوال ہے..... صبر اور ہمت سے کام لو ورنہ بساط کا رخ پلٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

اس نادیدہ ہمدرد کی باتوں نے عالیہ کو گھپ اندھیروں کے دوسری جانب دیکھنے کی ترغیب دی تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہی خیال ابھر رہا تھا کہ اس آواز کا کوئی نہ کوئی تعلق ہدہد سے ضرور ہے.......

پہلی بار ہدہد کو پراسرار کوٹھی کے پائیں باغ میں دیکھنے کے بعد بھی عالیہ کے ذہن میں یہ خیال سرسرایا تھا کہ اس کی سبزے پر اچھل کود عالیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی لیکن سنبل کی غیر متوقع آمد نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا لی تھی۔ اس کے بعد جب وہ سنبل کے کہنے پر کوٹھی کے اندر گئی تو وہاں ذیشان کے علاوہ سنبل بھی موجود تھی۔ ذیشان کے ہاتھ میں جو پنجرہ تھا' اس میں بھی ایک ہدہد ہی نظر آرہا تھا۔ ذیشان نے عالیہ کو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہدہد خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ ہدہد پر نظر رکھی جائے تاکہ وہ آزاد نہ ہو سکے۔ عالیہ کے استفسار پر ذیشان نے سنبل کی وہاں موجودگی کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا تھا لیکن عالیہ کی وہ حیرت اپنی جگہ برقرار رہی کہ سنبل جو اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی' اس سے پہلے کوٹھی میں داخل ہو کر ذیشان تک کس طرح پہنچ گئی تھی؟

ہدہد کے کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد ایک نادیدہ انسان کی آواز وقتاً" فوقتاً" عالیہ کے کانوں میں گونجتی رہی۔ اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی رہی۔ عالیہ نے جب اس راز کو جاننے کی کوشش کی تو سنبل نے بڑے شاطرانہ انداز میں دوستی کا لبادہ اوڑھ کر ان آوازوں کو اپنی ذات سے منسوب کرنے کی کوشش کی تھی۔ عالیہ ڈھلمل یقین ہونے لگی لیکن..... "خوابگاہ میں روشنی رکھنا" والے مشورے پر عمل کرنے کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔ ذیشان غصے میں بھرے خوابگاہ سے نکل گئے تو یہ کو پھر اسی نادیدہ ہمدرد کی آواز سنائی دی۔ اس وقت جو گفتگو ہوئی تھی' وہ سنبل کی

بہرحال نہیں ہو سکتی تھی.....

زیشان کو پوری کوٹھی میں تلاش کرنے کے بعد ہی وہ ہدہد کے پنجرے کے قریب گئی تھی اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ اس کے خیال کے مطابق وہ مرا نہیں تھا بلکہ سنبل کے دعوے کے مطابق زندہ تھا۔ پھر زیشان نے اچانک نمودار ہو کر اس سے جس لب و لہجے میں..... خوابگاہ کو روشن رکھنے والی بات کا راز معلوم کرنے کی کوشش کی تھی' اس نے ہدہد کو اور زیادہ پراسرار بنا دیا تھا۔ اس کے بعد خود زیشان ہی نے بپھرے ہوئے انداز میں پنجرے کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے قہرآلود لہجے میں کہا تھا "یہ ہے تمہارا وہ حمایتی جس نے مجھ سے ٹکر لینے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے دبوچ کر پنجرے میں قید کر دیا تھا۔"

زیشان کے اس انکشاف نے عالیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز کردیں۔ اس کا یہ شبہ یقین میں ڈھل گیا کہ ہد ہد کے روپ میں کوئی رحمانی قوت ہی اس کی رہنمائی کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک ثانئے کو عالیہ کو بڑی تقویت کا احساس ہوا۔ مگر دوسرے ہی لمحے ---- زیشان کا پنجرے کی جانب لپکنا---- آسمانی بجلیوں کا چمکنا اور کڑکنا---- پنجرے میں لگے قفل کا ٹوٹنا---- ہد ہد کا شکرے کی شکل اختیار کر کے تیلیوں کو توڑتے ہوئے فضا میں پرواز کر جانا---- اس کے ساتھ ہی زیشان کا بھی نظروں سے اوجھل ہوجانا---- کوٹھی کے طول و عرض میں ملی جلی آوازوں کا شور و غل بلند ہونا---- یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور تیز رفتاری سے پیش آیا کہ عالیہ کا ذہن چکرا کر رہ گیا----

اس وقت بھی وہ خوابگاہ میں بیٹھی ان ہی حیرت انگیز باتوں پر غور کر رہی تھی جب سنبل اور طاہرہ ایک ساتھ قدم ملاتی اندر داخل ہوگئیں۔ عالیہ نے اپنی سوچ کے دروازے بند کر کے ان دونوں کی طرف بہت غور سے دیکھا' ان کے چہروں پر گہری اور معنی خیز سنجیدگی مسلط تھی۔ تیور بھی بدلے بدلے نظر آرہے تھے۔

"زیشان کہاں ہیں----؟" عالیہ نے براہ راست سنبل کو قریب آنے پر مخاطب کیا۔ "گزشتہ رات بھی میں تادیر ان کا انتظار کرتی رہی پھر میری آنکھ لگ گئی تھی----"

"آقا اپنی مرضی کے مالک ہیں۔" سنبل نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "ہم ان سے کوئی استفسار نہیں کرسکتے۔"

"اس وقت کس مقصد سے آئی ہو؟" عالیہ نے طاہرہ کے چہرے پر نظرڈالی۔

"تمہیں یہ بتانے کہ اب تمہاری حیثیت اور اوقات وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔" طاہرہ کے لب و لہجے میں حقارت کی آمیزش تھی۔

"میں تمہاری اس گستاخی کا مطلب نہیں سمجھی---" عالیہ نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"مطلب بھی تمہاری سمجھ میں بہت جلد آجائے گا---" سنبل نے بدلے ہوئے تیور سے کہا۔ "اتنی معصوم بننے کی کوشش مت کرو---"

"تم--- تم شاید اس وقت اپنے ہوش میں نہیں---" عالیہ نے سنبل کو تیز نظروں سے گھورا۔

"ہم پوری طرح ہوش و حواس میں ہیں--- لیکن تمہارا ہوش بہت جلدی ٹھکانے آجائے گا۔" طاہرہ نے نفرت کا اظہار کیا پھر الفاظ چباتے ہوئے بولی "تمہیں شاید ابھی پوری طرح آقا کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے--- وہ تمہارے حمایتوں کو جب چاہے پیروں تلے کچل کر خاک میں ملا سکتا ہے---"

"اوہ---" عالیہ بے اختیار مسکرا دی' مصلحتوں کو نظرانداز کر کے بولی "شاید تمہارا اشارہ اس معصوم پرندے کی طرف ہے جو تمہارے آقا کی قوتوں کے حصار کو توڑ کر آزاد ہو چکا ہے---"

"اس میں بھی تمہاری دغا بازی شامل تھی---" سنبل نے کسی ناگن کی طرح بل کھا کر زہریلے لہجے میں کہا۔ "تم نے آقا کو خوابگاہ میں روشنی رکھنے کا مشورہ دے کر اس کے ساتھ جو دھوکہ کیا ہے اس کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔"

"حیرت ہے---" عالیہ نے خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے بے جگری سے جواب دیا۔ "تمہارا آقا پراسرار قوتوں کا مالک ہونے کے باوجود میری دغا بازی کو نہیں سمجھ سکا---"

"اس کی وجہ وہ امید تھی جس کی خوشی نے آقا کو حالات سے غافل کر دیا تھا" سنبل نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا

"کیا تم جانتی ہو کہ وہ ایسی کیا امید تھی جس نے تمہارے آقا کی عقل پر پتھر ڈال

دیئے تھے---؟" عالیہ نے کچھ سوچ کر دریافت کیا' وہ اس راز کو جاننے کی خاطر بے چین ہوگئی۔

"تمہیں اس بارے میں بھی جلد ہی معلوم ہوجائے گا" طاہرہ نے بڑے سرد لہجے میں کہا "وقت کا انتظار کرو---"

"اور جب وہ وقت آئے گا تو تم ماہی بے آب کی طرح تڑپو گی---" سنبل نے بات آگے بڑھائی۔ "زمین پر ایڑیاں رگڑو گی' گڑگڑا کر آقا سے رحم کی بھیک مانگو گی لیکن آقا کو تمہارے اوپر ترس نہیں آئے گا---"

"میں تمہاری باتوں کا مطلب نہیں سمجھی---" عالیہ نے بے باکی سے کہا "کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اپنی لچھے دار باتوں سے مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو---؟"

"آقا نے ہمیں اپنی طاقت اور زبان' دونوں کے استعمال سے روک رکھا ہے ورنہ تمہیں بتاتے کہ عنقریب تم جن حالات سے دوچار ہونے والی ہو اس کے لئے خوفزدہ کا لفظ بڑا حقیر سا لگتا ہے---"

"وہ آوازیں کس کی تھیں جو ہد ہد کی آزادی نصیب ہو جانے کے بعد اس کوٹھی میں شوروغل بن کر گونج اٹھی تھیں؟" عالیہ نے زہرخند سے دریافت کیا تو طاہرہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں ساحرانہ قوتیں کروٹیں بدلنے لگیں۔

"نہیں---" سنبل نے تیزی سے طاہرہ کی سمت دیکھا۔ "آقا نے ہمیں کسی جوابی کارروائی سے باز رہنے کی تاکید کی ہے---"

"ایک بار تم نے مجھے طاہرہ سے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی---" عالیہ نے سنبل سے کہا "اپنی ہمدردی اور دوستی کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی--- کیا تم اس مکاری کو دغا بازی کا نام نہیں دو گی؟"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم اس وقت کس کے بل پر چہک رہی ہو--- لیکن تمہاری خوش فہمی زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوگی۔" سنبل نے اسے سفاک نظروں سے گھورا۔ "آنے والا وقت تمہیں بتائے گا کہ آقا کو فریب دیکر تم نے کس عذاب کو

دعوت دی ہے۔۔۔"

"ہم شاید اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔" طاہرہ نے اپنا نچلا ہونٹ چباتے ہوئے کہا پھر آگے بڑھ کر عالیہ کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ اس کی تقلید میں سنبل نے بھی بڑی پھرتی سے لپک کر عالیہ کا دوسرا بازو تھام لیا۔ عالیہ نے خود کو ان دونوں کی گرفت سے آزاد کرنے کی جدوجہد کی لیکن محض کسمسا کر رہ گئی' اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے بازو آہنی شکنجوں میں جکڑ دیئے گئے ہوں پھر اسے اپنا سانس سینے کی گہرائیوں میں گھٹا محسوس ہوا۔۔۔ خوابگاہ میں اچانک ابھرنے والا کثیف دھواں بڑی سرعت سے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

ساحرانہ طاقتوں کو برسرپیکار دیکھ کر عالیہ نے کسی نادیدہ قوت کو آواز دینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے ہونٹوں کو ایک معمولی سی جنبش بھی نہ ہوئی' کثیف دھوئیں کے بادلوں نے اس کی بینائی کو تیزی سے دھندلانا شروع کیا۔ اس کے ذہن پر غنودگی کی کیفیتوں نے پوری شدت سے حملہ کیا تو اس کی قوت مدافعت بھی مفلوج ہو کر رہ گئی۔۔۔' پھر اسے یوں لگا جیسے وہ زمین سے بلند ہو کر فضاؤں میں پرواز کر رہی ہو۔۔۔!

وہ ساری کی ساری تصویریں مشرقی تہذیب کی دھجیاں اڑاتی نظر آ رہی تھی۔ فوٹو گرافر نے نہایت ہوشیاری سے انہیں عین اس وقت کھینچا تھا جب دونوں ہی فریق اپنی اپنی حیثیت اور تہذیب سے بیگانہ ہو کر راز و نیاز کی کیفیت سے دو چار تھے۔ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ یا بوس و کنار کی حالت سے دوچار تھے۔ چند ایک تصویروں میں وہ ایک دوسرے کی کمر میں بے تکلفی سے ہاتھ ڈالے رقص کرتے جوڑوں کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر نظر آ رہے تھے۔ کچھ فوٹوگراف ایسے تھے جس میں وہ دونوں کسی خوابگاہ میں ایک ہی مسہری پر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کپڑوں کی قید سے آزاد نہیں تھے لیکن تہذیب کی ان حدود کو ضرور پھلانگ گئے تھے جس میں محرم اور نامحرم کی بندشوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

کچھ تصویروں میں نازش بالکل تنہا تھی لیکن وہ تنہائی بھی انتہائی عریاں اور اخلاق سوز تھی۔ دو چار تصویروں میں وہ ساحل پر سوئمنگ ڈریس میں دکھائی دے رہی تھی۔ اسے شرم و حیا کا کوئی خیال نہیں تھا۔ ایک دو تصویریں اس کے اپنے گھر کی تھیں جہاں وہ سوئمنگ پول کے کنارے سن باتھ لینے میں مصروف نظر آ رہی تھی۔ یہ تصویریں پاور فل زوم سے اتاری گئی تھیں جس کا علم شاید خود نازش کو بھی نہیں ہو سکا تھا۔ بہرحال وہ اپنی چار دیواری کے اندر بھی چادر کی قید سے بے نیاز ہی دکھائی دے رہی تھی۔

نازش کی وہ تصویریں کسی ایک شخص کے ساتھ نہیں تھیں' وہ جس راستے کی مسافر تھی اس پر مختلف نوجوان اس کی آزادی کے ہم سفر تھے۔ وہ خود بھی کسی ایک پر اکتفا کرنے کی عادی نہیں تھی۔ کردار کے معاملے میں اس کے قدم کسی موڑ پر

ڈگمگائے تھے لیکن بے باکی اور بے شرمی کی جس تہذیب کو اس نے اپنایا تھا وہ بذات خود ایک لعنت تھی۔ ایسے ماحول میں اپنی امارت کا مظاہرہ کرنے والی لڑکیاں ہمیشہ اور ہروقت بے سروپا افواہوں کے درمیان گھری رہتی ہیں۔ نازش نے کبھی ان سکینڈل کی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ ایک ریٹائرڈ کرنل کی بیٹی تھی اور اس نے بھی ہر محاذ کو سر کرنے کی خو اختیار کر لی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ باپ کی زندگی میں اُسے ایک مخصوص حد سے تجاوز کرنے کی ہمت کبھی نہیں ہوئی تھی۔

جمشید کو نازش کے کردار یا اس کے پس منظر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک دوست کی حیثیت سے اس کی صرف یہ خواہش تھی کہ خاور جیسا ہیرا نازش جیسے پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہوجائے۔ اس نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ خاور خود کو عالیہ کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ پروفیسر کالیا کی زبانی یہ بات سن لینے کے بعد کہ عالیہ کو پراسرار حالات سے نجات دلانے کی خاطر کسی کو اپنی زندگی کی قربانی دینی ہوگی خاور نے جذبات کی رو میں بہک کر خود کو بھینٹ چڑھانے کا احمقانہ ارادہ کر لیا تھا۔ جمشید نے اس کو جذباتی فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن خاور پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے اکبر برلاس سے گفتگو کی تو اسے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ اکبر برلاس بھی شبانہ بیگم سے اپنا کوئی حکم منوانے کی ہمت نہیں رکھتے چنانچہ اس نے خود ہی ایک دو قابل اعتماد پروفیشنل فوٹوگرافرس کی خدمات حاصل کرکے ایسی تصویریں اکٹھا کی تھیں جسے دیکھ کر خاور اپنا ارادہ تبدیل کر سکے یا شبانہ بیگم کو اپنے انتخاب پر شرمندگی کا احساس ہو۔

اس وقت وہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا خاور کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی نظریں باربار گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اس وقت شام کے پانچ بجے تھے۔ سات بجے اسے پروفیسر کالیا سے ملاقات کرنی تھی۔ عابد حسین کے سلسلے میں معلومات کرتے وقت جمشید کو جس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا وہ ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز تھے۔ پراسرار اور نادیدہ قوتوں نے پروفیسر کالیا کا جو حشر کیا تھا اس کے بعد جمشید کو اس بات کی توقع نہیں تھی کہ دوبارہ پروفیسر کالیا اس کیلئے کوئی خدمت انجام دینے پر آمادہ ہو

جائیں اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ دوپہر کو وہ دفتر میں بیٹھا روز مرہ کے کاموں میں مصروف تھا جب خود پروفیسر کالیا نے جمشید کے ڈائرکٹ نمبر پر رابطہ قائم کرکے اسے سات بجے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے---؟" جمشید نے اس کی خیریت دریافت کی۔

"جو کچھ میرے ساتھ گزری ہے وہ پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ سے زیادہ خطرناک اور اذیت ناک ہے آفیسر--- تم شاید ان باتوں پر یقین نہ کرو گے لیکن میں جانتا ہوں کہ نادیدہ قوتوں کا انتقام کس قدر اندھا اور ہولناک ہوتا ہے---"

"مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے پروفیسر لیکن---"

"فون پر زیادہ باتیں مناسب نہیں ہوں گی۔" پروفیسر کالیا نے جمشید کی بات کاٹتے ہوئے سرسراتے لہجے میں کہا "ٹھیک سات بجے میں تمہارا انتظار کروں گا--- لیکن میری ایک درخواست ہے تم تنہا آؤ گے' کسی کو ساتھ لانے کی کوشش نہ کرنا---"

"کوئی خاص بات ہے---؟" جمشید نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"وقت کا خیال رکھنا آفیسر--- ٹھیک سات بجے۔" پروفیسر نے اس بار بھی جمشید کی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی مصروفیت ہو تو ابھی بتادو---"

"میں آؤں گا---" جمشید نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا جس کے بعد دوسری جانب سے رابطہ منقطع کردیا گیا۔

پروفیسر کالیا کے فون نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ خاص طور پر جمشید کو یہ بات کھٹک رہی تھی کہ اسے تنہا کیوں بلایا گیا تھا۔ وہ کسی بات سے خائف نہیں تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ پروفیسر کالیا نے غالباً" خاور کی طرف اشارہ کیا تھا۔ کسی وجہ سے وہ خاور کی موجودگی کو پسند نہیں کر رہا تھا۔ جمشید اسی وجہ کو جاننے کی خاطر ذہنی جمناسٹک کر رہا تھا جب ملازم نے اسے خاور کی آمد کی اطلاع دی۔ جمشید نے ملازم سے کہا کہ وہ خاور کو ڈرائنگ روم میں بھیج دے۔ ملازم کے جانے کے بعد اس نے نازش کی تصویروں والے لفافے کو اٹھا کر دیوار پر لٹکے ہوئے ایک فریم کے پیچھے رکھ دیا۔

دو منٹ بعد خاور اندر داخل ہوا تو جمشید نے بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا کچھ دیر ادھر ادھر کی رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر خاور نے سنجیدگی سے کہا۔

"عابد حسین مکمل طور پر ہوش میں آگئے ہیں' میں اس وقت ہسپتال سے آرہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے---" جمشید نے جواب دیا۔ "تم نے جب عابد حسین کے کمرے سے نکلنے کے بعد مجھے کال کیا تھا مجھے اسی وقت اطلاع مل گئی تھی۔ ویسے کل رات میں نے خاص طور پر سرجن احتشام سے بھی ملاقات کی تھی۔ ان کا خیال بھی یہی ہے کہ عابد حسین کی یادداشت واپس آگئی ہے لیکن وہ ابھی تک اپنی بے ہوشی کا سبب بتانے سے یا تو قاصر ہیں یا جان بوجھ کر کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں---"

"ہوسکتا ہے---" خاور نے صوفے پر کسمسا کر کہا۔ "میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ عابد حسین سے کوئی باز پرس کر سکوں مگر گفتگو کے دوران میں نے بھی یہ بات محسوس کی تھی کہ وہ کسی وجہ سے بہت محتاط ہوگئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ابھی تک کسی خوف کے زیر اثر ہیں--- غالباً" اسی وجہ سے زبان کھولنے سے گریز کر رہے ہوں' ایک بات اور بھی ممکن ہے؟"

"وہ کیا---؟" جمشید نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

"آنٹی کی حالت پھر تشویشناک ہوگئی ہے۔" خاور نے جذباتی لہجے میں کہا "چوبیس گھنٹوں سے انہیں ہذیانی دورے پڑ رہے ہیں۔ آج صبح سے دو بار منہ سے خون بھی آچکا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اب ان کی زندگی کی امید نہیں دلائی جاسکتی--- ممکن ہے عابد صاحب کو آنٹی کی گرتی ہوئی صحت کا علم ہوگیا ہو---"

"ہو سکتا ہے تمہارا اندازہ درست ہو---" جمشید نے سنجیدگی سے کہا پھر موضوع بدل کر بولا "تم نے نازش کے سلسلے میں آخری فیصلہ کیا کیا ہے؟"

"میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ میں نے ممی کی خوشی پوری کرنے کی حامی بھرلی ہے---" خاور نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"کیا نازش تمہیں ذاتی طور پر بھی پسند ہے---؟"

"ہر شادی ذاتی پسند کی نہیں ہوتی---" خاور نے زہر خند سے جواب دیا "والدین کا بھی کچھ حق ہوتا ہے---"

"اور اگر اس حق کا ناحق یا غلط استعمال کیا جائے تو---" جمشید نے کسی ماہر سرجن کی طرح خاور کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ہم اس وقت عابد حسین اور آنٹی کی بات کر رہے تھے---" خاور نے موضوع بدلنا چاہا۔

"ان کی ایک بیٹی بھی ہے---" جمشید نے لوہا گرم دیکھ کر کہا۔ "کیا تم مجھے اس بات کا یقین دلا سکتے ہو کہ تم نے عالیہ کو یکسر فراموش کردیا ہے؟"

"اب اس بحث سے کیا حاصل ہوگا---؟" خاور نے سرد آواز میں جواب دیا۔

"گویا تم آنٹی کی پسند کی شادی کرو گے---؟"

"ہاں---" خاور نے تھوڑے توقف سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"میرا ایک کام کرو گے---" جمشید نے اٹھ کر نازش کی تصویروں والا لفافہ فریم کے پیچھے سے نکالتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "اتفاق ہی سمجھو کہ تمہاری ممی کی پسند کی کچھ تصویریں میرے ہاتھ آگئی ہیں--- انہیں آنٹی کو دے دینا۔ انہیں اپنی ہونے والی بہو کے تصویریں دیکھ کر یقیناً خوشی ہوگی---"

خاور نے لفافہ لیکر تصویریں نکال کر دیکھیں تو اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اس نے لفافہ بند کر کے جمشید کی طرف عجیب بے بسی کے عالم میں دیکھا پھر زیر لب مسکرا کر رہ گیا۔

"میں تمہاری اس مسکراہٹ کا کیا مطلب سمجھوں---؟" جمشید نے جھلا کر سوال کیا۔

"میں فی الحال تمہارے کسی سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں لیکن---"

"تم اپنی زندگی کی قربانی دیکر شاید عالیہ کو اس جنجال سے نجات دلانا چاہتے ہو

جس کا ذکر پروفیسر کالیا نے کیا تھا۔" جمشید نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے تلملا کر کہا۔ "پہلے تو تم اتنے جذباتی اور احمق نہیں ہوا کرتے تھے۔۔۔"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے بیٹھا اپنا ہونٹ دانتوں تلے چباتا رہا۔

"کیا تم میرے کہنے پر ایک دو مہینے کیلئے اپنے شادی والے فیصلے کو ٹال نہیں سکتے۔۔۔؟" جمشید نے ایک آخری حربہ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ "اگر اس عرصے میں عالیہ کو بازیاب کرنے میں میری محنت رائیگاں ثابت ہوئی تو میں تمہیں نازش سے شادی کرکے قربانی کا بکرا بننے سے منع نہیں کروں گا۔۔۔ بولو' منظور ہے؟"

جواب میں خاور کے ہونٹوں پر ایک پھیکا سا تبسم ابھر کر نڈھال ہوگیا۔ اس کی آنکھوں کی ویرانیوں میں دور کہیں امید کی کرن ایک ثانئے کو چمکی پھر ڈوب گئی۔ خاموشی سے اٹھ کر اس نے جمشید سے ہاتھ ملایا پھر تھکے تھکے انداز میں سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی اس کے بعد تیزی سے پلٹا اور نازش کی تصویریوں والا لفافہ ہاتھ میں دبائے ڈرائنگ روم سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"شکر ہے کہ تم نے مجھے مہلت دینے سے انکار نہیں کیا۔۔۔" جمشید نے خود کلامی کے انداز میں مٹھیاں بھینچ کر بڑے اعتماد سے کہا۔ "لیکن میں اس کے بعد بھی تمہیں کسی کی خواہش پر بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔۔۔"



پروفیسر کالیا کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی' چہرے اور ہاتھوں پر بھی جابجا نیل کے دھبے نظر آ رہے تھے مگر وہ زخمی حالت میں ہونے کے باوجود آرام کرسی پر بیٹھا بڑا نڈر اور بے خوف دکھائی دے رہا تھا۔ جمشید کا استقبال اس نے اسی کمرے میں کیا تھا۔ جہاں وہ دوسرے لوگوں سے کاروباری اوقات میں ملتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کمرے کی حالت کسی کباڑی کی دکان سے مختلف نہیں نظر آ رہی تھی' وہ سارا سازو سامان اور بے جان کھوپڑیاں بدستور فرش پر ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں جسے جمشید نے پہلی بار نہایت سلیقے سے سجے ہوئے دیکھا تھا۔ جس میز اور کرسی پر پروفیسر بیٹھا کرتا تھا وہ بھی دوسری اشیاء کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی حالت میں پڑی تھیں۔ میجک بال کی کرچیاں

بھی ادھر ادھر بکھری نظر آ رہی تھیں۔

اسی کباڑ خانے کے ایک گوشے کو صاف کر کے دو آرام دہ کرسیاں لگا دی گئی تھیں' درمیان میں ایک مختصر سے اسٹول پر دوسرا میجک بال رکھا ہوا تھا جس کی دھندلی روشنی میں کمرے کے ماحول کے علاوہ پروفیسر کا اپنا وجود بھی بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ جمشید کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد پروفیسر نے اسے ہاتھ کے اشارے سے دوسری کرسی پر بیٹھنے کو کہا تھا پھر اپنی آنکھیں بند کرکے اپنے کسی عمل میں مستغرق ہوگیا۔

کمرے میں موت کا سناٹا طاری تھا۔ جمشید اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا پروفیسر کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی تھی کہ پروفیسر نے اسے کس مقصد سے بلایا تھا اور وقت کی پابندی کی تاکید کیوں کی تھی؟ اس کے ذہن میں مختلف امکانی پہلو اجاگر ہو رہے تھے لیکن وہ اس ضمن میں کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں کرسکا تھا۔ البتہ ایک بات طے تھی کہ پروفیسر نے جمشید کو گھر بلا کر ان شیطانی طاقتوں کو چھیڑنے کی جرات ضرور کی تھی جنہیں ان کا میل جول پسند نہیں تھا۔ پروفیسر اس کا خمیازہ بھی بھگت چکا تھا۔۔۔ پھر اس نے دوبارہ ایسا کیوں کیا؟۔۔۔ کیا وہ جمشید کی موجودگی میں پراسرار قوتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اپنی دست برداری کا اعلان کرنا چاہتا تھا یا کوئی ایسا درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔۔۔

وقت کے ساتھ ساتھ جمشید کا تجسس بھی بڑھتا جارہا تھا۔ وہ نڈر اور بہادر آفیسروں میں شمار کیا جاتا تھا لیکن نادیدہ قوتوں سے ٹکر لینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پروفیسر کالیا پر جو کچھ گزر چکی تھی وہ اس کا عینی شاہد تھا۔ ساحرانہ قوتوں نے نہ صرف اس کے دفتر میں بھونچال کی کیفیت پیدا کرکے ہر شے تباہ کر دی تھی بلکہ پروفیسر کو بھی ربڑ کی گیند کی طرح دیوار پر اچھال دیا تھا۔ قسمت اچھی تھی تو وہ بچ گیا' چوٹ شدید ہوتی تو وہ مر بھی سکتا تھا یا پھر ذہنی طور پر ہمیشہ کیلئے مفلوج ہوکر رہ جاتا۔ پراسرار قوتوں نے اسے اس بات کی سرزنش کی تھی کہ وہ عالیہ کے متعلقہ تمام باتوں کے سلسلے

میں اپنی زبان سختی سے بند رکھے۔ پھر اس نے جمشید کو کس لئے مدعو کیا تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جمشید کو شیطانی قوتوں کے حوالے کرکے وہ اپنی گلوخلاصی کا خواہشمند تھا۔۔۔؟؟

جمشید کی عقابی نظریں پروفیسر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔۔۔ اس کا ذہن کسی بھی ممکنہ خطرے سے نپٹنے کی خاطر مختلف طریقوں پر غور کررہا تھا۔ جب پروفیسر کالیا نے اچانک آنکھیں کھول دیں پھر اس کی ٹھوس آواز خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی ابھری۔

"آفیسر۔۔۔ آج تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو' پروفیسر تمہارے ہر سوال کا جواب دے گا' آج میں نے خود کو ہر طرح سے محفوظ کرلیا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت آج میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔"

"پچھلی بار جو کچھ ہوا تھا۔۔۔"

"وہ تمہاری جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ آفیسر۔" پروفیسر نے جمشید کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "انسان پوری طرح حالات سے باخبر نہ ہو اور تیاری مکمل نہ ہو تو کوئی بھی اندھیرے کا شکار ہوسکتا ہے۔۔۔ لیکن آج ایسا نہیں ہوگا۔"

"کون تھا وہ جس نے تمہیں چوٹ پہنچانے کی کوشش کی تھی؟" جمشید نے پوچھا۔

"وہ ایک آسیبی قوت ہے' اسی نے عالیہ کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔" پروفیسر نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا "اس کے ساتھ کچھ اور غیر مرئی قوتیں بھی شامل ہیں۔۔۔ اس روز میں نے اس کے خلوت کدے میں جھانکنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔۔۔"

"عالیہ کہاں ہے۔۔۔؟"

اسی کے قبضے میں ہے لیکن اب اس مظلوم لڑکی کا ٹھکانہ بدل دیا گیا ہے۔"

"کیا تمہاری رسائی وہاں تک ہوسکتی ہے۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ میری ذہنی پرواز وہاں تک پہنچ سکتی ہے لیکن میں اسے آسیبی قوت والے کی قید سے آزاد نہیں کرا سکتا۔" پروفیسر نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر اس کی آواز ابھری میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ اور قوتیں بھی اس

لڑکی کو تباہ و برباد کرنے میں اس شخص کا ساتھ دے رہی ہیں جس نے عالیہ سے دھوکے سے شادی کی تھی"

"اس کا نام ڈاکٹر ذیشان ہے۔۔۔؟" جمشید نے تیزی سے دریافت کیا۔

"ہاں۔۔۔ اس نے اسی نام سے عالیہ کے گھر والوں کو فریب دیا تھا لیکن میرا علم کہتا ہے کہ اس کا اصلی نام کچھ اور ہے کاش مجھے اس کا اصل نام معلوم ہو جاتا۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے۔۔۔؟"

پروفیسر کالیا نے ایک بار اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ خاصی دیر تک اس کے ہونٹ حرکت کرتے رہے پھر اس نے چونک کر کہا۔

"ہمارا مطلوبہ اونٹ اس وقت ایک پہاڑ کے نیچے آگیا ہے۔" پروفیسر کالیا نے پرجوش آواز میں کہا۔ "ہاں' میں دیکھ رہا ہوں' وہ ایک پرندے سے خوفزدہ ہوکر بھاگ رہا ہے۔۔۔"

"پرندہ کون ہے۔۔۔؟" جمشید نے حیرت سے پوچھا۔

جسمانی طور پر وہ زیادہ بڑا نہیں ہے لیکن میں اس کے جسم کے اندر جو طاقت دیکھ رہا ہوں وہ بڑی قد آور ہے۔" پروفیسر نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ وہ اگر چاہے تو ڈاکٹر ذیشان کو پلکوں کی ایک جنبش سے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا سکتا ہے لیکن ایسا کرے گا نہیں۔۔۔"

"کیوں۔۔۔؟" جمشید سے تعجب سے سوال کیا۔

"اس پر کچھ بندشیں عائد ہیں' وہ ایک حد سے تجاوز نہیں کرسکتا۔۔۔ کم از کم میرا علم یہی بتا رہا ہے۔۔۔"

"میں سمجھا نہیں۔۔۔"

"میں بھی نہیں سمجھ سکا۔" پروفیسر کالیا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میری نگاہیں اس کے جسم سے ٹکرا کر واپس لوٹ آتی ہیں۔ وہ جو بھی ہے بڑی حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے۔ میں اس کی اصلیت کے راز کو جاننے سے قاصر ہوں۔"

"پروفیسر۔۔۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ کچھ اور قوتیں عالیہ کی بربادی کے خواب دیکھ

رہی ہیں۔" جمشید نے پہلو بدل کر سوال کیا "کیا تم تشریح نہیں کرو گے کہ وہ کون قوتیں ہیں جو عالیہ کی تباہی کے درپے ہیں۔ وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں" "میں آج تمہیں ہر سیاہ و سفید سے آگاہ کروں گا" پروفیسر جوشیلی آواز میں بولا' اس کی آنکھیں خلاء میں جھانک رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سب کچھ اپنی نظروں سے دیکھ رہا ہے لیکن اچانک اس کا سارا جوش سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس نے حیرت سے کہا۔۔۔ "یہ کیا۔۔۔ یہ کیا ہوگیا' میری نظروں کے سامنے گھرے سیاہ بادلوں کے تودے منڈلا رہے ہیں' میں ان کی دوسری سمت نہیں دیکھ پا رہا۔"

"کیا تم ایک بار پھر ڈاکٹر زیشان کی طاقت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے ہو۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ وہ ڈاکٹر کی قوت نہیں ہو سکتی۔۔۔" پروفیسر نے پورے اعتماد سے کہا۔ "وہ پراسرار پرندہ ہے جس نے میرے سامنے دبیز پردے تان دیئے ہیں۔ میں ان پردوں کو چاک کرنے سے قاصر ہوں۔"

"پچھلی بار تم عابد حسین کے بارے میں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے تھے۔ جمشید نے اسے کریدا۔"

"ہاں آفیسر۔۔۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ عابد حسین نے جان بوجھ کر یادداشت گم ہونے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔" پروفیسر نے بڑے یقین سے کہا۔ "اس روز میں نے تم سے جو مہلت طلب کی تھی اس کا مقصد یہی تھا کہ میں پوری تیاری کے ساتھ مخالف قوتوں کا مقابلہ کر سکوں لیکن تم بضد تھے۔۔۔ جس کا انجام آج بھی تمہارے سامنے ہے۔ مجھے اندرونی طور پر جو چوٹیں آئی ہیں تم اس کا اندازہ نہیں کر سکو گے لیکن آج میں پوری طرح تیار ہوں۔ آج ڈاکٹر زیشان کی شیطانی قوت اس حصار کو نہیں توڑ سکتی جو میں نے اپنے گرد قائم کر رکھا ہے۔ میں اس وقت تک اسی حصار میں رہوں گا جب تک وہ کیفر کردار تک نہیں پہنچ جاتا۔"

"عابد حسین نے دیوانگی کا ڈھونگ کیوں رچایا تھا۔۔۔؟"

"اس بچے کی خاطر جو اسے اپنے صحن میں نظر آیا۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" جمشید چونکا۔

پروفیسر کالیا نے جواب میں اس بچے سے متعلق پوری کہانی تفصیل سے دہرا دی۔ اس کی پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا تھا۔ وہ خلا میں اس طرح جھانک رہا تھا جیسے عابد حسین کا ماضی کھلی کتاب کی طرح پڑھ رہا ہو۔

"پروفیسر۔۔۔" جمشید نے تفصیل معلوم ہونے کے بعد پوچھا۔ "کیا تم عالیہ کو ڈاکٹر زیشان کے چنگل سے نجات نہیں دلا سکتے۔۔۔؟"

"یہ کام بڑی جان جوکھوں کا ہے۔" پروفیسر نے بدستور خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر زیشان نے پرندے کی طاقت کو محسوس کر کے کچھ دوسری قوتوں کو بھی ساتھ شامل کر لیا ہے۔۔۔ اس وقت وہ دیوانہ ہو رہا ہے۔۔۔ وہ اپنے پاگل پن میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ چار انگلیوں کے نشان کا انتقام لینے کی خاطر وہ بدبخت اپنے آپ کو بھی جہنم میں جھونک سکتا ہے۔"

"خاور کی زندگی کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔۔۔" جمشید نے تیزی سے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔ فی الحال ڈاکٹر زیشان کی پوری توجہ اسی پرندے کی طرف ہے جس نے اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دی ہیں لیکن وہ اپنے انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ کو سرد کرنے کی خاطر عابد حسین' عالیہ یا اس کی ماں میں سے کسی کو بھی موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔۔۔"

"پروفیسر۔۔۔" جمشید نے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا تم عالیہ کی ماں کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔۔۔؟"

"اس کا نام کیا ہے۔۔۔؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"جمیلہ خاتون۔۔۔"

پروفیسر کالیا نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہونٹوں کو ایک لمحے کیلئے جنبش ہوئی لیکن پھر فوراً ہی اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"تم نے دیر کر دی آفیسر۔۔۔" جس خاتون کے بارے میں تم نے پوچھا ہے وہ اب

aazzamm@yahoo.com

اس دنیا میں نہیں ہے۔ میرے دماغ کی لہریں اس کے سرد جسم سے ٹکرا کر واپس آ گئی ہیں۔۔۔"

"پروفیسر کالیا۔۔۔" جمشید نے جھلاتے ہوئے کہا۔ "کیا تم براہ راست ڈاکٹر ذیشان کو ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔۔؟"

"میں نے آج تمہیں اسی سلسلے میں یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔" پروفیسر نے چاروں اطراف نظر دوڑاتے ہوئے بڑے ساحرانہ انداز میں جواب دیا۔ "میں تمہیں دکھانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر ذیشان نے مجھ پر اچانک حملہ کر کے اپنی آزادی کو عمر قید میں بدلنے کی حماقت کی تھی۔ میں غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا۔۔۔ اسے جان سے مارنا میرے اختیار میں نہیں ہے لیکن میں اس کو بوتل میں قید کر کے تمہیں اس کا اصلی روپ ضرور دکھا سکتا تھا۔۔۔"

"اب تمہیں کیا مجبوری ہے۔۔۔؟"

"اس پرندے نے درمیان میں آ کر میرا کھیل بگاڑ دیا ہے۔۔۔" پروفیسر دانت پیستا ہوا بولا۔ "کوئی مصلحت ضرور ہے جو اس نے ڈاکٹر ذیشان کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔۔ لیکن میں اپنی کوششیں جاری رکھوں گا۔ اس کا اصل نام معلوم ہو گیا تو پھر جیت میری ہو گی۔"

"کیا جمیلہ خاتون کے بعد اب تم عالیہ اور اس کے باپ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔۔۔؟" جمشید نے تیزی سے پوچھا۔

"حالات پر منحصر ہے۔۔۔" پروفیسر نے دوبارہ خلا میں جھانکتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "اس پرندے کے درمیان میں آ جانے کے بعد میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ جو کوئی ہے بے پناہ قوتوں کا مالک ہے۔"

جمشید نے جواب دینے کے بجائے پروفیسر کے سامنے رکھا ہوا فون اٹھا کر ہسپتال کے نمبر ڈائل کیے۔ پروفیسر کالیا نے جمیلہ خاتون کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ ہسپتال والوں نے بھی جمیلہ خاتون کی موت کی تصدیق کر دی تھی۔۔۔

○

خاور کو اس بات کی امید نہیں تھی کہ جمشید عالیہ کو بازیاب کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن اس نے دل کے ہاتھوں ایک موہوم سی امید پر ہی مجبور ہو کر سر کی خفیف جنبش سے اس بات کا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ایک دو مہینے تک نازش کے ساتھ رشتے کی بات کو ٹالتا رہے گا۔

خاور کے دل میں آج بھی عالیہ کی محبت روز اول کی طرح زندہ تھی۔ اسے ہر وقت یہی احساس کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈستا رہتا کہ اگر اس نے ہمت سے کام لے کر عالیہ کا ہاتھ تھام لیا ہوتا تو شاید وہ ان پراسرار حالات کا شکار نہ ہوتی جس نے ہر متعلقہ شخص کو شش و پنج میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عالیہ شادی کے بعد کسی اور کی ہو چکی ہے لیکن وہ آج بھی اس کے تصور کو دل میں بسائے اس کی پرستش کر رہا تھا۔

نازش کے معاملے میں خاور نے کبھی بھول کر بھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ وہ اسے اپنی شریک حیات بنائے گا لیکن پروفیسر کالیا کی زبان سے یہ بات سن لینے کے بعد کہ کسی کی قربانی ہی عالیہ کو شیطانی قوتوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اس نے قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ قربانی اور بھینٹ دینے کو بھی ہندوؤں کی بدعقیدگی خیال کرتا تھا۔ جنتر منتر اور دیوی دیوتاؤں کے بارے میں بھی اس کا ذاتی خیال یہی تھا کہ سب کتابی باتیں ہیں۔ حقیقت کی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسے اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ پروفیسر کالیا نے جو کچھ کہا ہے وہ بعد میں درست ثابت ہو گا لیکن عالیہ کے بعد خاور کو کسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔ اس کے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ عالیہ کی پراسرار گمشدگی میں بھی اسی کی بزدلی کو دخل تھا۔ شبانہ بیگم نے درمیان میں آ کر جو حالات پیدا کر دیئے تھے اس کے بعد شاید عابد حسین بھی اس کے رشتے کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے چنانچہ اس نے خود کو قسمت کے فیصلوں پر چھوڑ دیا تھا لیکن اسے اپنی غلطی کا احساس اس وقت بڑی شدت سے ہوا جب اسے پہلی بار اس بات کا علم ہوا کہ عالیہ کسی آسیبی چکر میں پھنس کر غائب ہو گئی ہے۔

وہ عالیہ کے سلسلے میں زبان کھول کر اپنی محبت کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ زندگی

aazzamm@yahoo.com

اور زندگی کے ہنگاموں سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ پھر پروفیسر کالیا کی "بھینٹ دینے" والی بات نے اس کی زندگی میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شبانہ بیگم کی ضد کو پورا کرنے کی خاطر اس نے نازش سے شادی کی حامی بھی بھر لی اور یہ بھی ٹھان لی کہ وہ اپنی محبت کی خاطر اپنی زندگی کی قربانی بھی ضرور دے گا خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہو۔

اس وقت بھی وہ ذہنی کشمکش سے دو چار تھا۔ جب اس نے اپنی گاڑی پورٹیکو میں پارک کی تھی۔ شبانہ بیگم اور اکبر برلاس باہر لان پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ خاور نے کچھ سوچ کر جمشید کا دیا ہوا لفافہ برابر کی سیٹ سے اٹھایا۔ گاڑی سے نیچے اتر کر مضمحل انداز میں قدم اٹھاتا لان کی طرف بڑھنے لگا۔

"کیا بات ہے—؟" اکبر برلاس نے بیٹے کو تھکا تھکا دیکھ کر بیچینی سے دریافت کیا۔ "کہاں سے آ رہے ہو—؟"

"بہت دنوں بعد آج کلب چلا گیا تھا—" خاور نے ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"کلب سے واپس آنے والوں کے چہرے پر تو اتنی اداسی نہیں ہوتی۔" شبانہ بیگم نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ پھر بیٹے کو گھور کر بولیں۔ "ضرور کوئی اور بات ہے—"

"آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے—" خاور نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کلب میں ایک فوٹو گرافر نے مجھے کچھ تصویریں دکھائی تھیں جنہیں میں نے خرید لیا ہے—"

"کیا مطلب—؟" اکبر برلاس چونکے۔ "کیا تم نے جان بوجھ کر اداسی خریدی ہے—؟ کس قسم کے فوٹو گراف ہیں وہ؟"

خاور نے باپ کو جواب دینے کے بجائے نازش کی تصویروں کا لفافہ شبانہ بیگم کے حوالے کر دیا۔ شبانہ بیگم نے ایک تصویر نکال کر دیکھی تو ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ انہوں نے ایک نظر خاور پر ڈالی پھر ایک ایک کر کے نازش کی تمام تصویروں کو دیکھنے لگیں۔ اکبر برلاس تصویروں کو تو نہیں دیکھ سکے لیکن وہ بیوی کے چہرے کے

بدلتے رنگوں کو ضرور بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے۔

"ان تصویروں میں ایسی کیا بات ہے جو تمہاری اداسی کا سبب بن گئیں۔" شبانہ بیگم نے تصویریں لفافے میں ڈالتے ہوئے خاور کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بات جاری رکھتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم پہلے سے نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے باپ کی آزاد خیال لڑکی ہے اور مغربی تہذیب کی دلدادہ ہے—"

"میں نے ان تصویروں پر کوئی تنقید تو نہیں کی—" خاور نے پہلو بدل کر قدرے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "فوٹو گرافس مجھے اچھے لگے تھے اس لئے اپنے البم میں سجانے کیلئے خرید لئے—"

"کس کے فوٹو گرافس ہیں—؟" اکبر برلاس نے بیٹے کے جواب میں چھپی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا تھا۔ "مجھے تمہارے جواب سے بغاوت کی بو آ رہی ہے—" شبانہ بیگم نے شوہر کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے خاور کو تیز اور چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ "کیا تم ان تصویروں کو دکھا کر مجھے میرا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہو—؟"

"کیا ان تصویروں کا تعلق نازش سے ہے—؟" خاور کے جواب دینے سے پہلے اکبر برلاس نے معاملے کی نوعیت کو محسوس کرتے ہوئے شبانہ بیگم سے پوچھا۔

"جی ہاں—" شبانہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "اونچی سوسائٹی میں اس قسم کی تصویروں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ایک دوسرے سے بے تکلفی سے ملنے کے مطلب آوارگی یا بدچلنی نہیں ہوتے— جو بدکردار ہوتے ہیں وہ کھلے عام اپنے گناہوں کی تشہیر کبھی نہیں کرتے— تیراکی کے لئے سوئمنگ کا لباس پہننا موڈرن دور کی فیشن اور ضرورت میں شمار کیا جاتا ہے—" شبانہ بیگم نے شوہر کو بڑے روکھے لہجے میں جواب دیا پھر خاور کی جانب دیکھ کر تلخ آواز میں کہا۔ "گناہ دوسروں کے کردار میں نہیں— انسان کی اپنی نگاہ میں ہوتا ہے۔ جو اسے شکوک اور شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے— کبھی بلند مقام پر کھڑے ہو کر پستیوں کی طرف دیکھنے کی کوشش کرو تو تمہیں ہر

شے بہت حقیر اور چھوٹی نظر آئے گی—" شبانہ بیگم ایک پل کو خاموش ہوئیں پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولیں۔ "میں بھی اسی شہر میں رہتی ہوں۔ مجھے بھی روزمرہ کی خاص و عام باتوں کا علم ہوتا رہتا ہے— تمہاری اداسی کا سبب میرے خیال میں نازش کی تصویریں نہیں— کسی کی موت کی خبر ہے جس کا ہم سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے—"

"ممی—" خاور کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "آپ کس کی موت کی بات کر رہی ہیں۔؟"

"حیرت ہے—؟" شبانہ بیگم نے غیر یقینی انداز میں کہا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ شاید سب سے پہلے تمہیں اس کی موت کی اطلاع پہنچی ہو گی جس کی مغرور بیٹی نے ابھی تک تمہارے دل و دماغ کو پراگندہ کر رکھا ہے۔"

خاور کو شبانہ بیگم کے جملے اپنے وجود میں تیر و نشتر بن کر اترتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماں کی بات سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جمیلہ خاتون عالیہ کے غم میں خون تھوک تھوک کر زندگی کی حدوں کو پھلانگ چکی ہیں۔ ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال تھا کہ مریضہ کا بچنا مشکل ہے۔ موت برحق ہے۔ ایک نہ ایک دن ہر شخص کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جمیلہ خاتون زندگی کے جن اذیت ناک لمحوں سے گزر رہی تھیں وہ بےحد کربناک تھے۔ شاید قدرت کو ان پر رحم آ گیا تھا جو انہیں زندگی کی قید سے آزاد کر دیا تھا— لیکن شبانہ بیگم نے جس دل جلے لب و لہجے میں ان کی موت کی اطلاع سنائی تھی وہ خاور کو بہت گراں گزرا تھا۔ اکبر برلاس نے بھی جمیلہ خاتون کی موت کی خبر سن کر اپنے ہونٹ بڑی سختی سے بھینچ لئے تھے۔ اب وہ اس مسئلے پر کوئی بحث کر کے گھر کے ماحول کو مزید خراب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"کیا بات ہے—؟" شبانہ بیگم نے بیٹے کے زخم پر مرہم رکھنے کے بجائے ایک چرکہ اور لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں سکتہ کیوں ہو گیا— کس بات کا غم منانے کی کوشش کر رہے ہو—؟"

"ممی—" خاور چیخ اٹھا۔ "کیوں گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کر رہی ہیں—

میں نے آپ کی لاڈلی نازش سے ابھی شادی کرنے سے انکار تو نہیں کیا—"

شبانہ بیگم جواب میں کوئی اور تلخ جملہ بولنے کا ارادہ کر رہی تھیں لیکن خاور نے انہیں مہلت نہیں دی۔ تیزی سے پلٹ کر اپنی کار کی طرف گیا پھر اس سے پیشتر کہ شبانہ بیگم اسے روک سکتیں اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے برق رفتاری سے ریورس کی اور روش عبور کر کے پھاٹک سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"ایک بات کہوں اگر ناگوار خاطر نہ گزرے—" اکبر برلاس نے دبی زبان میں کہا۔

"فرمایئے—" شبانہ بیگم نے نظریں گھما کر شوہر کی سمت دیکھا۔ "کیا آپ بھی بیٹے کی حمایت میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اولاد جب جوان ہو جائے تو اسے سختی کے بجائے نرمی سے سمجھانا چاہئے۔" اکبر برلاس نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ "ڈور کو کھینچا جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے— خاور کا زخم ابھی تازہ ہے۔ اس کے بھرنے میں کچھ وقت تو لگے گا اور پھر اس نے آپ کی خواہش کے احترام میں—" اکبر برلاس نے جملہ پورا نہیں کیا ہونٹ کاٹ کر رہ گئے۔

"خاموش کیوں ہو گئے—؟" کہہ دیجئے کہ خاور کی طرح آپ کو بھی دل سے نازش کا رشتہ پسند نہیں ہے۔" شبانہ بیگم جھلا کر بولیں۔

"وقت کی رفتار اب زمانے کے ساتھ ساتھ بدل رہی ہے— پہلے کی بات اور تھی لیکن اب لڑکے اور لڑکی دونوں کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ زندگی کی گاڑی زیادہ دنوں نہیں چلتی— کہیں راستے ہی میں ٹھپ ہو جاتی ہے۔"

"پسند تو کیا تھا آپ کے لاڈلے نے ایک ہمہ صفت آفتاب' لیکن نتیجہ کیا نکلا—؟" شبانہ بیگم نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے بڑی حقارت سے کہا۔ "گاڑی اسٹارٹ ہونے سے پہلے ہی ٹھپ ہو گئی—"

"جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا لیکن اب—"

"اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گی۔" شبانہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر دو ٹوک

فیصلہ سنا دیا۔

"سوچ لیجئے—" اکبر برلاس نے پہلو بدل کر کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ جوان لڑکا ہاتھ ہی سے نکل جائے—"

"ہونے والی بات کو کون روک سکتا ہے۔" شبانہ بیگم نے تلملا کر جواب دیا۔ "مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔ ماسٹر کی لڑکی نے محبت کی پینگیں کسی اور سے بڑھائیں اور نو دو گیارہ کسی اور کے ساتھ ہو گئی— اس کے بڑوں نے بھی کیا کر لیا—"

"آپ نے شاید ابھی خاور کو عالیہ کی ماں کی موت کی اطلاع دی تھی—؟" اکبر برلاس نے چیختے ہوئے انداز میں کہا۔ "بیچاری اولاد کے غم میں گھل گھل کر مر گئی—"

"بہت زیادہ دکھ ہو رہا ہے اس کی موت کا تو بیٹے کی طرح آپ بھی اس کی میت کو کاندھا دینے چلے جایئے' میں منع نہیں کروں گی۔" شبانہ بیگم نے جھلا کر کہا پھر غصہ میں بھری تیزی سے اٹھ کر سبزے کو کچلتی اپنی عالیشان کوٹھی میں چلی گئیں—

اکبر برلاس اپنی کرسی پر کسمسا کر رہ گئے پھر انہوں نے لفافہ اٹھا کر اس میں سے برآمد ہونے والی تصویریں دیکھیں تو غصے سے پھاڑ کر انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

رفتہ رفتہ عالیہ کے ذہن پر چھائی ہوئی غنودگی چھٹ رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا شاید وہ ایک ڈراؤنا خواب ہی تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ گزری ہوئی باتوں پر غور کرنے لگی۔ زیشان نے ہدہد کو اس کا حمائتی کہا تھا پھر وہ اسے ختم کرنے کے ارادے سے پنجرے کی جانب بپھرے ہوئے انداز میں لپکا تھا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔

عالیہ زیشان اور ہدہد کے بارے میں سوچ رہی تھی جب سنبل اور طاہرہ اس کی خوابگاہ میں داخل ہوئی تھیں تیز و تند جملوں کے تبادلے کے بعد سنبل نے بھی کسی ایک قوت کی جانب اشارہ کیا تھا جو عالیہ کی مدد کر رہی تھی مگر ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ آنے والا وقت بتائے گا کہ اس نے زیشان کو فریب دے کر کس عذاب کو دعوت دی ہے۔ اس کے بعد طاہرہ اور سنبل نے اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا۔ پھر عالیہ کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ ہوا میں پرواز کر رہی ہو— وہ اس ناقابل یقین تصور پر غور کرنا چاہتی تھی لیکن کثیف دھوئیں کے بادلوں نے نہ صرف اس کے اطراف گھپ اندھیروں کی دیواریں کھڑی کر دیں بلکہ اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی سلب کر دیں۔ وہ گہری نیند میں ڈوب گئی تھی—

اور— اب اس کا ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے گزرے ہوئے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے زیشان کو کیا فریب دیا تھا جس نے اس کو مشتعل کر دیا تھا؟ غالباً— خوابگاہ میں روشنی رکھنے والی بات نے اسے آپے سے باہر کر دیا تھا۔ اس کے بعد حالات نے بڑی برق رفتاری سے کروٹ بدلی تھی نہ صرف زیشان نے اچانک اس سے اپنی نفرت اور غصے کا اظہار کیا تھا

بلکہ سنبل اور طاہرہ کے رویوں میں بھی حیرت انگیز تبدیلی آگئی تھی۔

زیشان کی پراسرار کوٹھی میں کچھ دن گزارنے کے بعد عالیہ کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کی حیثیت کسی ایسے مجرم جیسی تھی جسے خود اسی کی رہائش گاہ میں نظر بند کر دیا گیا ہو۔ اسے کوٹھی کے طول و عرض میں گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی لیکن نہ باہر نکلنے کی اجازت تھی نہ والدین سے ملنے جلنے کی-- اس نے بارہا اس راز کو جاننے کی کوشش کی جس کی وجہ سے اسے قید و بند کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا تھا لیکن کوئی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکی البتہ اسے اس بات کا احساس ضرور ہو گیا تھا کہ زیشان انسان کے روپ میں شیطان سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ وہ پراسرار ماورائی قوتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے روپ بھی بدلتا رہتا تھا۔ وہ کوئی آسیبی قوت تھی جس نے عالیہ کی زندگی کو شکار کر لیا تھا-- مگر کیوں--؟ عالیہ نے اس کا کیا بگاڑا تھا--؟ اسے کن ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی تھی--؟ اس کے گرد پہرے اتنے سخت کیوں کر دیئے گئے تھے کہ سانس لینے سے بھی اسے گھٹن کا احساس بڑی شدت سے ہوتا تھا--؟ اگر زیشان کی شیطانی حس نے ہد ہد کی اصلیت کو بھانپ لیا تھا تو پھر اسے ختم کر ڈالنے کے بجائے پنجرے میں قید کیوں کیا تھا--؟ کیا اسے اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ وہی معصوم پرندہ ایک دن پراسرار کوٹھی کے طلسم کو تہہ و بالا کر دے گا--؟ کیا زیشان کی نظریں پرندے کے وجود میں مخفی ان قوتوں کی تہہ تک نہیں پہنچ سکی تھیں جو اس کے مقابلے میں بالاتر تھیں--؟ اور اگر پرندہ کوئی رحمانی قوت تھی جو قدرت کے اشارے پر عالیہ کی مدد کر رہی تھی تو پھر معاملات کو اتنا طول دینے کی کیا ضرورت تھی؟

عالیہ کے ذہن میں بے شمار سوالات ابھر رہے تھے پھر کسی خیال کے پیش نظر اس نے آنکھیں کھولیں تو چکرا کر رہ گئی-- اس کے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں-- ہوا میں پرواز کرنے والی بات کوئی ڈراؤنا خواب نہیں تھی۔ اس نے تیزی سے نظریں گھما کر ماحول کا جائزہ لیا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس وقت وہ اپنی خوابگاہ میں نہیں بلکہ ناہموار اور سنگلاخ فرش پر پڑی تھی۔ زمین کا وہ ٹکڑا دائرے کی شکل میں تھا

جس کے چاروں طرف ادھڑے ہوئے پلاسٹر کی سال خوردہ دیواریں کافی بلندی تک نظر آ رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر اس بات کا یقین کرتی رہی کہ کہیں وہ خواب کی کیفیت سے تو دو چار نہیں ہے پھر اس نے محسوس کر لیا کہ اسے کسی اندھے کنویں میں قید کیا گیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر پھٹی پھٹی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا تو موت کا تصور اس کی پلکوں تلے منڈلانے لگا۔ بظاہر اسے نکاسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا صرف موت ہی اس اندھے کنویں کی قید تنہائی سے نجات دلانے کا ذریعہ بن سکتی تھی۔

"اتنی جلدی موت کو یاد کرنے لگیں--- ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے--"

عالیہ سنبل کی آواز سن کر چونکی۔ اس نے تیزی سے گھوم کر دیکھا تو سنبل بڑے اطمینان سے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ عالیہ کو حیرت ہوئی لیکن اس نے جلدی ہی اپنی حیرت پر قابو پا لیا۔ وہ جن پراسرار حالات کا شکار ہو چکی تھی اس میں ہر بات ممکن تھی۔ سنبل جو ایک لمحہ پہلے کہیں نہیں تھی اب اس کی نظروں کے سامنے موجود تھی۔ شاید اس کی شیطانی قوتوں نے عالیہ کے دل کا حال بھی بھانپ لیا تھا۔ عالیہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سپاٹ نظروں سے گھورتی رہی۔

"خاموش کیوں ہو عالیہ--" مجھ کو کنیز سمجھ کر کوئی حکم دو--- کسی خواہش کا اظہار کرو۔" سنبل نے بڑے زہریلے لہجے میں کہا۔ "آقا نے تو تمہیں اپنی ملکہ بنا رکھا تھا۔ میں تو تمہاری ادنیٰ کنیز تھی۔ کیا تم اتنی جلدی سب کچھ بھول گئیں--؟"

عالیہ بدستور خاموش کھڑی تیز نظروں سے سنبل کو گھورتی رہی۔

"کن خیالوں میں گم ہیں ملکہ عالیہ-- کیا کنیز کو موت کا حکم سنانے کے بارے میں غور کر رہی ہیں۔" سنبل نے زہر خند سے کہا۔ "ایسی بھی کیا بے مروتی-- کنیز سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے کہ آپ اسے اتنی قہر آلود نظروں سے گھور رہی ہیں-- کیا میری سابقہ خدمات کے عوض بھی مجھے معافی نہیں مل سکتی-- میں رحم کی درخواست کرتی ہوں--"

"تم شاید میری بے بسی کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہی ہو۔۔؟" عالیہ نے اس بار خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔ کنیز بھلا آپ کی شان میں گستاخی کی جرات کس طرح کر سکتی ہے۔" سنبل نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آپ کو تو آقا کے دل پر راج کرنے کا شرف حاصل ہے۔۔ میں کیا اور میری اوقات کیا۔۔"

"لیکن میں اب سمجھ چکی ہوں کہ تمہاری اوقات کیا ہے۔۔" عالیہ نے جھلا کر جواب دیا۔ "تم صرف چڑھتے سورج کی پجارن ہو مگر اتنا یاد رکھو کہ جب سورج ڈھلے گا تو تمہارا فریب بھی خاک میں مل جائے گا۔"

"آپ سورج ڈھلنے کا حکم کب صادر فرمائیں گی۔۔؟" سنبل نے بڑی سنجیدگی سے مذاق اڑاتے ہوئے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

"جب تمہارے آقا کا ظلم اپنی حد سے گزرنے لگے گا۔" عالیہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

"آقا کا ظلم ابھی تم نے دیکھا کہاں ہے۔۔؟" سنبل نے بدلے ہوئے تیور سے جواب دیا۔ ابھی تک تو تم نے صرف اس کا پیار دیکھا ہے۔"

"کیا تم مجھے صرف یہی بتانے کی خاطر وارد ہوئی ہو؟"

"کچھ دیر اور چہک لو عالیہ بیگم..." سنبل کا لہجہ یکلخت سرد ہو گیا "تمہیں اپنے حسن اور جوانی پر جو ناز ہے' اس کی تباہی اور بربادی کا وقت بہت قریب آگیا ہے.....تم نے آقا کو فریب دے کر جس عذاب کو دعوت دی ہے' اب تمہیں اس کا مزا بھی چکھنا پڑے گا۔"

"کس آقا کی شان میں قصیدے پڑھ رہی ہو.....؟" عالیہ کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا "وہی جو اپنے مقید کیے ہوئے پرندے کی طاقت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکا۔"

"اس کا اندازہ بھی تمہیں بہت جلد ہو جائے گا کہ کون کتنا طاقتور ہے۔" سنبل کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا "تم جس کے بل پر اچھل رہی ہو' اب وہ تمہارے کسی کام نہیں آسکے گا....."

"مجھے اپنے پیدا کرنے والے کے علاوہ کسی دوسری طاقت پر یقین نہیں۔" عالیہ نے اس بار پُراعتماد انداز میں جواب دیا "جو مقدر میں لکھا ہے' اسے کوئی ٹال نہیں سکتا...."

"تمہارے مقدر میں ہمارے آقا نے کیا لکھا ہے' یہ میں جانتی ہوں۔" سنبل نے حقارت سے کہا "تم ایسی اذیت سے دوچار ہونے والی ہو کہ گڑگڑا کر موت کی دعا مانگو گی لیکن موت بھی تمہیں اپنانے سے انکار کر دے گی۔"

عالیہ نے اس بار صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی یا گھبراہٹ کی کوئی علامت نہیں تھی۔ شاید اس نے خدا کا نام لے کر خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

"تمہارے ہونٹوں کی یہ مسکراہٹ زیادہ دیر برقرار نہیں رہے گی۔" سنبل جھلا کر بولی "تم ابھی میرے قدموں پر گر کر رحم کی درخواست کرو گی اور میں تمہارے تڑپنے پر دل کھول کر قہقہہ لگاؤں گی۔"

"تم شاید مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہی ہو.....؟" عالیہ نے بڑی طمانیت سے جواب دیا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئی بولی "کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ اس وقت تمہارا آقا کس محاذ پر مصروف ہے جو تم کو میرے اوپر تعینات کر دیا گیا ہے؟"

"آقا جس سے ایک بار نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے' اس کی طرف دوبارہ توجہ نہیں دیتا۔" سنبل کے تیور خطرناک ہوتے جا رہے تھے۔ "اس نے تمہیں پاؤں کی جوتی کی طرح اتار کر پھینک دیا ہے۔ تم اب اس کے غلاموں کا دل بہلانے کے کام آؤ گی لیکن اس سے پیشتر وہ تمہارے وجود سے اپنی اس خوشی کو مٹا ڈالنے کا خواہش مند ہے جس نے اسے تمہاری باتوں کے فریب میں مبتلا کر دیا تھا۔"

"تم کس خوشی کی بات کر رہی ہو.....؟" عالیہ چونکی۔ وہ ذیشان کے منہ سے بھی کسی ایسی امید کی بات سن چکی تھی جس کا خواب وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ "اس کے خوابوں کی تعبیر کا وقت آچکا ہے۔ امید کی ایک کرن اسے نظر آنے لگی تھی.....وہ خواب کیا تھا؟" عالیہ اسے جاننے کی خاطر بے چین ہو گئی۔

"حیرت ہے....." سنبل نے سپاٹ لہجے میں کہا "کیا تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ آقا کی محبت کا بیج تمہارے وجود میں کونپل کی طرح پھوٹنے لگا ہے..... اسی خوشی نے ایک لمحے کے لیے اسے اپنے گرد و پیش سے بیگانہ کر دیا اور تم اسے فریب دینے میں کامیاب ہو گئیں۔"

عالیہ کچھ دیر کے لیے خوابوں میں گم ہو گئی۔ اس کی رگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ممتا کے جذبے اس کے ارمانوں کو گدگدانے لگے۔ ماں بننے کی خوشی سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا لیکن سنبل کی ابھرنے والی سرد آواز سن کر اس کے خواب چکنا چور ہونے لگے۔ "پریشان مت ہو عالیہ بیگم....." سنبل کی نگاہوں میں انگارے دہک رہے تھے "آقا کا بویا ہوا بیج اکھاڑ پھینکنے کے بعد تمہیں دوبارہ ماں بننے کا موقع دیا جائے گا لیکن اس کی خوشخبری تمہیں آقا کے غلام سنائیں گے۔"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے لیکن اس کی نظریں بدستور سنبل پر جمی ہوئی تھیں اور ان میں ایک سوال تڑپ رہا تھا..... "کیا ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ اتنا بھیانک مذاق کر سکتی ہے؟؟"

"یہ تمہارے چہرے کا رنگ فق کیوں ہو گیا......؟" سنبل نے بڑے زہریلے انداز میں کہا "ابھی تو ہم نے تمہیں اذیت سے دوچار بھی نہیں کیا.....تم تو ابھی مقدر کی باتیں کر رہی تھیں' غبارے کی ہوا اتنی جلدی نکل گئی.....اس پرندے کو بھی بھول گئیں جس کی تجویز پر تم نے خوابگاہ میں روشنی رکھنے والی خواہش کا اظہار کیا تھا.....گلا پھاڑ کر چیخو عالیہ بیگم' اسے اپنی مدد کے لیے پکارو.....شاید تمہاری حسرت پوری ہو جائے....."

"تمہارا خیال غلط ہے سنبل۔" عالیہ نے تڑپ کر جواب دیا "میں اس وقت کچھ اور سوچ رہی ہوں......"

"ہم بھی تو سنیں کہ تم اس وقت کیا سوچ رہی ہو......" سنبل نے مضحکہ اڑانے والا انداز اختیار کیا۔

میں.....میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہارا روپ عورت کے بجائے کسی زہریلی

ناگن یا چڑیل جیسا ہوتا تو زیادہ موزوں لگتا۔" عالیہ نے ہونٹ چباتے ہوئے انتہائی نفرت اور حقارت سے جواب دیا۔

سنبل کے تیور یکلخت بدل گئے۔ اس کی آنکھوں میں شعلوں کا ویسا ہی رقص نظر آنے لگا جیسا عالیہ ذیشان کی آنکھوں میں دیکھ چکی تھی۔ ایک ثانیئے کو سنبل اسے بڑی سفاک نظروں سے گھورتی رہی۔ پھر اس نے تیزی سے جھک کر اپنے چاروں طرف ایک لکیر کھینچ دی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ سینہ تان کر کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ بے حد خوفناک نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی لہریں تیر رہی تھیں۔ اس نے عالیہ کو حقارت سے گھورا۔ پھر ہونٹ کو دائرے کی شکل میں لا کر زور سے زمین پر پھونک ماری۔

عالیہ دم بخود کھڑی تھی۔ سنبل کے پھونک مارنے کے بعد اس نے زمین کی طرف دیکھا تو خوف کی ایک لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ ناہموار زمین سے بڑے بڑے خوفناک چیونٹے ابلنے شروع ہو گئے۔ ان کی تعداد میں برق رفتاری سے اضافہ ہو رہا تھا۔ عالیہ نے خود کو ان کی دسترس سے بچانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف زمین کا رنگ چیونٹیوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا بلکہ وہ عالیہ کے پیروں سے گزر کر پنڈلیوں تک پہنچ گئے تھے۔ عالیہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا دفع کرنے میں مصروف تھی لیکن وہ غالباً آدم خور چیونٹے تھے جو اس کی جلد کو بری طرح جھنجھوڑ رہے تھے۔ اسے اپنے جسم میں بیک وقت ہزاروں نشتر چبھتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے ضبط سے کام لینے کی کوشش کی مگر ان دردناک چیخوں پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو سکی جو اس کے منہ سے خارج ہونا شروع ہو چکی تھیں۔

آدم خور چیونٹیوں کی تعداد ہر لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی تیزی سے اس کے پورے جسم پر پھیلتے جا رہے تھے۔ اسی نسبت سے عالیہ کے کرب اور چیخوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے اس بات پر مطلق حیرت نہیں ہوئی کہ چیونٹیوں کی فوج یلغار کرنے کے باوجود اس دائرے کے اندر کیوں نہیں داخل ہو رہی تھی جو سنبل نے

اپنے اطراف زمین پر کھینچ دیا تھا۔ ذیشان کی ساتھی ہونے کے سبب وہ بھی یقینی طور پر کچھ ماورائی قوتوں کی مالک رہی ہوگی۔ کوئی سحر پھونک کر اس نے چیونٹیوں کو دائرے میں داخل ہونے سے روک دیا ہوگا۔

عالیہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ دیوانوں کی طرح اچھل کود کر رہی تھی۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ بڑے اذیت ناک انداز میں چیخ رہی تھی۔ پھر اس کی چیخوں میں اس وقت سنبل کے فاتحانہ قہقہے بھی شامل ہو گئے۔ جب عالیہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی زمین پر گر کر ہاتھ پیر چلانے لگی۔ آدم خور چیونٹیوں نے اب اس کے چہرے اور گردن پر بھی حملہ کر دیا۔ عالیہ انہیں پکڑ پکڑ کر جسم سے علیحدہ کرتی تو خون کی لکیریں نمودار ہونے لگتیں۔ جسم کا وہ حصہ بھی زخمی نظر آنے لگتا۔ اس کی انگلیاں بھی خود اپنے ہی خون سے لہولہان ہو رہی تھیں۔ وہ کرب کی حالت میں سنگلاخ زمین پر لوٹ رہی تھی' تڑپ رہی تھی' بلک رہی تھی اور آدم خور چیونٹے بڑی بے دردی سے اس کے پورے وجود کو جھنجھوڑنے میں مصروف تھے۔ موت اور زندگی کا وہ ہولناک کھیل جاری تھا' جب سنبل نے اسے مخاطب کیا۔

"حوصلہ رکھو عالیہ بیگم....ہم تمہیں اتنی آسانی سے موت کے چنگل میں نہیں جانے دیں گے۔ یہ بیچارے معصوم چیونٹے بڑی مدت سے انسانی گوشت کو ترس رہے تھے۔ مجھے ان پر ترس آگیا۔ تم بھی چیخنے چلانے کے بجائے ہنستے مسکراتے ان کی ضیافت کا مظاہرہ کرو۔ ابھی اتنا تڑپو گی تو اس وقت کیا ہوگا جب ہمارے آقا کے غلام تمہارے وجود سے اس پودے کو اکھاڑیں گے جس کی آڑ لے کر تم نے اپنے فریب کا جال پھینکا تھا......ایک بار وہ کونپل تباہ ہو گئی تو پھر تمہیں نئی نئی فصلیں اگانے کا پورا پورا اختیار ہوگا لیکن اس کے لیے تمہیں ہمارے غلاموں کے تلوے چاٹنے پڑیں گے۔ ہم تمہیں حسن کا فریب دکھانے کا پورا پورا موقع دیں گے لیکن تمہارے لیے سکون کا لمحہ فراہم کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوگا......تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی گزارو گی۔ ہر ہر لمحہ موت کو آواز دو گی لیکن موت کو بھی تم پر ترس نہیں آئے

گا....."

"مجھے تمہارا اور تمہارے آقا کا ہر ظلم گوارا ہے لیکن میری ممتا کو مجھ سے مت چھینو۔" عالیہ نے تڑپتے ہوئے کہا "اس معصوم نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے.....؟"

"ہم تمہاری معصومیت کو دیکھ چکے ہیں۔ اب تمہارے وجود سے جنم لینے والی کسی اور معصومیت کو برداشت نہیں کر سکتے۔" سنبل نے نفرت سے جواب دیا "یہی آقا کا فیصلہ ہے...... تمہیں ہر حال میں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔"

"مجھ پر نہیں......" عالیہ نے بے بسی کی حالت میں بھی پوری قوت سے چیخ کر کہا "میری اولاد پر رحم کھاؤ......"

"میں تمہاری رحم کی درخواست کو رد کرتی ہوں۔" سنبل نے فرعونیت کا ثبوت دیا۔

عالیہ جو پہلے ہی ناقابل برداشت اذیت سے دوچار تھی' سنبل کا سرد جواب سن کر تڑپ اٹھی۔ اس کا پورا جسم زخمی ہو رہا تھا۔ جوڑ جوڑ میں ٹیس اٹھ رہی تھی۔ آدم خور چیونٹے اس کا جسم نوچ رہے تھے۔ وہ تڑپ تڑپ کر کروٹیں بدل رہی تھی۔

سنبل نے دوبارہ فلک شگاف قہقہے لگانا شروع کر دیئے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ عالیہ کی بے بسی پر زہر آلود جملوں کے نشتر بھی لگاتی جاتی تھی لیکن پھر یکلخت سنبل کے قہقہے جیسے اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے گوشت پوست کے اس گولے کو دیکھنے لگی جو عالیہ کی ایک کربناک چیخ مارنے کے بعد اچانک نمودار ہوا تھا اور بڑی تیزی سے آدم خور چیونٹیوں کا صفایا کر رہا تھا۔ پھر اس سے پیشتر کہ سنبل موقع کی نزاکت کو محسوس کر سکتی' چیونٹیوں کی کثیر تعداد اس طرح غائب ہو گئی جیسے وہاں ان کا کوئی وجود ہی نہ رہا ہو۔ عالیہ کے کرب کو بھی قرار آگیا تھا۔ اس کے پورے جسم پر گوشت کے ادھڑے ادھڑے نشانات موجود تھے جن سے خون رس رہا تھا لیکن اس کی چیخ و پکار کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ بھی اس گوشت پوست کی گیند کو دیکھ رہی تھی جو اس طرح اپنی جگہ پھول اور پچک رہا تھا جیسے کوئی ہانپ رہا ہو۔

aazzamm@yahoo.com

"کون ہو تم.....؟" سنبل نے گوشت پوست کے لوتھڑے کو مخاطب کیا- اس کی حیرت اپنی جگہ بدستور قائم تھی-

جواب میں خاموشی رہی-

"میرے سوال کا جواب دو ورنہ میں آقا کا نام لے کر ایسا سحر پھونکوں گی کہ تمہاری اصلیت بے نقاب ہو جائے گی-" سنبل کے لہجے میں پہلی جیسی بے رحمی یا درندگی نہیں تھی- اس کی آنکھوں سے تجسس جھانک رہا تھا- وہ پلکیں جھپکائے بغیر گوشت کے عجیب الخلقت لوتھڑے کو ٹکٹکی باندھے گھور رہی تھی-

"اس وقت تمہارا آقا تمہارے کسی کام نہ آسکے گا-" ایک باریک سی نسوانی آواز اندھے کنویں میں گونجتی ہوئی سنائی دی- "تمہارا اپنا وجود بھی اب ناکارہ ہو چکا ہے......"

"تم..... تمہیں شاید میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے-" سنبل نے تیزی سے جواب دیا لیکن اس کی آنکھوں سے ایک انجانا خوف جھانک رہا تھا-

"ہر بات اور ہر شے کی ایک حد مقرر ہوتی ہے-" آواز دوبارہ ابھری "تمہاری جو حد تھی' وہ ختم ہو چکی ہے......"

عالیہ نے نظروں کا زاویہ بدل کر سنبل کی طرف دیکھا- اسے یوں محسوس ہوا جیسے سنبل بڑی بے چینی سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کسی قوت نے اسے پوری طرح جکڑ رکھا تھا- وہ اپنی جگہ کھڑی کھڑی کسمسا رہی تھی-

"خاموش کیوں ہو اپنے آقا کی چہیتی......ابھی کچھ دیر پہلے تو تم بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہی تھیں....." اس بار خشک لہجے میں کہا گیا-

"میرا راستہ کاٹنے کی کوشش مت کرو......" سنبل نے کہا "ورنہ آقا کی طاقت تمہیں پیس کر رکھ دے گی-"

"تم تو دلوں میں جھانکنے کی قوت رکھتی تھیں......مجھے نہیں پہچان سکیں؟" سرد آواز میں پوچھا گیا-

"کک......کون......ہو......تم" سنبل کی آواز لرزنے لگی- اس کی پلکوں تلے موت

کے سائے کپکپانے لگے تھے-

"تمہاری عبرتناک موت......" نسوانی آواز کنویں میں گونجتی سنائی دی- پھر گوشت کا لوتھڑا کسی ربر کی گیند ہی طرح اچھل کر سنبل سے ٹکرایا تو اس کے پورے جسم سے شعلے بلند ہونے لگے..... سنبل کی کربناک چیخیں آسمانوں سے ٹکرا رہی تھیں- پھر اس کا وجود پل بھر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا-

عالیہ کو اپنی قوت بینائی پر شبہ ہو رہا تھا- سنبل کی خلاف توقع اور ہولناک موت دیکھ کر اسے حیرت ہوئی- وہ اپنی جگہ لیکن ایک خطرناک دشمن کے فنا ہو جانے پر اسے قلبی سکون بھی ہوا تھا- سنبل اس کے خیال کے مطابق ذیشان کی دست راست تھی جو حیرت انگیز طور پر جل کر راکھ ہو چکی تھی- گوشت پوست کے لوتھڑے کی طاقت کے آگے وہ قطعی بے بس ہو کر رہ گئی تھی- نہ اس نے فرار کی کوشش کی' نہ اپنے بچاؤ کی خاطر شیطانی قوتوں سے کام لے سکی-

عالیہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا- وہ اس طاقت کے بارے میں سوچنے لگی جس نے اسے موت کے منہ میں جاتے جاتے دوبارہ زندگی کی نوید دی تھی- اگر وہ بروقت آدم خور چیونٹیوں سے اسے نجات نہ دلا دیتی تو شاید اس کا وجود ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل ہو جاتا- اچانک اسے اپنی تکلیف کا خیال ہوا تو اس نے اپنے زخمی وجود کی طرف ایک نظر ڈالی- اس کا ذہن چکرا کر رہ گیا- اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا- لباس بھی اس حالت میں نظر آ رہا تھا جو آدم خور چیونٹیوں کے نمودار ہونے سے پہلے تھا- وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی' پھر اس کی نظر یکلخت اسی پراسرار لوتھڑے پر گھوم گئی جو اندھے کنویں میں ایک طرف زمین پر پڑا ہانپنے کے انداز میں آہستہ آہستہ متحرک تھا- عالیہ کے ذہن میں اس کی گونجتی ہوئی نسوانی آواز صدائے بازگشت کی طرح چکرا رہی تھی- ایک لمحے تک وہ اس کو سہمی سہمی نظروں سے دیکھتی رہی' پھر اس نے ہمت کر کے دبی زبان میں پوچھا-

"کون ہو تم......؟"

گوشت کے لوتھڑے کی طرف سے کوئی جواب نہیں سنائی دیا-

aazzamm@yahoo.com

"تم نے اگر میری مدد نہ کی ہوتی تو موت کے سرد ہاتھ میرے وجود کو چاٹ جاتے۔" عالیہ نے کہا "میں تمہاری شکرگزار ہوں۔"

"مجھے شرمندہ نہ کرو....." کچھ توقف کے بعد نسوانی آواز نے بڑے معصوم انداز میں کہا "میں نے جو کچھ کیا' وہ میرا فرض تھا۔"

"کیا..... کیا تم وہی پرندہ ہو جس کی وجہ سے ذیشان نے مجھے سسکا سسکا کر مار ڈالنے کا ارادہ کرلیا تھا.....؟"

"میں کسی پرندے سے واقف نہیں....."

"پھر..... تم کون ہو......؟" عالیہ نے دوبارہ سوال کیا۔

"کیا تم مجھے دیکھنا پسند کروگی.....؟" نسوانی آواز میں اس بار درد کی آمیزش تھی۔

"ہاں..... مجھے تمہیں دیکھ کر خوشی ہوگی۔ اس لیے کہ تم میری محسنہ ہو......" عالیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

"سوچ لو..... کہیں بعد میں تمہیں کوئی پچھتاوا نہ ہو....."

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی۔" عالیہ نے تعجب کا اظہار کیا۔ "مجھے تمہیں دیکھ کر پچھتاوا کیوں ہوگا؟"

"کچھ حقیقتیں بڑی تلخ اور اذیت ناک ہوتی ہیں۔ جب تک ان پر پردہ پڑے رہے' دل کو کوئی ملال نہیں ہوتا لیکن جب سب کچھ کھل کر سامنے آجائے تو اکثر خوشیاں بھی زندگی کا روگ بن جاتی ہیں۔"

"تمہاری باتیں بھی تمہاری طرح پراسرار ہیں....." عالیہ نے جواب دیا۔ "میرے دل میں تمہیں ایک نظر دیکھنے کا تجسس بڑھتا جا رہا ہے۔"

"میں کوئی پراسرار یا مافوق الفطرت ہستی نہیں ہوں۔ اگر تم مجھے کوئی شیطانی قوت سمجھ رہی ہو تو یہ بھی غلط ہے۔"

"پھر..... تمہاری حقیقت کیا ہے؟" عالیہ نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"میں ایک لازوال قوت کا ادنیٰ سا معجزہ ہوں۔" معصوم نسوانی آواز ابھری۔ "اسی عظیم تر طاقت کے اشارے نے مجھے تمہیں بچانے کا حکم دیا تھا۔ وہ اشارہ نہ کرتا تو

شاید میں بھی تمہارے ساتھ فنا ہو جاتی....."

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں....." عالیہ نے حیرت سے کہا۔ "تمہارا میری ذات سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق ہی تو ہے جو انسان انسان کے کام آتا ہے۔" اور پھر میرا اور تمہارا تعلق تو بہت گہرا ہے۔" بچی کا جواب معنی خیز تھا۔

"کیا مطلب....."

"تم نے کبھی آئینے میں اپنا عکس دیکھا ہے؟" نسوانی آواز نے عالیہ کی بات نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کبھی دیکھا تھا....." عالیہ کے دل کا درد جاگ اٹھا۔ "اب خواہش مٹ چکی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ مجھے دیکھ کر تمہیں خوشی ہوگی؟"

"ہاں..... میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" عالیہ جلدی سے بولی "یہ میری زندگی کا ایک خوشگوار تجربہ ہوگا۔"

اس بار گوشت کے لوتھڑے سے کوئی آواز نہیں ابھری لیکن اس نے آہستہ آہستہ اپنا حجم بڑھانا شروع کر دیا۔ عالیہ اس کے اندر تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیاں دیکھتی رہی۔ گوشت پوست کا وہ لوتھڑا حیرت انگیز طور پر انسانی شکل اختیار کر رہا تھا۔ عالیہ کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ کسی انجانے جذبوں سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ پھر اس وقت اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب اس نے گوشت کے اس لوتھڑے کو تین چار سال کی معصوم اور خوبصورت بچی کی شکل میں اپنے سامنے بیٹھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا نور تھا۔

عالیہ کے دل کی دھڑکن حد سے تجاوز کرنے لگی۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ معصوم بچی جو اس کے سامنے بیٹھی تھی' ہوبہو اس کی ہم شکل تھی۔ دونوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا۔ عالیہ ایک لمحے تک اسے آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی۔ پھر ایک خیال اس کے ذہن میں تیزی سے ابھرا..."جو پراسرار شیطانی

قوتیں اسے گھیرے ہوئے تھیں' شاید وہ اب اس کی اپنی شکل میں کوئی فریب دینا چاہتی تھیں..... سنبل کی موت بھی شاید آنکھوں کا دھوکہ رہا ہوگا....'' عالیہ نے پلکیں جھپکا کر دوبارہ اس معصوم بچی کو گھورا جو بڑی حسرت سے عالیہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری اصلیت کیا ہے.....؟'' عالیہ نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا لیکن دل کی دھڑکنوں پر قابو نہ پا سکی۔ اس کے وجود کے اندر نہ جانے کیوں آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ ایک اضطراب تھا جس نے اسے متضاد کیفیتوں سے دوچار کر رکھا تھا۔ جذبوں کے کچھ طوفان تھے جو اس کے ذہن میں ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔

''میں.....'' بچی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ''میں تمہارے ہی وجود کا ایک ٹکڑا ہوں۔''

''کیا......؟'' عالیہ کے سینے میں ایک نئے جذبے نے سر ابھارا۔ وہ اپنی بات پوری طرح کہہ نہ سکی۔ اس کا ذہن سنسنانے لگا۔

''ہاں....میں وہی امید ہوں جس کا خواب کوئی برسوں سے دیکھ رہا تھا۔''

''میں.....میں تمہاری بات پر کس طرح یقین کر لوں؟'' عالیہ نے وضاحت چاہی۔

''وقت اور حالات کی بھول بھلیوں میں الجھ کر شاید تم اپنا اعتماد کھو چکی ہو۔'' بچی نے معصومیت سے کہا ''لیکن میں تمہارا شمار ان مشرکوں میں نہیں کر سکتی جو مقدس کتاب کے معجزوں پر بھی یقین نہیں رکھتے۔ شاید اس لیے کہ وہ گمراہی کے شکار ہیں ورنہ وہ جس کام کو کہتا ہے کہ ہوجا' وہ ہو جاتا ہے۔''

''تم.....تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو......؟'' عالیہ کی آواز بھرا گئی۔ بچی کے جواب نے اس کے دل میں ممتا کے جذبوں کو ہوا دی تھی۔

''ہاں.....لیکن میں نے کہا تھا کہ مجھے دیکھ کر تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' بچی کی معصوم آنکھوں میں آنسوؤں کے شبنمی قطرے جھلملانے لگے۔

''کیا مطلب.....'' عالیہ بچی کے آنسو دیکھ کر بے چین ہو گئی۔

''میں بس چند لمحوں کی مہمان ہوں۔'' بچی بسورتے ہوئے بولی ''میں حقیقت کا اظہار کرکے تمہارے لئے زندگی کا روگ نہیں بننا چاہتی تھی لیکن مقدر کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔''

''نہیں.....'' عالیہ چیخ اٹھی۔ ''تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی۔''

''موت اور زندگی پر ہمارا نہیں' کسی اور کا اختیار ہے۔ اس کے اشارے اٹل ہوتے ہیں۔'' بچی کے کپکپاتے ہونٹوں کی جنبش جاری رہی ''میری بات غور سے سنو.....میرے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد جو کچھ تمہارے ہاتھ لگے' اسے پورے اعتقاد اور اعتماد سے نگل لینا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

''کیا.....کیا تم اپنی بدنصیب ماں کو اس حالت میں.....''

''میرا وقت پورا ہو چکا ہے.....'' بچی نے عالیہ کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا ''میری بات کا دھیان رکھنا اور.....مجھے بھول مت جانا۔''

عالیہ کے لیے وہ لمحے بڑے صبر آزما تھے۔ وہ بچی کے جواب میں تڑپ کر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی حسرت دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گئی۔ بچی یکلخت اپنا جسم سمیٹتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئی۔ اب اس کی جگہ آنسو کے برابر ایک موتی زمین پر پڑا چمک رہا تھا.....عالیہ پاگلوں کی طرح اپنے سر کے بال نوچنے لگی۔ ممتا کی تڑپ اسے دیوانہ کیے دے رہی تھی مگر اسی وقت بجلی کا اتنا شدید کڑکا ہوا کہ وہ سہم کر رہ گئی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اوپر کی سمت دیکھا۔ اندھے کنویں کے منہ پر کڑکتی بجلی کے ساتھ شعلے بھی لپک رہے تھے۔ شاید شیطانی یا آسیبی قوتوں کو سنبل کی موت کی بھنک مل گئی تھی......عالیہ کی نظروں میں خوف کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر اسے اپنی ہم شکل بچی کا خیال آیا تو اس نے جلدی سے زمین پر پڑے ہوئے موتی کو اٹھا کر تیزی سے نگل لیا.....!!



جب سے عابد حسین کو اس بات کا علم ہوا تھا کہ عالیہ ان کے کیے کی سزا بھگت رہی ہے' ان کے کرب میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ پچیس سال پرانی ایک معمولی سی غلطی ان کی بے قصور بچی کے لیے زندگی کا

روگ بن جائے گی۔

ذیشان کو بحیثیت لقمان پہچان لینے کے بعد انہیں کسی کروٹ چین نہیں آ رہا تھا۔ ان کے ذہن کی تمام گرہیں ایک ایک کرکے کھلتی جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر ذیشان کا ایک آسیب زدہ مکان میں کلینک قائم کرنا' عالیہ کی بیماری میں بذات خود سامنے آکر اس میں دلچسپی لینا' شبانہ بیگم کا خلاف توقع ان کے گھر آکر عالیہ کے چال چلن کے بارے میں زہر اگلنا' پھر ذیشان کا عالیہ کو قبول کر لینا۔ شادی کے بعد ذیشان اور عالیہ کی پراسرار گمشدگی' جمشید کی موجودگی میں ان کے صحن میں ایک بچے کا حیرت انگیز طور پر نظر آنا' پھر غائب ہو جانا۔ یہ سب ایک ہی سلسلے کی بکھری ہوئی کڑیاں تھیں۔ اس کے علاوہ بھی جو کچھ ہوا تھا اور ہو رہا تھا' اس میں بھی لقمان کی آسیبی قوتوں کا دخل شامل تھا۔

اس وقت بھی عابد حسین ہسپتال میں اپنے بستر پر پڑے لقمان کے بارے میں سوچ رہے تھے جس نے سامنے آکر ماضی کے اس واقعہ کو دہرا دیا تھا جسے وہ بھول چکے تھے۔ ایک ماسٹر کی حیثیت سے انہوں نے لقمان کو جو تھپڑ مارا تھا' اس کی سزا جس طرح عالیہ کو بھگتنی پڑ رہی تھی' اس کا تصور تو کبھی بھولے سے عابد حسین نے خواب میں بھی نہیں کیا تھا۔ لقمان کو انہوں نے جو سزا دی تھی' وہ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ اس کے پیچھے کسی عناد یا دشمنی کا کوئی دخل نہیں تھا لیکن لقمان نے اسے اپنی تضحیک سمجھ کر جو بھیانک انتقام لیا تھا' وہ ایک تھپڑ سے کہیں زیادہ اذیت ناک تھا۔ وہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا' شاید اسی لیے درگزر سے کام لینے کے بجائے اس نے انتقام کی آگ کو اپنے سینے میں روشن رکھا اور اب اسی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے عابد حسین کو ریزہ ریزہ کرکے جھلسا رہے تھے۔ اس آگ کی لپیٹ میں صرف عابد حسین ہی نہیں' ان کی بیوی بھی جھلس رہی تھی۔ بیٹی کے غم نے انہیں نفسیاتی مریض بنا دیا تھا۔ ایک ہی ہسپتال میں ہونے کے باوجود عابد حسین کو جمیلہ خاتون کی خیریت اور بیماری کی خبریں اس نرس کے ذریعے ملتی تھیں جسے جمشید اور خاور کی ہمدردی کے سبب سرجن احتشام نے بطور خاص ان کی تیمارداری پر مامور کیا تھا۔ اسی نرس کی زبانی

انہیں اس بات کا بھی علم ہوا تھا کہ خاور نے جمیلہ خاتون کے لیے نفسیات کے ایک ماہر ڈاکٹر کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ نرس نے عابد حسین کو امید دلائی تھی کہ جمیلہ خاتون رفتہ رفتہ صحت مند ہو جائیں گی لیکن بعد میں لقمان نے سامنے آکر اس امید کو بھی اپنے پیروں تلے کچل دیا تھا۔ اس نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ اس کی شیطانی قوتیں جمیلہ خاتون کو کبھی دماغی طور پر صحت مند نہیں ہونے دیں گی۔ اس نے سفاک لہجے میں یہ بھی کہا تھا کہ اس کے انتقام کا سلسلہ جاری رہے گا۔ عابد حسین نے اپنی غلطی تسلیم کرکے اس سے رحم کی التجا کی تھی لیکن وہ سینہ تانے کھڑا حقارت آمیز انداز میں مسکراتا رہا' پھر اچانک نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

عابد حسین کے ذہن میں اس وقت بھی پریشان کن خیالات کروٹیں بدل رہے تھے۔ جب نرس حسب معمول اپنے فرائض انجام دینے کی خاطر قدم بڑھاتی کمرے میں داخل ہوئی۔ عابد حسین کے چہرے کے غمگین تاثرات دیکھ کر وہ چونکی' پھر ان کے قریب جا کر بڑی اپنائیت سے بولی۔

"کیا بات ہے مسٹر عابد۔ آپ اس وقت کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟"

"میری بیوی کی طبیعت اب کیسی ہے؟" عابد حسین نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"پلیز مسٹر عابد......" نرس نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا "آپ کو سکون اور آرام کی سخت ضرورت ہے۔ سرجن احتشام نے بھی آپ کو تاکید کی تھی کہ خوش رہنے کی کوشش کریں۔ زیادہ سوچنا اور پریشان رہنا آپ کی صحت کے لیے......"

"نرس......" عابد حسین نے بات کاٹتے ہوئے اسے بہت غور سے دیکھا "تم ایک دو روز سے میری وائف کے سلسلے میں کسی رازداری سے کام لے رہی ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"کیسی رازداری مسٹر عابد......میں سمجھی نہیں کہ آپ......"

"میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تم کوئی بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔" عابد حسین نے بے چینی سے کہا "خدا کے لیے مجھے سچ سچ بتا دو کہ اس کی

طبیعت کیسی ہے؟"

"ریلیکس مسٹر عابد..... " نرس نے نرم لہجے میں کہا' پھر بولی "آپ ایسا کیوں محسوس کر رہے ہیں کہ میں آپ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہوں.....؟"

"تم میرا ایک کام کر دو نرس- میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا-" عابد حسین نے بڑی عاجزی سے درخواست کی- "مجھے ایک نظر میری بیوی کو دکھا دو....."

"سوری...." نرس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا "آپ کی وائف کو جس کمرے میں رکھا گیا ہے' وہاں ڈاکٹر اور ڈیوٹی نرس کے علاوہ کسی اور کو جانے کی اجازت نہیں ہے-"

"تم دروغ گوئی سے کام لے رہی ہو-" عابد حسین جھلا گئے- "پہلے تم نے کہا تھا کہ ڈاکٹر اس کی طرف سے پرامید ہیں اور اب یہ بتا رہی ہو کہ اس کمرے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے...... حقیقت کیا ہے؟"

نرس کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ خاور اور جمشید ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے- خاور دو روز سے متواتر آرہا تھا لیکن عابد حسین اسے ٹالنے کی خاطر سوتے بن جاتے تھے لیکن آج انہیں اس کا موقع نہیں ملا- جمشید کو خاور کے ساتھ دیکھ کر نرس نے سر کی خفیف جنبش سے وش کیا' پھر وہ بستر کے قریب سے ہٹ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی-

"خدا کا شکر ہے' آپ آج جاگ رہے ہیں-" خاور نے قریب آ کر کہا-

"اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟" جمشید نے دریافت کیا-

"پہلے سے بہتر ہوں....." عابد حسین نے مدھم آواز میں جواب دیا-

"سرجن احتشام کا مشورہ ہے کہ آپ کو فوری طور پر کسی دوسرے ہسپتال میں منتقل کر دیا جائے-" خاور نے عابد حسین سے کہا "یہاں وہ سہولتیں میسر نہیں ہیں جن کی اب آپ کو شدید ضرورت ہے-"

"اس کے باوجود میں یہیں رہنا پسند کروں گا......" عابد حسین نے تھوڑے توقف سے جواب دیا-

"آئی سی...." جمشید نے کہا "آپ غالباً" اپنی وائف کی وجہ سے اس ہسپتال کو ترجیح دے رہے ہیں؟"

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے-" عابد حسین نے دبی زبان میں جواب دیا- پھر کچھ سوچ کر بولے "لیکن میں ایک شرط پر تمہاری بات مان بھی سکتا ہوں....."

"وہ کیا....." جمشید کے بجائے خاور نے پوچھا-

"مجھے ایک نظر دور سے ہی جمیلہ کو دکھا دو....." عابد حسین کی آواز بھرا گئی- آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے-

"تمہاری جمیلہ مر چکی ہے- عابد حسین- تم اب اس سے قیامت کے روز بھی نہیں مل سکو گے-" کمرے میں ایک کھرکھراتی ہوئی آواز صدائے باز گشت بن کر گونجی..... "لیکن میرا انتقام اب بھی پورا نہیں ہوا.....اب تمہاری باری ہے لیکن تم مرو گے نہیں' پاگلوں کی طرح زندہ رہو گے.....اپنے ہاتھوں سے اپنی بوٹیاں نوچو گے- موت کی دعائیں مانگو گے لیکن موت بھی تمہارے قریب آنے سے انکار کر دے گی-"

نرس خوف سے چیختی ہوئی باہر نکل گئی- جمشید اور خاور بھی اس نادیدہ آواز کو سن کر چونکے تھے- وہ چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن کمرے میں ان کے اور عابد حسین کے سوا کوئی چوتھا شخص موجود نہیں تھا-

"نہیں لقمان..... نہیں" عابد حسین دیوانوں کی طرح چیخے- "جمیلہ نہیں مر سکتی....اس نے اور میں نے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسم کھائی تھی.... وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتی..... حرامزادے میرے ساتھ اتنا گھٹیا مذاق مت کر ورنہ میں تیری ہڈیاں تک چبا جاؤں گا..... میرے سامنے آولدالحرام..... میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا-"

"لیکن میں تمہیں زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں..... تیری دیوانگی کا تماشہ دیکھنے کی خاطر.....ہاہا.....ہاہا.....ہاہا" نادیدہ آواز کے قہقہے کی گونج ابھری تو عابد حسین بستر سے اتر کر دروازے کی طرف دوڑے- جمشید نے لپک کر انہیں پکڑ لیا- خاور نے بھی جمشید کی مدد کی.....عابد حسین خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی جدوجہد کرتے ہوئے چیخنے لگے-

"چھوڑ دو مجھے....جانے دو.....میری جمیلہ مجھے آواز دے رہی ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی.....وہ مری نہیں.....زندہ ہے......لقمان بکواس کر رہا تھا.......میں.....میں اس کا خون پی جاؤں گا۔"

"ہوش میں آئیں مسٹر عابد...." جمشید نے سنجیدگی سے کہا "مجھے بتائیں.....یہ لقمان کون ہے؟"

"وہ ......وہ شیطان ہے.....آسیب ہے......کوئی بدروح ہے.....بھوت ہے جو ہم سب کو کچا چبا جائے گا۔" عابد حسین نے جنونی انداز میں کہا۔ پھر سہمے ہوئے انداز میں چھت کی سمت دیکھتے ہوئے بڑی ڈراؤنی آواز میں کہا "تم نے سنا نہیں' اس نے میری جمیلہ کو مار ڈالا ہے.....وہ ہم کو مار ڈالے گا..... بھاگو....."

عابد حسین پاگلوں کی طرح خود کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ کبھی وہ ایک سمت دیکھ کر لقمان کی شان میں مغلظات گالیاں بکنے لگتے.....کبھی دوسری جانب دیکھ کر "بھاگو بھاگو.....وہ آرہا ہے۔" کی رٹ لگانی شروع کر دیتے اور کبھی حلق پھاڑ کر قہقہہ لگانے لگتے۔

"میرا خیال ہے کہ یہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں....." خاور نے ہونٹ چباتے ہوئے جمشید سے کہا۔

چیخ و پکار کی آواز سن کر ہسپتال کے عملے کے افراد بھی جمع ہونے لگے۔ پھر فوری طور پر عابد حسین کو خواب آور انجکشن لگا کر قابو کیا گیا۔ جمشید نے ہسپتال والوں کو خاص طور پر ہدایت کی کہ مریض کو ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہ چھوڑا جائے اور کسی میل نرس کو مریض کی نگہداشت کے لیے تعینات کیا جائے۔ اس لیے کہ سرجن احتشام نے جس نرس کو رکھا تھا' وہ دہشت زدہ ہو کر بھاگ گئی تھی۔ ہسپتال کی دوسری نرسیں بھی سہمی سہمی نظر آرہی تھیں۔ ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں!!

"اب تمہارا کیا خیال ہے؟" خاور نے ہسپتال سے باہر آکر جمشید سے دریافت کیا۔ "کیا عابد حسین اس وقت بھی خود کو پاگل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"نہیں....." جمشید نے پوری سنجیدگی سے کہا "وہ صحیح معنوں میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں....تم نے وہ آواز سنی جس نے عابد حسین کو پاگل ہو کر بوٹیاں نوچنے والی بات کہی تھی؟"

"شاید یہ آواز بھی اسی نادیدہ انسان کی تھی جس نے ہماری موجودگی میں پروفیسر کالیا کا دفتر تباہ و برباد کیا تھا اور ہمیں بھی خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی....." خاور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "آخر وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟"

"وہ عابد حسین سے اپنا انتقام لے رہا ہے۔"

"کس بات کا انتقام.....؟" خاور نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"پہلے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں نے تمہارے پوچھنے پر عابد حسین کی دیوانگی کی تصدیق کیوں کی تھی۔" جمشید نے بے حد سنجیدگی سے کہا' پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "کیا تم نے اس بات پر دھیان نہیں دیا کہ عابد حسین کسی لقمان کو للکار رہے تھے۔"

"ہاں.....لیکن یہ لقمان کون ہے؟" خاور نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"وہ کوئی شیطانی قوت ہے جو تمہارے عابد صاحب سے اپنا انتقام لے رہی ہے۔"

"کس بات کا انتقام؟"

"ایک تھپڑ کا جو ماسٹر عابد حسین نے غالباً پچیس سال پہلے غلط فہمی کی بنا پر اپنے ایک طالب علم کو مارا تھا۔"

"تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا....؟" خاور نے حیرت سے دریافت کیا۔

"میں تمہیں اس کی تفصیل پھر کسی وقت اطمینان سے بتاؤں گا لیکن فی الحال میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ اب شاید ہم اس آسیبی یا شیطانی قوت کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کا نام آج بالآخر عابد حسین کی زبان پر آگیا....."

"میں سمجھا نہیں....." خاور نے کسمسا کر کہا "نام معلوم ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا اب اس کی ماورائی قوتیں اس کے کسی کام نہ آسکیں گی.... اس نے عابد حسین سے کہا تھا کہ اس کا انتقام ابھی پورا نہیں ہوا۔"

"اس کا جواب میں پروفیسر کالیا سے ملنے کے بعد ہی دے سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب....." خاور چونکا "ایک بار چوٹ کھانے کے بعد کیا پروفیسر کالیا دوبارہ کوئی خطرہ مول لینے کو آمادہ ہو جائے گا؟"

"ہو بھی سکتا ہے۔" جمشید نے تھوڑے توقف سے جواب دیا "کسی عامل' پنڈت' پجاری اور تعویز گنڈہ کرنے والوں کے لیے صاحب معاملہ کا اصل نام سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اب یہ بات ہمارے علم میں آچکی ہے کہ ڈاکٹر جمشید کا اصل نام لقمان ہے۔ پروفیسر کے لیے میری یہ معلومات بہت زیادہ اہم بھی ثابت ہو سکتی ہیں....."

تھوڑی دیر تک ان کے درمیان لقمان کے سلسلے میں گفتگو جاری رہی۔ خاور کے بے حد اصرار پر جمشید نے لقمان کو تھپڑ مارے جانے والی بات گول مول کر کے اس طرح بتائی تھی کہ پروفیسر کالیا کا نام درمیان میں نہیں آنے پایا۔ پھر اس نے خاور کو باتوں میں الجھانے کی خاطر موضوع بدل کر پوچھا۔

"کیا تم نے نازش کی تصویروں والا لفافہ آنٹی تک پہنچا دیا......؟"

"ہاں....." خاور نے سرد آہ بھر کر کہا "لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ ممی کا خیال ہے کہ اس قسم کی تصویریں اتروانا آج کل فیشن میں شمار ہوتا ہے..... وہ اب بھی نازش ہی کے گُن گا رہی ہیں۔"

"بہرحال تم نے مجھے جو مہلت دی ہے' اس عہد پر قائم رہنا....." جمشید نے سنجیدگی سے کہا "میں ابھی مایوس نہیں ہوا ہوں۔"

"تم ممی کی طبیعت کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" خاور نے بجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ پھر جمشید سے رخصتی مصافحہ کر کے اپنی کار میں بیٹھ گیا۔



اندھے کنویں کے منہ پر بجلی کی کڑک اور شعلوں کی لپک کا پراسرار کھیل جاری تھا۔ عالیہ نے موتی نگلنے کے بعد خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ممتا کی تڑپ اسے کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اس کی نظریں بار بار سہمے سہمے انداز میں

اوپر کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ سنبل کی راکھ بھی فنا ہو چکی تھی لیکن ابھی زیشان اور اس کی دوسری کنیزوں کا شیطانی ٹولہ باقی تھا جنھوں نے اسے کوٹھی سے نکال کر اندھے کنویں میں ڈال دیا تھا۔

سنبل نے بچی کے نمودار ہونے سے پہلے اسے بتایا تھا کہ اب وہ زیشان کے عتاب سے نہیں بچ سکے گی۔ خوابگاہ میں روشنی رکھنے والی بات نے زیشان کے اشتعال کو ہوا دی تھی۔ اسی روشنی کی وجہ سے کسی دوسری قوت نے اس کی خوابگاہ کی خلوت میں جھانک لیا تھا لیکن وہ طاقت کس کی تھی؟ یہ بات عالیہ کے ذہن میں نہیں آسکی۔ اگر وہ نادیدہ قوت ہدہد کے جسم کے اندر روپوش تھی تو اسے روشنی رکھنے کا مشورہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک معصوم پرندے کے روپ میں وہاں وارد ہوا تھا۔ اپنی آزادی کو قفس کی تیلیوں کے اندر قید ہونے پر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی ہوگی۔ شاید اسی لیے زیشان کو اس کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ پھر جب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ہدہد نے پنجرے کے اندر قلابازی کھا کر شکرے کی شکل اختیار کی اور پلک جھپکتے میں تیلیوں کو توڑتا ہوا فضا میں پرواز کر گیا۔ زیشان شیطانی قوتوں کا مالک تھا۔ وہ دوبارہ اس پرندے کی قوت کو اپنے جال میں نہیں جکڑ سکا لیکن اسے اس بات کا اندازہ ضرور ہو گیا ہوگا کہ جس نے بہت دور بیٹھ کر اس کی خلوت میں جھانکا تھا' وہ کوئی اور ہی تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ عالیہ نے خوابگاہ میں روشنی رکھنے کی فرمائش کیوں کی تھی؟ اس کے بعد عالیہ کی طرف متنفر ہو جانا قدرتی امر تھا۔ سنبل نے زیشان کے سینے کے اندر بھڑکتے شعلوں کی ترجمانی کی تھی لیکن وہ خود اپنے انجام سے بے خبر تھی۔ شاید وہ بھی اس بات سے لاعلم تھی کہ وہ قوت کس کی تھی جس نے دور بیٹھ کر بھی خوابگاہ کی خلوت میں جھانکنے کی کوشش کی تھی یا ممکن ہے اس نے جان بوجھ کر اس کا اظہار نہ کیا ہو۔

بہرحال عالیہ کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کچھ نادیدہ قوتیں اس کی پشت پناہی ضرور کر رہی تھیں جس کی وجہ سے وہ ابھی تک زندہ تھی۔ اس کی نگاہوں میں اس وقت

بھی اس معصوم بچی کی صورت رقص کر رہی تھی جو ہوبہو اس کی ہم شکل تھی۔ اس نے اقرار بھی کیا تھا کہ وہ عالیہ ہی کے وجود کا ایک حصہ تھی۔ ذیشان نے جس امید کی خوشی کا اظہار کیا تھا' وہ بھی یقیناً وہی بچی تھی جس نے کسی غیبی اشارے پر اپنی معصوم جان کی قربانی دے کر سنبل کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا۔

عالیہ کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچی تھی۔ معصوم بچی کا خیال اس کے ذہن کو تڑپا رہا تھا لیکن اس کی نظریں اندھے کنویں کے منہ پر جمی ہوئی تھیں جہاں نادیدہ قوتوں کا ہولناک کھیل جاری تھا۔ پھر اچانک بجلی کی کڑک رفتہ رفتہ مدھم پڑتی گئی اور شعلوں کا رقص طوفانی انداز اختیار کرتا گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جب یکلخت شعلے سرد پڑ کر نظروں سے اوجھل پڑ گئے۔ اس کے بعد عالیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کنویں میں تنہا نہیں ہے۔ کوئی اور بھی موجود ہے......اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر اس نے سہمے سہمے انداز میں نظریں گھما کر دیکھا تو خوف اور دہشت کے مارے چیخ اٹھی۔

وہ انسان اور ریچھ کی ملی جلی ایک بھیانک شکل تھی جو عالیہ سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑی اپنی شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ اس کے پورے جسم پر ریچھ ہی کی طرح بڑے بڑے سیاہ بال تھے۔ اس کا چہرہ انسانوں جیسا تھا لیکن اس پر بھی بال اگے ہوئے تھے۔ اس کی خوفناک آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی نظر آ رہی تھیں۔ ہاتھ اور پیر کے ناخن بری طرح بڑھے ہوئے تھے جن میں میل بھرا ہوا تھا۔ سر کے بال اتنے دراز تھے کہ دونوں شانوں اور پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہونٹ ضرورت سے زیادہ موٹے اور بھدے نظر آ رہے تھے۔ مجموعی طور پر وہ کوئی بن مانس ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ دراز قد اور چوڑے چکلے جسم کا مالک تھا۔ درندگی اس کی آنکھوں سے نمایاں تھی۔

"خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو عالیہ بیگم---" اچانک طاہرہ نامی کنیز کی آواز عالیہ کے کانوں میں گونجی' آقا نے تمہاری تنہائی دور کرنے کی خاطر یہ تحفہ بطور خاص تمہارے لئے بھیجا ہے۔ یہ تمہیں اکیلے پن کا احساس نہیں ہونے دے گا۔ اگر تم نے عقلمندی

سے کام لیا تو یہ تمہارے لئے ایک بہترین رفیق ثابت ہوگا۔

"تم--- تم طاہرہ ہو---؟" عالیہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے اپنے خیال کی تصدیق چاہی۔

"ہاں--- میں طاہرہ ہی ہوں--- تمہاری کنیز---" سنبل کی طرح طاہرہ کی آواز میں بھی مذاق اڑانے کا پہلو نمایاں تھا۔" میرے لئے کوئی حکم---؟

"تم کہاں ہو؟--- مجھے نظر کیوں نہیں آ رہی---؟" عالیہ نے دریافت کیا۔

"کیا تم پسند کرو گی کہ میں کباب میں ہڈی بنوں---؟"

"یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو---؟" عالیہ نے اس بار نفرت سے کہا "اگر ذیشان کو تمہاری کمینگی کا علم ہو گیا تو---"

"تم شاید بوکھلائی ہوئی ہو---" طاہرہ کی آواز ابھری۔ "میں نے ابھی تمہیں بتایا تو تھا کہ تم جسے دیکھ کر خوفزدہ ہو رہی ہو اسے آقا ہی نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے--- کیا تمہیں یہ خوبصورت تحفہ پسند نہیں آیا---؟"

"تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو---" عالیہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ذیشان اتنے بے غیرت کبھی نہیں ہو سکتے---"

غیرت اور شرم و حیا کی باتیں اس کوٹھی تک محدود تھیں جہاں تمہیں ملکہ بنا کر رکھا گیا تھا۔" طاہرہ کی آواز میں شدید نفرت اور حقارت تھی "لیکن تم نے آقا کے ساتھ فریب کر کے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ آقا اور تمہارے درمیان کوئی مقدس رشتہ برقرار ہے---"

"تم کھل کر سامنے آنے سے کیوں کترا رہی ہو---؟" عالیہ نے سرد لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تمہارے آقا نے منع کیا ہے؟"

"تمہارا اندازہ غلط ہے---" طاہرہ کی آواز ابھری "میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں--- جو کچھ سنبل کے ساتھ ہوا وہ محض ایک اتفاق تھا' اب ایسا نہیں ہوگا---"

"کیا تمہیں اس اتفاق سے کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی۔" عالیہ نے دل پر قابو

پاتے ہوئے جواب دیا "سنبل تو ذیشان کی بڑی منہ چڑھی اور چہیتی کنیز تھی——"

"جو کچھ ہوچکا اسے بھول جاؤ—— اب جو ہونے والا ہے اس پر غور کرو' تمہاری غلط فہمی بہت جلدی دور ہوجائے گی۔"

"یہی باتیں سنبل بھی کررہی تھی لیکن اس کا انجام کیا ہوا——؟"

"وہ قوت بھی آقا ہی کے وجود کا ایک حصہ تھی جو تمہارے کام آگئی لیکن وہ فنا ہو چکی ہے—— تمہارا انجام عبرتناک ہوگا تم نے آقا کے ساتھ دغا کرکے اس کے عتاب کو للکارا ہے۔ اب اس کا مزہ بھی چکھو——"

پھر عالیہ نے کئی بار طاہرہ کو مخاطب کیا لیکن دوسری سمت سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ شاید جاچکی تھی یا پھر اس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

عالیہ نے نظر گھما کر اس درندہ نما انسان کو دیکھا جو سینہ تانے کھڑا اسے بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ عالیہ کو جھرجھری آگئی وہ اس دراز قد اور قوی ہیکل بن مانس نما درندے کے مقابلے میں کسی چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر اور کمزور تھی لیکن اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ اپنی جان دیدے گی لیکن اپنی آبرو پر کوئی حرف نہیں آنے دے گی۔ عزت برقرار رکھنے کی خاطر اگر موت کو گلے لگانا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔

بن مانس نما درندہ جس کے وجود سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے بدستور اپنی شعلہ بار نظروں سے عالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی سرخ زبان منہ سے باہر نکال کر اس طرح ہونٹوں پر پھیرنی شروع کردی جیسے قبل از وقت کسی حسین خواب کا ذائقہ چکھنے کی کوشش کررہا ہو۔ زبان ہونٹوں پر پھیرنے کے ساتھ ساتھ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو بھی آہستہ آہستہ ملنا شروع کردیا تھا۔

عالیہ اس کی ناپسندیدہ حرکتوں کو دیکھتی رہی پھر دل کڑا کرکے بولی

"بتا —— تم —— کون ہو——؟"

"تمہارا غلام—— خادم——" اس نے بڑے [illegible] میں جواب دیا' اس کی آواز اس طرح اندھے کنویں میں گونجی تھی جیسے کوئی ذبح ہوتا ہوا جانور حلق سے

خرخراہٹ کی بے ہنگم آواز نکال رہا ہو۔ اپنا جملہ مکمل کرکے وہ دوبارہ اپنی زبان ہونٹوں پر پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شعلہ کا رقص تیز ہونے لگا۔

"اگر تم میرے خادم ہو تو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اپنا منحوس وجود لیکر میری نظروں سے دور چلے جاؤ——" عالیہ اسے حقارت سے گھورتے ہوئے کرخت آواز میں بولی۔

"چلا جاؤں گا لیکن جانے سے پہلے تم میری بھوک مٹا دو——" وہ لمبے لمبے ناخنوں سے اپنا سینہ کھجلاتے ہوئے بولا "میں بہت عرصے سے بھوکا ہوں' جب سے شوالی روٹھ گئی ہے میں فاقے سے ہوں۔"

"شوالی——" عالیہ نے نفرت سے پوچھا "یہ شوالی کون ہے——؟"

"وہ —— وہ بھی تمہاری طرح خوبصورت' حسین اور رس بھرے جسم کی مالک تھی اور میں اسے——"

"دفع ہوجاؤ——" عالیہ چیخ اٹھی "میں تمہارے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی۔"

"بات تمہاری پسند کی نہیں میری مرضی کی ہے——" وہ ڈھٹائی سے بولا "آقا نے ترس کھا کر مجھے تمہارے سلسلے میں آزادی کا پروانہ دیا ہے۔ میں تمہاری ہڈیوں کا جوس پیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ میری بھوک مٹا دو—— اس کے بعد تم کہو گی تو میں تمہارے تلوے بھی چاٹنے پر آمادہ ہوجاؤں گا۔"

"تمہارا آقا کون ہے——؟"

"وہی جس کو دھوکہ دینے کے جرم میں تمہیں اس اندھے کنویں میں قید کیا گیا ہے۔" اس بار بن مانس نما درندے نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا پھر عالیہ کو سرتاپا گھورتا ہوا بولا "اب تمہیں مجھے اور میرے دوسرے ساتھیوں کا دل بہلانا پڑے گا۔"

"تم شاید ذیشان کی بات کررہے ہو——؟" عالیہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا نام مت لو—— اسے صرف آقا کہو—— وہ پراسرار قوتوں کا مالک

aazzamm@yahoo.com

ہے---"

"کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس وقت وہ بے غیرت کہاں چھپا بیٹھا ہے---؟" عالیہ نے بڑی شدت سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ "زبان کو روکو----" بن مانس نما درندے نے خوفزدہ آواز میں کہا "اس کے نام کو ادب سے لو ورنہ اس کا قہر تمہیں فنا کردے گا--- ہوسکتا ہے وہ اس وقت بھی تمہاری باتیں سن رہا ہو---"

"اور شاید اس بات کا انتظار کررہا ہوگا کہ تم اس جسم سے کھیلو جو صرف اس کی امانت رہا ہے۔" عالیہ نے غصے سے لرزتے ہوئے جواب دیا' وہ خوفزدہ ہوئے بغیر بولی "کیا تم اس بات کو کبھی پسند کرسکتے تھے کہ وہ تمہاری شوالی کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا اور تم خوشی کا اظہار کرتے----"

"شوالی بھی پہلے اسی کی تھی پھر آقا نے ترس کھا کر اسے میرے حوالے کردیا۔" وہ اپنی گندی زبان ہونٹوں پر لپلپاتے ہوئے بولا "میں آقا کا پرانا غلام ہوں' اس کی ہر چیز کو انعام سمجھ کر قبول کرلیتا ہوں۔"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے اندر لاوا ابل رہا تھا' اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ اس وحشی کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے فضا میں بکھیر دیتی لیکن اس نے طے کرلیا تھا کہ مرجائے گی لیکن اس درندے کو من مانی نہیں کرنے دے گی۔ وہ اس غلاظت کے انبار کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرے گی۔ اس کی نظریں بدستور خونخوار انداز میں وحشی درندے پر مرکوز تھیں جو اب اس طرح بار بار اپنے جوڑو بند کو ہلا رہا تھا جیسے جسم پر طاری طویل کسلمندی دور کررہا ہو۔ اس کی بھوکی نظریں اس طرح عالیہ کے جسم کا طواف کررہی تھیں جیسے وہ اس کیلئے کوئی خوان نعمت ہو۔ کچھ دیر تک وہ اپنے جسم کے کل پرزوں کو ہلاتا رہا پھر زہرخند سے بولا۔

"پہلی پہلی بار شوالی بھی تمہاری ہی طرح ہواؤں میں اڑ رہی تھی" اس کی خرخراتی ہوئی آواز اندھے کنویں میں گونجی۔ "آقا کی محبت نے اسے بہت مغرور بنا دیا تھا' تمہاری طرح وہ بھی مجھے نفرت اور حقارت سے گھورتی تھی۔ اس نے بھی

تمہارے ہی انداز میں میری بھوک مٹانے کے بجائے موت کو گلے لگانے والی بات سوچی تھی لیکن وہ مجھے من مانی کرنے سے نہیں روک سکی--- کسی چڑیا کی طرح پھڑپھڑاتی رہی--- اس کے بعد وہ مرا دم بھرنے لگی تھی--- تم بھی مرنے کا خیال دل سے نکال دو' آقا کی مرضی ہمیشہ پوری ہو کر رہتی ہے---- ایک بار مجھے بھی آزما کر دیکھ لو پھر شوالی کی طرح تم بھی مجھ سے نفرت کرنا چھوڑ دو گی---"

عالیہ کے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہوگئیں جو کچھ اس نے دل میں سوچا تھا بن مانس نما درندہ ان ہی باتوں کو دہرا رہا تھا۔ شاید ذیشان کی طرح وہ بھی دل کی گہرائیوں اور ذہن کے اندر جھانکنے کی قوت رکھتا تھا۔

"آؤ---" وحشی نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں آگے کی جانب پھیلاتے ہوئے بڑے پیار سے کہا "ہنستی مسکراتی میرے بازوؤں میں سمٹ جاؤ' اس کے علاوہ تمہارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے---"

"نہیں---" عالیہ دل کڑا کرکے بولی" تم میرے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے' مجھ سے دور ہی رہو ورنہ-----"

"ورنہ مجھے تمہیں بھی شوالی ہی کی طرح اپنے بازوؤں میں دبوچ کر تمہارا سارا غرور خاک میں ملانا ہوگا" اس نے عالیہ کے جملے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اگر تم ، ینگا مشتی پسند کرتی ہو تو میں اس کیلئے بھی تیار ہوں"

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی اس نے جھومتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کردیا تھا' عالیہ سہم کر سیلی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ وہ محسوس کررہی تھی کہ اس کی حقیقت بن مانس نما درندے کے سامنے کسی چڑیا سے بھی زیادہ کمزور تھی۔

"میں کہتی ہوں اپنے منحوس قدموں کو روک لو ورنہ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کرلوں گی" عالیہ نے ایک آخری کوشش کی "تم میری روح کو نہیں صرف مردہ جسم کو قید کرسکتے ہو---"

جواب میں وحشی درندہ رک گیا پھر اس نے فلک شگاف انداز میں قہقہہ لگایا تو عالیہ کو اندھے کنویں میں زلزلے کی سی کیفیت محسوس ہوئی پھر اسے یوں محسوس ہوا

aazzamm@yahoo.com

جیسے اس کا پورا وجود شل ہو کر رہ گیا ہو۔ جیسے اس کے جسم کی ساری قوت سلب کر لی گئی ہو۔ اس نے خود کو ہلانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اپنی جگہ سے ایک ذرہ جنبش بھی نہ کر سکی۔ وحشی کے قہقہوں میں کوئی سحر تھا جس نے اس کی تمام طاقت نچوڑ لی تھی۔

"اب تم دیوار سے سر ٹکرانے کا ارمان بھی پورا کرنے سے قاصر ہو----" وہ قہقہہ لگاتے لگاتے بڑے سرد اور سفاک آواز میں بولا "آقا کی مرضی ہر حال میں پوری ہوگی--- تمہارا غرور چند لمحوں کا مہمان رہ گیا ہے' اس کے بعد تم میرے لئے شوالی بن جاؤ گی--- لذت انگیز شوالی---"

عالیہ بے بسی کے عالم میں منجمد کھڑی اس درندہ نما انسان کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اسے اپنی معصوم بچی یاد آئی جس نے سنبل کی زبان ہمیشہ کیلئے بند کرنے کی خاطر اسے جلا کر راکھ کر دیا تھا لیکن پھر وہ بھی قدرت کے اشارے پر فنا ہو چکی تھی---- عالیہ کو وہ موتی یاد آیا جسے اپنی بچی کے کہنے پر اس نے نگل لیا تھا۔

"اب کچھ مت سوچو----" وحشی نے خرخراتے ہوئے کہا "وقت اب میرے اختیار میں ہے' تم اگر خوشی خوشی میری بات مان لیتیں تو شاید میں آقا کے سامنے گڑگڑا کر تمہیں صرف اپنے لئے مانگ لیتا لیکن اب یہ ممکن نہیں ہے' اب تمہیں میرے بعد آقا کے دوسرے غلاموں کا دل بھی بہلانا پڑے گا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم ہم جیسا ایک اور غلام جنم نہیں دو گی--- پھر شاید آقا تمہیں بھی شوالی کی طرح چھٹی دے دیگا' تمہاری جگہ کوئی اور لے لے گی"

وحشی درندے کے جملے پگھلے ہوئے سیسے کی مانند عالیہ کے کانوں میں اتر رہے تھے' وہ موت کی دعا مانگنے لگی--- پھر اچانک اس نے طاہرہ کو اپنے اور اس وحشی کے درمیان نمودار ہوتے دیکھا۔ وحشی طاہرہ کو دیکھ کر رک گیا لیکن اس کی آنکھوں میں بھڑکتے ہوئے شعلے تیز ہو گئے' اس کے انداز سے وحشت اور درندگی ٹپکنے لگی۔

"تم----" اس نے خوفناک انداز میں خرخراتے ہوئے طاہرہ کو مخاطب کیا "تم

اس وقت کیا لینے آئی ہو"

"میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ میری زندگی میں اب یہ شوالی اور غلاموں کا کھیل جاری نہیں رہ سکے گا" طاہرہ نے بڑے اعتماد سے کہا اس کی آواز میں بادلوں کی گھن گرج تھی۔ "تم اگر زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے دفع ہو جاؤ----"

"چیونٹی کے پر نکل آئے ہیں----" وحشی نے طاہرہ کو گھورتے ہوئے حقارت سے کہا "آقا کا خیال نہ ہوتا تو تجھے بھی مسل کر رکھ دیتا"

"تم چاہو تو اپنے آقا کو بھی اپنی مدد کیلئے بلا لو لیکن عالیہ کے سلسلے میں تم کامیاب نہیں ہو سکو گے---" طاہرہ نے بڑے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ اس کے تیور حیرت انگیز طور پر بدلے ہوئے تھے۔

"عالیہ کو اپنی قوت سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ طاہرہ جو ذیشان کی ایک ادنیٰ کنیز تھی اچانک اس انداز میں پینترا بدل کر سامنے آئے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عالیہ کے ذہن میں وہ جملے صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگے جو وحشی کے نمودار ہونے سے پہلے عالیہ کی آواز نے اس سے کہے تھے۔

"تو--- آقا سے بغاوت کرے گی---؟" وحشی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا "کیا میں یہی سمجھوں کہ زندگی سے تیرا دل اچاٹ ہو گیا ہے---؟"

"تیرا جو دل چاہے سمجھ' لیکن یہاں سے دفعان ہو جا اسی میں تیری بہتری ہے---" طاہرہ نے اس بار بپھرے ہوئے لہجے میں کہا ایک بار پھر سوچ لے" وحشی نے غصے میں اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے جواب دیا" تو جانتی ہے کہ آقا غداروں اور باغیوں کو کتنی عبرتناک سزا دیتا ہے۔ ابھی وقت ہے زمین پر ماتھا ٹیک کر آقا سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ لے۔"

"کس آقا کی بات کر رہا ہے---؟" طاہرہ نے نفرت سے کہا "جو خود باغی ہے--- جس نے اپنے پیدا کرنے والے سے غداری کی' اس کی حکم عدولی کی--- وہ خود زیر عتاب ہے' دوسروں کو کیا سزا دے گا۔"

عالیہ چونکی' طاہرہ کے جملے اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ وہ اس وقت کسی

ایسی لازوال طاقت کے زیر اثر ہے جس کے سامنے ہر قوت ہیچ ہے' شاید قدرت اس پر مہربان ہوگئی تھی یا پھر عالیہ کی مانگی ہوئی موت کی دعا رنگ لارہی تھی۔ وہ دیوار سے لگی کھڑی سہمی سہمی نظروں سے وحشی درندے کو دیکھ رہی تھی جو طاہرہ کا جواب سن کر غصے سے پاگل ہوا جارہا تھا۔ اس کے حلق سے ایسی خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بے شمار درندے آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ وہ دیوانوں کی طرح سینہ کوبی کررہا تھا۔ اس انداز میں اچھل کود رہا تھا جیسے اس کے جسم سے زہریلے بچھو لپٹ گئے ہوں۔ اس کی نگاہیں طاہرہ پر جمی تھیں۔ ان نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ کچھ لمحے وہ اسی جنونی کیفیت سے دوچار رہا پھر یکلخت اس نے اچھل کود بند کردی اور ناک سے اس طرح شوں--- شوں--- شوں کی آوازیں نکالنے لگا جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔

"اپنا ناٹک بند کر آقا کے پالتو کتے۔" طاہرہ نے بدستور سرد اور سفاک لہجے میں کہا "تو جس کی بو سونگھنے کی کوشش کررہا ہے وہ خود ایک شکرے سے اپنی جان بچاتا پھر رہا ہے۔"

بن مانس نما وحشی درندے نے کوئی جواب نہیں دیا' اس کی آنکھیں انگارے اگلنے لگیں' عالیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' اسے یقین تھا کہ طاہرہ کچھ دیر کی مہمان ہے' انگاروں کی بارش اسے جلا کر راکھ کردے گی لیکن پھر کچھ ہوا' اسے دیکھ کر عالیہ کے علاوہ خود وحشی درندہ بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ دہکتے ہوئے انگارے طاہرہ کے جسم سے ٹکراتے پھر سانپ بن کر زمین پر رینگنے لگتے۔ طاہرہ اپنی جگہ کسی آہنی چٹان کی طرح جمی کھڑی رہی' زہریلے سانپوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا پھر وہ سانپ وحشی درندے کے جسم سے لپٹ گئے اور مشینی انداز میں پھن اٹھا اٹھا کر اسے ڈسنے لگے۔ وحشی بن مانس کرب سے بلبلانے لگا۔ اپنے بچاؤ کی خاطر اس نے کئی داؤ پیچ کئے لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ چکرا کر زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ سانپوں کا زہر تیزی سے اپنا کام کر رہا تھا' چند لمحے وہ زمین پر کروٹیں بدلتا رہا ہاتھ پاؤں مارتا رہا پھر اس کا جسم ساکت ہوگیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھوں کے ڈھیلے منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کے منہ سے نیلا نیلا جھاگ ابل رہا تھا پھر اس کے جسم پر بڑے بڑے آبلے نمودار ہونا

شروع ہوگئے۔ سانپوں کے ڈسنے کا عمل جاری رہا۔

عالیہ پھٹی پھٹی نظروں سے اس ناقابل یقین منظر کو دیکھتی رہی' وہ بن مانس نما وحشی کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اسے کسی دوسری بات کا احساس نہیں رہا۔ پھروہ اس وقت چونکی جب کسی نے طاہرہ کو بڑی گرجدار آواز میں مخاطب کیا تھا۔ "کتیا کی پلی--- تو نے مجھ سے غداری کی جرات کس طرح کی---؟"

عالیہ نے نظروں کا زاویہ بدلا تو ذیشان ایک طرف کھڑا طاہرہ کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ طاہرہ جو کچھ دیر پہلے بن مانس نما وحشی سے بڑی دبنگ آواز میں گفتگو کررہی تھی اب ذیشان کے سامنے کسی مجرم کی طرح ہاتھ باندھے کھڑی لرز رہی تھی۔ اس کے اندر رونما ہونے والی تبدیلی بھی حیرت انگیز تھی۔

"جواب دے ولدالحرام---" ذیشان دوبارہ گرجا "تونے میرے غلام پر اپنی طاقت کا استعمال کس سے پوچھ کر کیا" "مم--- میں کچھ نہیں جانتی---" طاہرہ خوفزدہ لہجے میں بولی "میں تمہارے حکم پر یہاں آئی تھی--- اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میرے لئے بھی حیران کن ہے---"

"تو میرے کہنے پر یہاں آئی تھی---؟" ذیشان نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں آقا---" طاہرہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا "تم جانتے ہو کہ کنیز نے کبھی تم سے جھوٹ نہیں بولا' تم پراسرار ماورائی قوتوں کے مالک ہو' دلوں کے اندر جھانک کر بھید معلوم کرسکتے ہو--- کیا میں تمہیں بے گناہ نظر نہیں آتی---؟"

ذیشان نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہوں میں بدروحوں کا رقص شروع ہوگیا۔ ایک لمحہ وہ طاہرہ کو تیز نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے نظریں گھما کر عالیہ کو دیکھا تو اس کی نگاہوں میں الجھن کے آثار پیدا ہونے لگے' وہ اچانک کسی ذہنی کشمکش کا شکار نظر آنے لگا۔

"ذیشان---" عالیہ نے دبی زبان میں کہا "کیا" میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم مجھے کس جرم کی پاداش میں سزا دے رہے ہو---؟"

جواب میں ذیشان نے کچھ نہیں کہا اس نے نظریں گھما کر طاہرہ کو دیکھا جو تھرتھر

کانپ رہی تھی۔ اس بن مانس نما وحشی کو دیکھا جس کا پورا وجود بڑے بڑے آبلوں کی شکل میں بڑا خوفناک اور بھیانک نظر آرہا تھا۔ زمین پر رینگتے ہوئے سانپ بدستور اس کے مردہ جسم سے جونکوں کی طرح چمٹے ہوئے تھے۔ ذیشان باری باری انہیں دیکھتا رہا پھراس نے نہ جانے کیا عمل کیا کہ سب کچھ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اندھے کنویں میں اب ذیشان اور عالیہ کے سوا کوئی تیسری شخصیت موجود نہیں تھی۔ ذیشان اسے پوری توجہ سے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کئی رنگ ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہورہے تھے--- اور --- عالیہ کو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ اپنے وزن کو زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر نہیں سہار سکے گی۔



شبانہ بیگم کو دولت کی ریل پیل نے مغرور ضرور بنا دیا تھا۔ وہ آزاد خیال بھی تھی اور دوسروں پر حکم چلانا اپنا حق بھی سمجھتی تھیں۔ غریب اور امیر کا درمیانی فاصلہ برقرار رکھنا ان کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ اسی لئے انہوں نے عالیہ اور اس کے گھر والوں کو نفرت سے ٹھکرا دیا تھا۔ انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیاں ضرور عزیز تھیں لیکن اس کی خاطر وہ کسی کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہیں تھیں اور خاص طور پر کسی ایسے کے سامنے جو ان کے برابر کا نہ ہو۔ وہ جس ماحول کی پروردہ تھیں اس نے انہیں بہت زیادہ مغرور بنا دیا تھا۔ مردوں کی طرح وہ بھی کھلی ہوا میں سانس لینے اور بغیر کسی روک ٹوک کے آزادی سے گھومنے پھرنے کی عادی تھیں لیکن ان کے دامن پر نہ تو کوئی داغ تھا نہ کسی نے کبھی ان کے کردار پر انگلی اٹھانے کی جرات کی تھی۔ لباس کی تراش خراش میں بھی وہ بدلتے فیشن کے تقاضوں کا خیال رکھنا وقت کی ضرورت سمجھتی تھیں لیکن عریانیت اور بے حیائی سے انہوں نے ہمیشہ گریز کیا تھا۔ ان کے ملنے جلنے والوں میں عورتوں کے علاوہ مردوں کی فہرست بھی خاصی طویل تھی۔ وہ ہر شخص سے موقع محل دیکھ کر بات کرنے کی عادی تھیں۔ لیکن کبھی اس حد سے نہ خود تجاوز کیا تھا نہ دوسروں کو اس حد تک آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا کہ بات بدنامی اور رسوائی کی حد تک آگے بڑھ سکے۔

عالیہ کے مقابلے میں نازش انہیں بہت زیادہ پسند تھی۔ عالیہ کا کانٹا درمیان سے نکل جانے کے بعد شبانہ بیگم نے ہر قیمت پر نازش کو بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دولت اور شہرت میں نہ بیگم کی کمزوری تھی اور نازش کو یہ دونوں چیزیں حاصل تھیں۔ باپ کے مرنے کے بعد نازش تمام سیاہ و سفید کی بلا

شرکت غیرے تنہا وارث تھی۔ اس کے علاوہ خوبصورت اور حسین بھی تھی۔

شبانہ بیگم نے خاور اور عالیہ کی محبت کو سوڈے کی بوتل کے وقتی ابال سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر نازش اور خاور ایک ہوگئے تو نازش کی خوبصورتی اور اس کی بے پناہ دولت اور دنیا جہان کی آسائشیں بہت جلد خاور کے دل کو موہ لیں گی۔ وہ حرف غلط کی طرح عالیہ کو اپنی زندگی کی لعنت سے کھرچ کر نکال پھینکے گا۔ اسی خیال کے پیش نظر انہوں نے نازش کی بیوہ چچی سے دبی زبان میں خاور اور نازش کی شادی کی بات بھی کر رکھی تھی لیکن جب سے خاور نے انہیں نازش کی تصویروں کا سیٹ دیا تھا ان کے دل و دماغ میں اتھل پتھل شروع ہوگئی تھی' وقتی طور پر اپنی بات اونچی رکھنے کی خاطر انہوں نے خاور کے علاوہ اپنے شوہر کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ اس قسم کی تصویریں جدید فیشن کے عین مطابق ہیں جس میں عیب کی کوئی بات نہیں لیکن ذاتی طور پر وہ خود کو اس جواب سے مطمئن نہیں کرسکی تھیں۔ وہ تصویریں بلاشبہ عریاں تھیں جس میں جسم کی بیجا نمائش کا پہلو صاف نظر آرہا تھا۔ مختلف نوجوانوں کے ساتھ قابل اعتراض انداز میں تصویریں دیکھ کر شبانہ بیگم کے ذہن میں بھی مختلف شکوک نے سر ابھارا تھا لیکن اس کے باوجود وہ بیٹے اور شوہر کے سامنے اس کا اعتراف کرکے اپنی سبکی نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں۔

کئی روز تک وہ نازش کی ان تصویروں کے بارے میں غور کرتی رہیں۔ پھر ان کے دل نے یہی مشورہ دیا کہ نازش اور خاور کی شادی جتنی جلد ہوجائے اتنا ہی اچھا ہے۔ تصویروں کے سلسلے میں انہوں نے مزید سوچ کر دل کو تسلی دے لی تھی کہ نازش کے سر پر چونکہ والدین کا سایہ نہیں تھا اس لئے اسے برے اور بھلے کی تمیز نہیں تھی۔ شادی کے بعد وہ سنبھل جائے گی۔ چنانچہ وہ بات پکی کرنے کے ارادے سے ایک روز شوہر کے دفتر جاتے ہی نازش کے گھر جا پہنچی۔ نازش کی بیوہ چچی نے حسب معمول کھلی بانہوں سے شبانہ بیگم کا استقبال کیا۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر شبانہ بیگم نے رشتے کی بات چھیڑتے ہوئے کہا "میں آج خاور اور نازش کی بات پکی کرنے کے ارادے سے آئی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے مایوس

نہیں کریں گی۔"

"اگر ایسا ہوجائے تو مجھے بھی بے حد خوشی ہوگی لیکن--- وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"لیکن کیا---؟ شبانہ بیگم نے تیزی سے پہلو بدل کر وضاحت چاہی۔

"میں نے ایک دوبار نازش سے خاور کا ذکر کیا تھا۔ مگر اس نے ابھی تک کھل کر کوئی جواب نہیں دیا۔ نازش کی بیوہ چچی نے صوفے پر کسمساتے ہوئے دبی زبان میں جواب دیا--- "ممکن ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ابھی شادی کے بندھنوں میں بندھنے کیلئے پوری طرح آمادہ نہیں ہے۔"

"اس نے انکار تو نہیں کیا---؟ شبانہ بیگم نے خود کو سنبھالتے ہوئے دریافت کیا۔

"جی نہیں--- ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کوئی نہ کوئی جواب تو دیا ہوگا--- "شبانہ بیگم نے مزید کرید کی۔

"یہی تو مشکل ہے کہ وہ شادی کی بات سن کر کوئی جواب نہیں دیتی۔ بس مسکرا کر بات ٹال جاتی ہے۔"

"آپ نے کبھی زور دینے کی کوشش کی---؟" شبانہ بیگم نے پوچھا۔

"جی نہیں---" نازش کی چچی نے بڑی صاف گوئی سے کہا "میں اس کے معاملات میں زیادہ ٹانگ پھنسانے کی کوشش نہیں کرتی۔ دراصل کرنل نوازش کے انتقال سے پہلے وہ اتنی زیادہ خود سر نہیں تھی جتنی اب ہوگئی ہے۔ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔ میں اس پر زور چلانے کی کوشش اس لئے نہیں کرتی کہ وہ جوان لڑکی ہے' سیاہ و سفید کی مالک ہے۔ اگر اس نے پلٹ کر کبھی سخت جواب دے دیا تو میرے پاس سر چھپانے کا کوئی دوسرا ٹھکانا بھی نہیں ہو گا۔"

"کیا نازش نے آپ سے کبھی کوئی گستاخی کرنے کی کوشش کی ہے---؟" شبانہ بیگم نے دوبارہ پہلو بدل کر دریافت کیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک تو اس کی نوبت نہیں آئی۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ میں

نے کبھی اسے اس کا موقع ہی فراہم نہیں کیا۔ صرف اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔ اس کے معاملات میں زیادہ دخل انداز نہیں ہوتی۔

"نازش اس وقت کہاں ہے---؟" شبانہ بیگم نے دریافت کیا۔

"اپنی خوابگاہ میں ہوگی---"

"کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں خاور کے رشتے کی بات براہ راست نازش سے کروں؟" شبانہ بیگم نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ بھی مناسب نہیں ہوگا۔ البتہ ایک طریقہ ممکن ہے" نازش کی چچی نے کچھ غور و فکر کے بعد کہا "میں اس کو بلواتی ہوں' خاور کا ذکر دوبارہ چھیڑتی ہوں اس کے بعد آپ مجھ سے کھل کر رشتے کی بات کیجئے گا۔ اگر نازش آمادہ ہوگی تو خاموش ہی رہے گی ورنہ جو کچھ اس کے دل میں ہوگا اس کا تھوڑا بہت اندازہ تو ہم دونوں ہی کو ہوجائے گا۔"

"میں آپ کے اس مشورے سے اتفاق کرتی ہوں---" شبانہ بیگم نے تیزی سے جواب دیا لیکن انہیں یہ بات بہرحال معیوب لگ رہی تھی کہ ہونے والی بہو کی موجودگی میں شادی کی بات کی جائے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

نازش کی چچی نے ایک ملازمہ کو بلا کر نازش کو ڈرائنگ روم میں بھیجنے کی تاکید کی اور دبی زبان میں یہ بھی کہا کہ اسے شبانہ بیگم کی آمد کی اطلاع بھی کردی جائے۔

ملازمہ کے جانے کے بعد وہ دونوں پھر رشتے کی بات کے موضوع پر گفتگو کرنے لگیں۔

نازش کوئی چالیس پینتالیس منٹ بعد مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ شبانہ بیگم نے اس کے سراپا پر نظر ڈالی تو کھسا کر رہ گئیں۔ نازش اس وقت جینز اور بیگی ٹی شرٹ میں ملبوس تھی۔ سر کے بال دونوں شانوں پر بکھرے نظر آرہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر اس نے شبانہ بیگم کو روایتی انداز میں ہاتھ اٹھا کر سلام کیا پھر چچی کے برابر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو نازش---؟" شبانہ بیگم نے سلام کے جواب میں دعائیں دیتے ہوئے کہا "ایسی بھی کیا مصروفیت کہ تم کبھی بھولے سے فون بھی نہیں کرتیں---"

نازش جواب میں مسکرا کر رہ گئی۔

نازش کے ڈرائنگ روم میں آنے کے کچھ دیر بعد ہی ملازمہ ناشتے کی ٹرالی لے آئی۔ نازش کی چچی نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر سب کو پیش کی پھر کچھ دیر بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے نازش سے مخاطب ہوئیں۔

"آج شبانہ بہن مجھ سے تمہارے سلسلے میں بات کرنے آئی ہیں---"

"وہ کیا---؟" نازش نے بڑی سادگی سے معلوم کیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ شبانہ بہن نے تمہیں اپنے اکلوتے بیٹے خاور کیلئے پسند کیا ہے۔"

نازش نے شرمانے کی مطلق کوشش نہیں کی ایک نظر شبانہ بیگم پر ڈالی پھر نظریں جھکالیں۔

"میری خواہش ہے کہ یہ بات آج پکی ہوجائے" شبانہ بیگم نے نازش کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے اس کی چچی سے کہا "شادی کی اگر کوئی تاریخ بھی طے کرلی جائے تو میری خوشی دو چند ہو جائے گی"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ نازش ہاں کر دے---" نازش کی چچی نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کے سامنے بھلا نازش کو کیا اعتراض ہوگا" شبانہ بیگم نے بڑے لاڈ سے کہا پھر نازش کی سمت دیکھ کر بولیں "میں نازش کو ہمیشہ بیٹیوں کی طرح رکھوں گی جو کچھ میرا ہے وہ میرے بعد اسی کا ہوگا۔ ہمارے گھر پر اسی کا راج ہوگا"

"شریف گھرانوں میں یہی ہوتا ہے کہ بہو کو بیٹیوں ہی کی طرح پیار دیا جاتا ہے---" نازش کی چچی نے جواب دیا۔

"خدا نے چاہا تو آپ کی بچی کو کسی کمی کا احساس نہیں ہوگا" شبانہ بیگم نے یقین دلایا پھر مسکرا کر بولیں "آپ چاہیں تو باقاعدہ سٹامپ پیپر پر دستخط کرالیں"

"آپ شرمندہ کررہی ہیں' نازش کی چچی نے کہا "شریفوں کی زبان سٹامپ پیپر سے زیادہ مستند اور قابل بھروسہ ہوتی ہے"

"پھر کیا میں یہ سمجھوں کہ رشتہ پکا ہوگیا؟" شبانہ بیگم نے ایک بار پھر نازش کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ارمانوں سے پوچھا "تمہارا کیا جواب ہے نازش" چچی نے بھتیجی کی سمت دیکھ کر بزرگانہ انداز میں کہا "کیا میں تمہاری خاموشی کو نیم رضامندی سمجھ کر شبانہ بہن سے ہاں کردوں۔۔۔۔"

"سوری آنٹی۔۔۔۔" نازش نے نظریں اٹھا کر اپنی چچی سے بے حد سنجیدگی سے کہا" آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی عادی ہوں' دوسروں کے فیصلے پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنا میری فطرت کے خلاف ہے۔"

"اسی لئے تو میں تمہاری مرضی معلوم کررہی ہوں" چچی نے سنبھل کر کہا "میں تمہارے اوپر کوئی فیصلہ مسلط نہیں کررہی ہوں جس طرح تم کہو گی اسی طرح ہوگا۔"

"میں نے اپنی شادی کے سلسلے میں ابھی تک کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا۔ "نازش نے صوفے سے اٹھتے ہوئے بڑی بے باکی سے کہا۔۔۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "اور اگر میں نے کبھی سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کیا تو میری فرسٹ چوائس کوئی اور ہوگا۔۔۔۔ خاور نہیں۔۔۔۔" پھر اپنی بات مکمل کرکے وہ تیزی سے پلٹی اور شبانہ بیگم کی طرف دیکھے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر نکلتی چلی گئی۔

شبانہ بیگم کے سارے ارمان دل کے دل ہی میں گھٹ کر رہ گئے۔ انہیں خاور کے سلسلے میں نازش کا جواب سن کر ایسا ہی لگا تھا جیسے بھرے بازار میں کسی نے ان کے سر سے دوپٹہ کھینچ لیا ہو۔ نازش کے ایک ہی جملے نے ان کا سارا غرور و تکبر خاک میں ملا دیا تھا۔



پروفیسر کالیا اس وقت بھی اپنے اسی دفتر میں ملا جسے ڈاکٹر ذیشان کی پراسرار قوتوں نے کباڑ خانے میں تبدیل کردیا تھا لیکن اس نے جمشید کی طرف کوئی توجہ نہیں دی یہ بھی ممکن تھا کہ اسے جمشید کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی ہو اس لئے کہ وہ خاصی دیر سے پلکیں جھپکائے بغیر میجک بال پر نظریں جمائے بیٹھا اپنے خیالات میں پوری طرح مستغرق تھا۔ جمشید کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو اسے شاید پروفیسر تک پہنچنے میں مایوسی ہی ہوتی۔ پروفیسر کالیا نے اپنے دفتر کی تباہی کے بعد عام لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ بند کردیا تھا۔ صرف جمشید کو یہ خصوصی رعایت حاصل تھی۔ شاید اسی لئے ملازم اسے کباڑ خانے نما دفتر کے دروازے تک چھوڑ کر دبے قدموں واپس چلا گیا تھا۔ پروفیسر نے اسے بھی سخت ہدایت کر رکھی تھی کہ جب تک کہ وہ خود سے یاد نہ کرے وہ بھی اس دفتر کے آس پاس پھٹکنے کی جرات نہ کرے۔

جمشید نے دفتر میں داخل ہوکر بیرونی دروازے کو آہستہ سے بھیڑ دیا۔ کمرے میں اس وقت ہلکے نیلے رنگ کا بلب روشن تھا جس کی مدھم روشنی میں فرش پر بکھری ہوئی انسان اور جانوروں کی سال خوردہ کھوپڑیاں بڑی ہولناک دکھائی دے رہی تھیں۔ پروفیسر اپنی آرام کرسی پر جھکا بیٹھا اس طرح میجک بال کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا جیسے اگر اس کی پلک جھپک گئی تو وہ کسی خاص منظر کو دیکھنے سے محروم رہ جائے گا۔ اس کے سر پر اس وقت بھی پٹیاں بندھی نظر آرہی تھیں۔ غالباً" اس کے زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے۔

جمشید خاصی دیر تک خاموش کھڑا پروفیسر کی محویت کو دیکھتا رہا پھر پنجوں کے بل آگے بڑھ کر ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے پروفیسر کالیا کے انہماک میں دخل

دینا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اس کی نظریں پروفیسر کے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھیں جو کسی بت کی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد بیٹھا پوری توجہ سے میجک بال کو گھور رہا تھا۔ پھر اچانک جمشید نے پروفیسر کے جسم میں ہونے والی حرکت کو محسوس کیا۔ اس نے اپنے سیدھے ہاتھ کو تیزی سے آگے بڑھا کر میجک بال کے اوپر نیم دائرے کی صورت میں حرکت دینا شروع کردیا تھا۔ ہاتھ کے ساتھ ہی اس کے ہونٹ بھی متحرک ہوگئے۔ پروفیسر جو عمل پڑھ رہا تھا اس کے بول جمشید کی سمجھ میں نہ آسکے۔ پروفیسر کی آواز بھی بڑی مدھم تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بیشار مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ میجک بال سے پھوٹنے والی دودھیاں روشنی اب پروفیسر کے چہرے پر کپکپاتی نظر آرہی تھی جو پوری طرح سے اپنے عمل میں مستغرق تھا۔ پھر اچانک پروفیسر کے ہونٹ ساکت ہوگئے۔ جمشید نے اس کے چہرے پر ابھرنے والی طمانیت کو خاص طور پر محسوس کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اچانک ابھرنے والی چمک بھی اس بات کی غمازی کررہی تھی کہ پروفیسر اس وقت جس عمل میں مصروف تھا اس میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی تھی۔

پروفیسر نے اپنے سیدھے ہاتھ کو میجک بال پر حرکت دینا بند کردیا تھا لیکن اس کی نظریں اب بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ میجک بال کی دودھیا روشنی کی کپکپاہٹ بڑھتی جارہی تھی پھر اچانک کمرے کے پراسرار ماحول میں ایک معصوم بچی کی آواز سنائی دی۔

"پروفیسر--- اپنے ارادے سے باز آجاؤ' تم جو خواب دیکھ رہے ہو وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔"

"تم--- تم ----" پروفیسر نے قہقہہ لگاتے ہوئے یکلخت بڑی سنجیدگی سے کہا "تم شاید اب پروفیسر کالیا کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکنے کی کوشش کررہے ہو لیکن میں نے بھی لوہے کے چنے چبائے ہیں۔ جو حصار میں نے اپنے گرد قائم کر رکھا ہے اسے تم اور تمہارا شیطانی ٹولا مل کر بھی توڑ نہیں سکتا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہارا قصہ پاک نہیں کرلوں گا اس حصار سے باہر نہیں نکلوں گا---- تم نے

میری قوت کو انڈراسٹیمیٹ (UNDERESTIMATE) کرکے بڑی غلطی کردی۔"

"میں تمہاری ساحرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مسٹر ذیشان "پروفیسر نے زہرخند سے جواب دیا لیکن کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کروگے کہ میرے عمل سے چھٹکارا پانے کی خاطر تمہیں ایک معصوم بچی کا روپ اختیار کرنا پڑا---"

"تمہارا اندازہ غلط ہے پروفیسر--- میں ذیشان نہیں ہوں' بچی کی آواز نے کہا پھر تھوڑے توقف سے بولی "شاید تمہاری نظریں اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں جس کی تمہیں تلاش تھی لیکن میں جان بوجھ کر تمہارا راستہ کاٹ کر درمیان میں آگئی۔"

"اس غرور اور تکبر کو دماغ سے نکال دو پروفیسر---" بچی کی آواز ابھری "کچھ قوتیں ایسی بھی ہیں جن کے آگے سب کچھ ہیچ ہے۔ ان کی پیشانی پر اگر ایک بل بھی آجائے تو پوری دنیا روئی کے گالوں کی طرح اڑتی نظر آئے گی--- کیا تم میری بات سے انکار کرسکو گے---؟"

"کون ہو تم---؟" پروفیسر نے اس بار سنبھل کر پوچھا وہ یکلخت محتاط ہوگیا تھا۔

"میں کون ہوں' یہ جان کر تم کیا کروگے؟" بچی کی آواز نے ایک سرد آہ بھر کر کہا" میں تمہارے راستے میں کبھی نہ آتی لیکن کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو مجبور کردیتے ہیں۔ میں بھی ایک مجبوری کے تحت تمہارے سامنے آنے پر مجبور ہوگئی---"

"کیا کہنا چاہتی ہو---؟" پروفیسر نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"مجھ سے ایک وعدہ کرو پروفیسر--- تم جس انتقام کی آگ میں جھلس رہے ہو اسے ٹھنڈا کرنے کی خاطر کسی کا خون نہیں کروگے' کسی کا خون بہانہ گناہ ہے--- ہاں تم چاہو تو اسے ہمیشہ کیلئے ہاتھ پاؤں جکڑ کر اپنا قیدی بنا سکتے ہو---"

"اور اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کردوں تو---؟" پروفیسر نے قدرے تیکھے انداز میں سوال کیا۔

"ایسی صورت میں مجھے مجبورا" اس کی زندگی بچانے کی خاطر اس کا ساتھ دینا

ہوگا۔۔۔"

"کیا تم اپنا تعارف نہیں کراؤ گی۔۔۔؟"

"فضول ہے پروفیسر۔۔۔" اس بار ٹھوس لہجے میں جواب ملا" تم مجھے باتوں میں الجھا کر بھی میرے خلاف کسی عمل میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" اس لئے کہ میں اپنی زندگی کی قربانی پہلے ہی پیش کرچکی ہوں اور میری روح آزاد ہے جسے تم قید نہیں کرسکو گے۔"

"تم اس کی زندگی کیوں بچانا چاہتی ہو۔۔۔؟" پروفیسر نے پہلو بدل کر سوال کیا' اس کی نظریں بدستور میجک بال پر مرکوز تھیں جس کی روشنی کی کپکپاہٹ ہر لمحہ بڑھتی جارہی تھی۔

"میرے پاس وقت کم ہے پروفیسر۔۔۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنے شکار کو بے بس کرنے کے باوجود اس کا خون بہانے کی غلطی نہیں کرو گے۔"

"ایک شرط پر۔۔۔" پروفیسر نے کچھ سوچ کر کہا "مجھے اس بات کا یقین دلا دو کہ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا ہوں۔"

جواب میں کچھ دیر تک مکمل سکوت طاری رہا پھر معصوم بچی کی آواز خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی ابھری "تمہیں جس کی تلاش ہے اس کی خواہش تھی کہ نازش اور خاور ایک ہوجائیں تاکہ کوئی بدنصیب خاور کا ہم سفر بننے کے خواب بھی نہ دیکھ سکے۔ میں نے اس کی خواہش کے برخلاف ایسی دراڑیں پیدا کردی ہیں کہ خاور اور نازش کبھی ایک نہ ہوسکیں گے۔" بچی نے بڑے دکھی انداز میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہارے مطلوبہ شکار نے کسی کی ممتا کا گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارنے کے اسباب پیدا کئے اور قسمت سے کامیاب ہوگیا۔ اس نے ایک مظلوم باپ کو دیوانگی کی حالت سے دوچار کردیا لیکن اس کی دیوانگی ہمیشہ برقرار نہیں رہے گی۔۔۔ وہ کسی لازوال قوت کے اشارے پر ایک بار پھر پوری طرح ہوش و حواس میں ہوگا۔۔۔"

"تم جو باتیں بتا رہی ہو ان میں سے کچھ میرے علم میں بھی ہیں لیکن ابھی تک تم نے اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں دیا کہ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا

ہوں۔۔۔" پروفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔

جمشید بچی کی فراہم کردہ اطلاعات پر ششدر رہ گیا پھر وہ اس وقت بری طرح چونکا جب بچی کی آواز نے پروفیسر کے جواب میں کہا تھا۔

"پروفیسر کالیا۔۔۔ تم محدود قوتوں کے مالک ہو' ایک وقت میں صرف ایک ہی سمت میں دیکھ سکتے ہو جبکہ میں ایک روح کی حیثیت میں سمتوں کی قید سے آزاد ہوں۔۔۔ تمہاری اطلاع کے لئے بتا دوں کہ تمہارا شکار اس وقت ایک اندھے کنویں میں کسی مجبور لاچار عورت کو اذیتناک موت سے ہمکنار کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے اور تم۔۔۔ تم شاید اس بات سے بھی بے خبر ہو کہ کوئی تمہارے بہت قریب بیٹھا بہت دیر سے تمہاری ایک ایک حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا ہے۔۔۔"

جمشید کے علاوہ بچی کی آواز ابھرنے والا آخری جملہ سن کر پروفیسر کالیا بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ نفسیاتی طور پر اس نے میجک بال سے نظریں ہٹا کر جمشید کی طرف دیکھا اور اسی وقت میجک بال کی دودھیا روشنی نے کپکپانا بند کردیا۔ شاید بچی کی روح اس کے دائرہ اختیار سے نکل گئی تھی۔ پروفیسر نے برق رفتاری سے دوبارہ اپنی نظریں میجک بال پر مرکوز کیں لیکن شاید اسے دیر ہوچکی تھی۔

"یہ برا ہوا۔۔۔" پروفیسر نے ہاتھ ملتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر جمشید کی طرف مخاطب ہوکر بولا "تم کب آئے آفیسر۔۔۔"

"یہ آواز جو ابھی سنائی دے رہی تھی کس کی تھی۔۔۔؟" جمشید نے بے حد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"میں بھی اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔۔۔" پروفیسر کالیا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا" اگر وہ ایک منٹ اور نہ آتی تو میں زیشان تک پہنچ گیا ہوتا۔۔۔"

"اس بچی نے کہا تھا کہ زیشان کسی مجبور و لاچار عورت کو اذیتناک موت مارنے کے خواب دیکھ رہا ہے" جمشید نے تیزی سے کہا "کہیں اس کا اشارہ عالیہ کی طرف تو نہیں تھا۔۔۔؟"

"ہوسکتا ہے۔۔۔" پروفیسر نے چونکتے ہوئے کہا "میں دوبارہ اس تک پہنچنے کی

کوشش کرتا ہوں۔"

"پروفیسر کالیا۔۔۔" جمشید جلدی سے بولا" تم نے پچھلی ملاقات میں بڑے یقین سے کہا تھا کہ اگر تمہیں زیشان کا اصلی نام معلوم ہوجائے تو پھر جیت تمہاری ہوگی۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ پروفیسر نے اعتماد سے جواب دیا" میں نے غلط نہیں کہا تھا لیکن اس کا اصلی معلوم کرنا بھی اتنا آسان نہیں ہوگا۔

"آفیسر۔۔۔ ہمیں اس کی خاطر بھی بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔۔۔"

"میں معلوم کر چکا ہوں۔۔۔" جمشید نے پرجوش انداز میں کہا" اس کا اصلی نام لقمان ہے۔"

"آفیسر۔۔۔" پروفیسر نے جمشید کو بہت غور سے دیکھا "کہیں تم میرے ساتھ مذاق تو نہیں کررہے؟؟"

"میں سنجیدہ ہوں پروفیسر۔۔۔" جمشید نے تیزی سے جواب دیا "یہ نام میں نے عابد حسین کی زبانی سنا ہے۔۔۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں آفیسر۔۔۔" پروفیسر کالیا نے جمشید کی زبانی پوری تفصیل معلوم کرنے کے بعد بڑے یقین سے کہا "اگر اس کا اصلی نام لقمان ہے تو اب وہ میرے بچھائے ہوئے جال سے نہیں بچ سکے گا۔۔۔"

پھر جمشید کی طرف سے نگاہیں گھما کر پروفیسر دوبارہ میجک بال کی سمت متوجہ ہوگیا۔ ایک لمحے تک وہ بڑے انہماک سے اس پر نظریں جمائے رہا پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔۔۔ اس کے ہونٹ تیزی سے ہلنے لگے۔ شاید وہ اپنے شکار کو پھانسنے کی خاطر کوئی عمل شروع کرچکا تھا۔۔۔!

جمشید کے ذہن میں معصوم بچی کی آواز میں ابھرنے والے جملے صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے لیکن اس کی نگاہیں پروفیسر کالیا پر مرکوز تھیں۔۔۔!!



زیشان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا' طاہرہ اور بن مانس نما وحشی درندے کو

نگاہوں سے اوجھل کرنے کے بعد وہ بڑے خطرناک انداز میں سینہ تانے کھڑا عالیہ کو نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے تیور بیحد خطرناک نظر آرہے تھے۔ ان میں عالیہ کیلئے رحم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

کچھ دیر اندھے کنویں میں موت کا سناٹا طاری رہا۔

عالیہ دیوار سے پشت لگائے کھڑی زیشان کو سہمی سہمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید زیشان کی طلسمی آنکھوں کا سحر ہی تھا جس نے اس کے پورے جسم کو شل کردیا تھا۔ اسے اپنا وجود کسی سوکھے ہوئے درخت کی مانند بڑا ہلکا اور ناپائیدار محسوس ہورہا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ زیشان کی ساحرانہ نظروں سے چھٹکارا حاصل کرلے لیکن کامیاب نہیں ہوسکی۔ آہستہ آہستہ اسے اپنے جسم کی ساری قوتیں زائل ہوتی محسوس ہورہی تھیں۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے وزن کو زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر نہیں سہار سکے گی لیکن زندہ رہنے کی امید نے اسے سہارا دے رکھا تھا۔

زیشان کی نگاہوں میں شعلوں کا وحشت ناک رقص شروع ہوگیا۔ شیطانی قوتوں سے کام لیتے وقت وہ زیشان کی خوفناک نظروں میں ایسی علامتیں پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ موت کا ہولناک تصور اس کے ڈوبتے ذہن میں ابھرا تو وہ سرتاپا لرز کر رہ گئی۔ اس کا ذہن چکرا رہا تھا اور چکراتے ذہن میں صرف ایک سوال صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔

"اسے کس جرم کی سزا مل رہی تھی؟"

یہی سوال اس نے زیشان سے بھی کیا تھا لیکن زیشان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اپنی خباثتوں میں پوری طرح غرق تھا۔ شاید وحشی درندے کی موت نے اسے الجھا دیا تھا" اس نے جو چاہا تھا وہ پورا نہیں ہوسکا تھا۔ طاہرہ نے اچانک دوبارہ سامنے آکر سارا کھیل بگاڑ دیا تھا۔ یہ بات خود عالیہ کیلئے بھی حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی۔ وحشی درندے کے نمودار ہونے سے پیشتر طاہرہ کی آواز اس سے ہمکلام تھی۔ طاہرہ نے بڑے حقارت بھرے انداز میں عالیہ کو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ سنبل کی موت اور اس کی غداری نے زیشان کی پراسرار قوتوں کو بہت زیادہ مشتعل کردیا ہے

اور اب اسے ہولناک اذیتوں سے دوچار ہونے سے دنیا کی کوئی قوت نجات نہیں دلا سکتی۔ اس کے بعد وہ بن مانس وحشی درندہ سامنے آیا تھا جسے دیکھ کر عالیہ کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس دیو قامت درندے کے سامنے قدم جما کر اپنی آبرو کا دفاع نہیں کر سکے گی۔ اس کے بعد اس نے سوچا تھا کہ اپنی عزت بچانے کی خاطر وہ دیوار سے سر ٹکرا کر خود کو موت کی آغوش کے سپرد کر دے گی لیکن وہ ایسا بھی نہ کر سکی۔ پراسرار شیطانی قوتوں نے اس کے ارادوں کو بھانپ کر کچھ ایسا سحر پھونکا کہ اس کا پورا وجود شل ہو کر رہ گیا۔ وہ اپنے جسم کو ایک ذرا سی جنبش دینے کے قابل بھی نہیں رہ گئی۔

وحشی درندہ عالیہ کی بے بسی پر فاتحانہ قہقہے بلند کرتا ہوا اس کی جانب بڑھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں لذت انگیز درندگی کا برہنہ رقص جاری تھا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ عالیہ کو برباد کر کے کسی نئے غلام کی پیدائش کا خواب پورا کرتا طاہرہ ایک نئے انداز میں سامنے آگئی پھر جس انداز میں اس نے وحشی سے گفتگو کی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی زیشان کے ساتھ غداری پر کمربستہ ہو گئی ہے۔ کچھ دیر تک اس کے اور وحشی درندے کے درمیان طیش دلانے والے جملوں کا مقابلہ ہوتا رہا پھر ہولناک ساحرانہ قوتوں کی زور آزمائی شروع ہوئی تو طاہرہ غالب آگئی۔ وحشی درندے کے انجام عالیہ کی توقع سے کہیں زیادہ بھیانک اور عبرتناک ثابت ہوا تھا۔ طاہرہ برملا زیشان کے خلاف بلند آواز میں زہر اگل رہی تھی لیکن جب زیشان اپنی تمام خباثتوں کے ساتھ سامنے آیا تو وہ بھیگی بلی بن گئی۔۔۔ کسی مجرم کی طرح ہاتھ باندھے لرزنے لگی اس کے اندر رونما ہونے والی وہ تبدیلی عالیہ کے لئے حیرت انگیز تھی۔

"شاید زیشان کی آمد سے قبل طاہرہ کسی دوسری نادیدہ قوتوں کے زیر اثر تھی؟ مگر وہ طاقت کس کی تھی؟۔۔۔ کیا وہ سب کچھ اس "موتی" کی کرشمہ سازی تھی جسے اس نے نگل رکھا تھا۔۔۔ یا۔۔۔ وہ پراسرار پرندہ جو اس کی عزت اور آبرو کی حفاظت کی خاطر درمیان میں آگیا تھا جس کی اصلیت کو پہچاننے میں خود زیشان بھی ایک بار دھوکہ کھا چکا تھا۔" عالیہ کی نگاہیں زیشان پر مرکوز تھیں لیکن اس کے ذہن میں مختلف

سوالات ابھر رہے تھے۔

زیشان کو اپنے سامنے دیکھ کر طاہرہ کے تیور یکلخت بدل گئے تھے لیکن اس سوال کے جواب میں کہ "اس نے کس سے پوچھ کر وحشی درندے پر اپنی طاقت کا استعمال کیا تھا" ۔۔۔ طاہرہ نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ زیشان کے حکم پر ہی وہاں دوبارہ وارد ہوئی تھی لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بارے میں طاہرہ نے خود بھی حیرت ہی کا اظہار کیا تھا۔

طاہرہ کا جواب سن کر زیشان چونکا تھا۔ شاید اس کی پراسرار شیطانی قوتوں نے اسے بتا دیا تھا کہ مخالف قوتیں ایک بار پھر اس پر سبقت لے گئی ہیں۔ اس کے بعد زیشان نے طاہرہ سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ اپنی ساحرانہ قوتوں کو بروئے کار لا کر اس نے سب کچھ نظروں سے اوجھل کر دیا اور اب وہ پوری توجہ سے عالیہ کو بڑی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

عالیہ کی حالت بتدریج غیر ہوتی جا رہی تھی' پے در پے ہونے والے ہولناک اور ناقابل یقین واقعات اور حادثات نے اس کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش کرنے سے قاصر تھی۔ اس کے جسم نے آہستہ آہستہ لرزنا شروع کر دیا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ وہ زیادہ دیر تک خود کو گرنے سے سنبھال سکے گی لیکن اس کی نظریں بدستور زیشان کی نظروں سے الجھی ہوئی تھیں۔ اس میں اس کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ زیشان کی شیطانی ساحرانہ قوتوں نے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی توجہ کسی اور طرف مبذول کرپاتی۔ اس کے ذہن میں سنسناہٹ شروع ہو گئی جیسے آندھی کے تیز جھکڑ چل رہے ہوں۔

اندھے کنویں میں بڑی دیر تک موت کا سناٹا طاری رہا پھر زیشان کی کھردری مگر ٹھوس آواز خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی ابھری۔

"عالیہ۔۔۔ کیا تم بھول گئیں کہ میرے اور تمہارے درمیان کیا رشتہ ہے۔۔۔؟"

"عالیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ رہی ہو' زیشان اس سے بمشکل دو فٹ کے فاصلے پر تھا لیکن عالیہ کو اس کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس آواز کو بغور سنتی رہی لیکن اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا پلکیں جھپکائے بغیر زیشان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے خاموش کھڑی رہی۔ اس کے ذہن پر غنودگی کی کیفیت آہستہ آہستہ طاری ہو رہی تھی۔

"عالیہ---" زیشان نے تھوڑے توقف کے بعد اسے دوبارہ مخاطب کیا "کیا تمہیں مجھے پہچاننے میں--- میری آواز سننے میں کوئی دشواری پیش آ رہی ہے---؟"

"نہیں---" اس بار عالیہ نے خواب آلود لہجے میں جواب دیا" میں تمہیں دیکھ رہی ہوں' تم زیشان ہو--- ڈاکٹر زیشان' تمہاری آواز بھی مجھے صاف سنائی دے رہی ہے---"

"کیا تمہیں احساس ہے کہ تم ایک ہولناک اور خطرناک سچویشن سے دوچار ہوتے ہوتے بال بال بچی ہو---" ڈاکٹر زیشان کی پھٹی پھٹی نظروں میں بدروحوں کا رقص بھڑکتے شعلوں کے درمیان تیز ہونے لگا۔ وہ بڑی انہماک سے عالیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

"ہاں---" عالیہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی "اگر تم نہ آجاتے تو شاید وہ بن مانس نما وحشی درندہ مجھے جھنجوڑ ڈالتا۔"

"تمہیں کنیز طاہرہ نے اس کی بربریت سے نجات دلائی تھی---؟ تمہیں یاد ہے---؟"

"ہاں--- وہ طاہرہ ہی تھی---"

"طاہرہ سے پہلے سنبل بھی تمہارے پاس آئی تھی لیکن---" زیشان نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کی نظریں بدستور عالیہ پر مرکوز تھیں۔

"وہ مجھے بتا رہی تھی کہ تم مجھے کسی عذاب میں مبتلا کرنے والے ہو لیکن---" عالیہ بھی کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہوگئی۔ اس کی پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں ابھرنے لگیں۔

"تم خاموش کیوں ہوگئیں---" زیشان نے تیزی سے اسے مخاطب کیا "سنبل کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا---؟"

"وہ--- وہ حادثہ بڑا حیرت انگیز تھا" عالیہ نے بدستور خواب آلود لہجے میں کہا "سنبل مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی جب کوئی چیز زمین سے اچھل کر اس کے جسم سے ٹکرائی--- پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئی۔"

"مجھے بتاؤ عالیہ---" زیشان نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا "وہ چیز کیا تھی---؟"

"وہ--- وہ--- مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ شاید میں اسے پوری طرح دیکھ نہیں سکی تھی---" اس بار عالیہ نے الجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ دو متضاد قوتوں کے درمیان پھنس کر رہ گئی ہو۔

"تم اس وقت کیا محسوس کر رہی ہو---؟" زیشان نے تیزی سے سوال کیا۔

"میرے ذہن میں چبھن سی ہو رہی ہے---" عالیہ نے رک رک کر کہا "میں شدید ذہنی دباؤ میں مبتلا ہوں---"

"یہ کیفیت اچانک پیدا ہوئی ہے---؟"

"ہاں---"

"غور کرو--- ایک بار پھر ذہن پر زور ڈال کر اس چیز کے بارے میں سوچو جو سنبل سے اچھل کر ٹکرائی تھی---"

لیہ نے فوراً" ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر خاموشی مسلط رہی' زیشان کی خوفناک آنکھوں میں شعلوں کے ساتھ بدروحوں کا شیطانی رقص بھی تیز ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑا بڑی شدت سے دونوں ہاتھ مل رہا تھا۔ اس کی نظریں عالیہ پر جمی ہوئی تھیں۔ وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ عالیہ کے چہرے پر متضاد کیفیتیں ابھر رہی تھیں۔

"عالیہ---" زیشان نے کچھ دیر بعد قدرے درشت لہجے میں کہا "تم نے میرے

سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"مجھے یاد نہیں آرہا---- ذہن پر زور دیتی ہوں تو نظروں کے سامنے اندھیرے لپکنے لگتے ہیں---" عالیہ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"اچھی طرح سوچ کر جواب دو---- کہیں وہ کوئی پرندہ تو نہیں تھا----؟" ذیشان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا' کوئی ایسی شے جو تمہیں اپنی مادی صورت میں نظر آئی ہو---"

"مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا---" عالیہ کے چہرے پر الجھن کے اثرات پھیلنے لگے۔

"تمہارا جواب ہماری بہت ساری مشکلات کو دور کردے گا۔ میری جان" اس بار ذیشان نے بڑی محبت سے کہا "تمہیں شاید نہیں معلوم کہ کچھ گندی قوتیں ہمارے درمیان ایک خلیج پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ ان کا درمیان سے ہٹانا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ ان ہی قوتوں نے طاہرہ اور سنبل کو ہم سے چھین لیا ہے۔ وہ ہم دونوں کی زندگی کی بھی دشمن ہیں۔

"لیکن وہ ہمیں اپنا نشانہ کیوں بنا رہی ہیں---- ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے---؟"

"بحث مت کرو---" ذیشان قدرے جھلا کر بولا "اپنی یادداشت کو کریدو' مجھے یقین ہے کہ جو شے سنبل کے جسم سے ٹکرائی تھی وہ تمہاری نظروں میں ضرور آئی ہوگی۔ اس کی تفصیل جاننا میرے لئے بہت اہم ہے---"

"کیا تمہیں سنبل کی موت کا بہت زیادہ دکھ ہے؟" عالیہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ اس کی نظریں بدستور ذیشان کی نگاہوں سے چار تھیں لیکن پیشانی کی سلوٹیں بتدریج مٹتی جارہی تھیں۔

"تمہارے ذہن میں سنبل کیوں اٹک رہی ہے؟" ذیشان نے اسے بغور گھورتے ہوئے بڑی گھمبیر آواز میں کہا۔

"سنبل نے کہا تھا کہ تم مجھے اذیتناک حالات سے دوچار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو"

عالیہ خشک لہجے میں بولی "مجھے خوشی ہے کہ وہ جل کر راکھ ہوگئی لیکن تم مجھے کس عذاب میں کیوں مبتلا کرنا چاہتے تھے' میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

اس بار ذیشان کسی خیال سے چونکا اس نے عالیہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن جن نظروں سے وہ عالیہ کو گھور رہا تھا اس میں شکوک کے سائے بھی منڈلا رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بھڑکتے شعلوں کا رقص تیز ہوگیا۔

"جس رات تم نے کہا تھا کہ کوئی بہت دور بیٹھا ہماری خلوت میں جھانک رہا ہے اس رات تم بہت خوش تھے۔ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری کوئی ایسی امید پوری ہونے والی ہے جس کا خواب تم برسوں سے دیکھ رہے تھے۔" عالیہ نے سپاٹ آواز میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تمہاری خوشی کی وجہ کیا تھی---- اور پھر---- تم اچانک مجھ سے اتنے دل برداشتہ کیوں ہوگئے کہ عالیشان کوٹھی سے نکال کر اس اندھے کنوئیں میں پھینکوا دیا---؟"

"عالیہ----" ذیشان کے تیور یکلخت تبدیل ہوگئے اس نے سرد لہجے میں پوچھا "کیا تم جانتی ہو کہ اس وقت کس سے ہمکلام ہو--- کون ہوں میں-----؟"

"تم----" عالیہ نے بڑے پرسکون انداز میں جواب دیا "تم ذیشان ہو---- تمہارے ایک نہیں کئی روپ ہیں--- تم پراسرار اور شیطانی قوتوں کے [illegible] ہو---- تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم دلوں کے بھید بھی جان لینے کی صلاحیت رکھتے ہو---- ایک دو بار تم نے اس کا مظاہرہ کرکے مجھے حیرت زدہ بھی کردیا تھا--- تم میرے شوہر بھی ہو' تم نے بھیس بدل کر مجھے دھوکے سے حاصل کیا تھا۔ شاید تم مجھ سے اپنا کوئی انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس انتقام کی آگ نے تمہیں اتنا اندھا کردیا تھا کہ تم نے میری عزت برباد کرنے کی خاطر اپنے ایک وحشی غلام کو میرے پاس بھیجا تھا لیکن تمہارا وہ گھناؤنا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ طاہرہ تمہاری کنیز تھی لیکن اس نے میری آبرو بچانے کی خاطر تمہارے غلام کو عبرتناک انجام سے دوچار کردیا اور اب تم مجھے اس شے کے بارے میں زبان کھولنے پر مجبور کررہے ہو جس نے تمہاری نازک اندام' حسین اور خوبصورت سنبل کے جسم کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا----"

"مجھے تمہارے اوپر اسی وقت شبہ ہوگیا تھا جب تم نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے الٹا مجھ سے سوال کیا تھا" زیشان نے سنبھل کر لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "جو معمول کسی عامل کے زیر اثر ہو وہ صرف جواب دیتا ہے' سوال نہیں کیا کرتا"

"مجھے تمہارے شیطانی قوتوں اور مکروہ ساحرانہ دماغ کا اندازہ ہے زیشان--- لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہدہد کے سلسلے میں تمہاری تمام تر صلاحیتیں دھوکہ کھا گئی تھیں ورنہ تم اسے پنجرے میں بند کرنے کے بجائے پہلی ہی نظر میں مار ڈالنے کی کوشش ضرور کرتے" اس بار عالیہ نے زہر خند سے کہا "کیا تم اپنی اس حماقت کا اعتراف نہیں کرو گے---"

"کون ہو تم---؟" زیشان نے یکلخت پینترا بدل کر سرد لہجے میں پوچھا۔ وہ پوری طرح محتاط نظر آنے لگا تھا۔

"میں تمہاری منظور نظر عالیہ ہوں---" عالیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"نہیں---" زیشان نے خونخوار انداز میں جواب دیا "تم جو کوئی بھی ہو اس نے صرف عالیہ کے جسم اور اس کے لب و لہجے کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے--- تم نے عالیہ کے وجود کو اپنی ڈھال بنا رکھا ہے---"

"ہو سکتا ہے تمہارا اندازہ ٹھیک ہی ہو--- لیکن کیا تم اپنی قوتوں کے ذریعے میری اصلیت کا کھوج نہیں لگا سکتے" اس بار بھی عالیہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی' آواز بھی نسوانی ہی تھی لیکن لب و لہجہ حیرت انگیز طور پر بدلا ہوا تھا۔

"آنکھ مچولی کا کھیل بند کرو---" زیشان نے ہونٹ چباتے ہوئے سفاک لہجے میں للکارا "اگر ہمت ہے تو عالیہ کے جسم کو چھوڑ دو--- کھل کر سامنے آؤ--- پھر اس بات کا فیصلہ بھی ہوجائے گا کہ کون زیادہ طاقتور ہے---"

"تم شاید اپنا ذہنی توازن کھوتے جارہے ہو---" عالیہ کے ہونٹوں سے ایک مردانہ آواز ابھری "اگر مجھے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا ہوتا تو شاید اسی روز تمہارے گندے وجود کو خاک میں ملا دیتا جس روز تم نے مجھے پنجرے میں بند کرکے اپنی حماقت کا ثبوت دیا تھا--- تمہاری شیطانی قوتیں نہ اس روز میری اصلیت کا کھوج لگا سکی

تھیں نہ آج میری حقیقت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکیں گی---"

"تم--- تم بار بار میرا راستہ کیوں کاٹ رہے ہو---؟" زیشان نے سپاٹ آواز میں کہا "میرا راستہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے--- کیا چاہتے ہو مجھ سے---؟"

"عالیہ کی مجبوریوں سے زیادہ فائدہ نہ اٹھاؤ--- اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو" مردانہ آواز نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا "ظلم کرنے کی جو حدیں تمہارے حق میں لکھی تھیں وہ پوری ہوگئیں--- تم عالیہ کو اس کے باپ کے پاس چھوڑ دو--- میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا---"

"اور اگر میں انکار کردوں---"

"تم اب انکار کرنے کی حماقت نہیں کرو گے---" اس بار بے حد سرد اور ٹھوس لہجے میں جواب ملا "تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میری بات مان لو---"

"دوسری شکل میں کیا ہوگا---؟"

"ہوسکتا ہے تمہیں اپنی باقی زندگی کسی گہرے سمندر کی سات تہوں کے نیچے گزارنی پڑے--- تم سنبل اور اس وحشی غلام کا عبرتناک انجام بھی دیکھ چکے ہو جس نے ایک مظلوم اور بے سہارا کی عزت و آبرو کی دھجیاں اڑانے کی کوشش کی تھی"

"میری ایک شرط ہوگی---" زیشان نے تھوڑے توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا---؟"

"مجھے اس شے کے بارے میں بتا دو جو سنبل کی ہولناک موت کا باعث بنی تھی---"

"موت کا وقت--- اس کی جگہ اور روح کے جسم سے نکلنے کا طریقہ کار--- یہ فیصلے اسی وقت رقم کر دیئے جاتے ہیں جب انسان گوشت کے لوتھڑے سے تخلیق پاکر انسانی شکل میں اس دنیا میں پہلا قدم رکھتا ہے--- باقی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی--- وہ محض موت کا بہانہ ہوتی ہیں--- قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال

سکتا۔"

"اس کے باوجود میں اس بہانے کے بارے میں تمہاری زبان سے سننا پسند کروں گا" زیشان نے اصرار کیا "یہی میری شرط ہے"

"تم اپنے انجام سے بے خبر ہو ورنہ ایسی باتیں کبھی نہ کرتے---"

"اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ تم وقت برباد کرنے کی کوشش کررہے ہو---" زیشان نے عالیہ کے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں ایک آخری مہلت اور دے رہا ہوں" سپاٹ مگر ٹھوس آواز میں جواب دیا گیا "وقت کی قدر کرو میرے عزیز' اگر یہ آخری لمحہ بھی گزر گیا تو تمہارا انجام تمہارے تصور سے بھی زیادہ بھیانک اور عبرتناک ہوگا۔"

"گویا تم مجھے اس شے کے بارے میں نہیں بتاؤ گے جو سنیل---"

"تم اپنی پراسرار اور شیطانی قوتوں سے کیوں نہیں دریافت کرتے---؟" زیشان کا جملہ کاٹ کر سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔

"تم نے میری نگاہوں کے سامنے پردے ڈال دیئے ہیں" زیشان تلملا کر بولا۔

"دوسرے لفظوں میں تم اعتراف کررہے ہو کہ کوئی لازوال طاقت ایسی ہے جس کے آگے تمام قوتیں ہیچ ہیں---"

زیشان نے کوئی جواب نہیں دیا' اپنی جگہ بل کھا کر رہ گیا۔

"عالیہ کے سلسلے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے---؟" مردانہ آواز نے پوچھا "کیا تم اس کو اپنے چنگل سے آزاد نہیں کرو گے؟"

"نہیں---" زیشان نے تیزی سے جواب دیا' اس کے چہرے پر خون کی سرخی گہری ہونے لگی" میرا انتقام ابھی پورا نہیں ہوا میں مرجاؤں گا لیکن اپنے انتقام کی آگ کو سرد کئے بغیر گھٹنے نہیں ٹیکوں گا---"

جواب میں کوئی آواز نہیں ابھری' عالیہ بڑے ڈرامائی انداز میں اندھے کنویں کی دیوار سے ٹیک لگائے نیچے کی جانب جھکتی ہوئی زمین پر بیٹھی پھر اس کی آنکھیں

آہستہ آہستہ بند ہوتی چلی گئیں۔

"یہ بزدلی ہے---" زیشان نے جنونی انداز میں گرج کر کہا "بار بار قسمت کے فیصلوں کی آڑ لے کر تم نے اندھیرے میں جو وار کئے ہیں وہ مردانگی کے خلاف ہیں--- ہمت ہے تو خم ٹھونک کر سامنے آؤ پھر اس بات کا فیصلہ بھی ہوجائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے---"

زیشان غصے میں پاگل ہوکر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا پھر یکلخت بھنبھناہٹ کی آواز سن کر اس نے اوپر کی سمت نظریں اٹھائیں تو اس کی شعلہ بار آنکھوں میں خوف کے سائے منڈلانے لگے۔ شہد کی مکھیوں کا غول بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے نگاہوں سے اوجھل ہونے کا عمل کیا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس کے ذہن میں وہی جملہ گونجا جو کچھ دیر پہلے اس سے کہا گیا تھا--- "وقت کی قدر کرو میرے عزیز' اگر یہ آخری لمحہ بھی گزر گیا تو تمہارا انجام تصور سے بھی زیادہ بھیانک اور عبرتناک ہوگا---"

"نہیں--- نہیں--- میں اپنی ہار تسلیم نہیں کروں گا' ابھی میرا انتقام پورا نہیں ہوا" زیشان ہزیانی انداز میں چیخنے لگا پھر وہ شہد کی مکھیوں کی یلغار سے بچنے کی خاطر تیزی سے زمین پر لیٹ گیا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھتا شہد کی مکھیاں بلائے ناگہانی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑیں۔

زیشان کے حلق سے کربناک چیخیں ابلنے لگیں' اسے ایسا لگا تھا جیسے ایک ہی وقت میں کئی نشتر اس کی آنکھوں میں اتر گئے ہوں--- وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور کی مانند تکلیف کی شدت سے بلبلانے لگا' اس نے ان بپھری ہوئی خونخوار مکھیوں سے خوں کو بچانے کی خاطر ہاتھوں کو استعمال میں لانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے ہاتھوں کو جنبش نہ دے سکا۔ اس کے ہاتھ جیسے کسی شکنجے میں جکڑ گئے تھے۔ اسے اپنا دم سینے کی گہرائیوں میں گھٹتا محسوس ہوا۔ نادیدہ قوت کے کہے ہوئے جملے اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ اس نے اپنی پراسرار قوتوں کو آزمانے کی کوشش کی لیکن اسے مایوسی

ہوئی۔ اس کی زبان نے بھی اس کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ اس کا پورا جسم شل ہو کر رہ گیا تھا۔

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب زیشان کو اپنی بے بسی کا احساس ہوا تھا لیکن اس وقت بھی وہ اپنی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ہدہد کی اصلیت کو پہچاننے میں اسے جو بھول ہوئی تھی وہ بڑی مہنگی ثابت ہو رہی تھی۔ خطرناک اور زہریلی مکھیاں اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے کھلے حصوں کو اپنے نشتر جیسے ڈنک سے جھنجھوڑ رہی تھیں۔ وہ اذیتناک درد کی شدتوں کو محسوس کررہا تھا لیکن ان کے خلاف اپنا دفاع کرنے سے قاصر تھا۔

اچانک اس کے ذہن میں عالیہ کا خیال بجلی بن کر کوندا۔ وہی سارے فساد کی جڑ تھی۔ زیشان نے اپنا انتقام لینے کی خاطر اسی کو اپنا ہدف بنایا تھا۔ وہ اس وقت بھی اسی اندھے کوئیں میں اس سے دو قدم کے فاصلے پر بے سدھ پڑی تھی۔ جسے زیشان نے اس کے لئے بطور عقوبت خانہ منتخب کیا تھا۔ اس وقت خود اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

”نادیدہ قوت نے کہا تھا کہ اگر زیشان عالیہ کو اس کے والد کے پاس پہنچا دے تو وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے گی۔ امید کی یہی ایک آخری کرن تھی جو گھپ اندھیروں میں زیشان کو نظر آرہی تھی۔ ایک لمحے تک وہ ساکت و جامد پڑا حالات کی ستم ظریفی پر غور کرتا رہا پھر اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر عالیہ کو دیکھا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑی تھی لیکن وہی اس کی وقتی گرفتاری کے سلسلے میں رہائی کا پروانہ بھی ثابت ہو سکتی تھی۔۔۔

زیشان کا شیطانی ذہن اس آخری حربے کو استعمال کرنے پر غور کرنے لگا ابھی وہ اپنے منصوبے کو آخری شکل دینے کے بارے میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرہی رہا تھا کہ وہی آواز اندھے کنویں میں گونجتی ہوئی ابھری۔

”تمہیں جو مہلت دی گئی تھی وہ گزر چکی ہے۔ اب کوئی تدبیر تمہارے کام نہیں

۔“

زیشان نے وحشت ناک انداز میں جواب دینے کے بارے میں کچھ سوچا لیکن پھر پنا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی نظریں دوبارہ عالیہ کے جسم کا طواف کرنے لگیں۔ اس کا ذہن ابھی منجمد نہیں ہوا تھا۔ پوری طرح جاگ رہا تھا۔۔۔ اسے بس ایک لمحے کی تلاش تھی۔۔۔ وہ ایک لمحہ جو اس کو بے بسی سے نجات دلا سکتا۔۔۔ اسی ایک لمحے میں وہ بساط پر بچھی ہوئی بازی کو پلٹ سکتا تھا۔۔۔“



شبانہ بیگم کا سارا غرور و تکبر ایک ہی جھٹکے میں کسی کانچ کے گلاس کی مانند ٹوٹ کر چکنا چور ہوگیا تھا۔ اپنی انا کی تسکین کی خاطر وہ بڑی امیدوں سے نازش کا رشتہ مانگنے گئی تھیں۔ انہوں نے نازش کی ان تصویروں کو بھی فراموش کر دیا تھا جو خاور نے انہیں دی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ نازش ان کی بہو بننے میں فخر محسوس کرے گی لیکن اس نے جس بے باکی سے خاور کے رشتے کو ٹھکرایا تھا اور اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا اعلان کیا تھا اس نے شبانہ بیگم کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ نازش کے وہ جملے ان کے کانوں میں گونج رہے تھے۔۔۔ "میں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی عادی ہوں۔۔۔ دوسروں کے فیصلے پر آنکھ بند کرکے عمل کرنا میری فطرت کے خلاف ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اگر میں نے کبھی سنجیدگی سے شادی کے مسئلے پر غور کیا تو میری فرسٹ چوائس کوئی اور ہوگا۔۔۔ خاور نہیں"

نازش کا جواب سن کر شبانہ بیگم تلملا گئی تھی۔ امارت کا وہ تاج محل جو ... نے اپنے ذہن میں تعمیر کر رکھا تھا مخالف ہوا کے ایک ہی جھونکے سے زمیں ... ہوگیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب شبانہ بیگم نے کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش کی تھی لیکن ہاتھ مل کر رہ گئی تھی۔ اگر نازش بازار میں کسی بڑی دکان کے شوکیس میں رکھی ہوئی کوئی قابل فروخت چیز ہوتی تو شبانہ بیگم اپنی امارات کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر اس کی بڑی سے بڑی قیمت چکا سکتی تھیں۔ لیکن نازش خود مختار تھی' اپنی مرضی کی مالک تھی' دوسروں کی لگائی ہوئی بولی پر بکنے کی عادی نہیں تھی۔

خاور کے سلسلے میں شبانہ بیگم کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے بعد وہ خاموشی سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی۔ اس نے شبانہ بیگم کی طرف دیکھنا بھی گوارا

نہیں کیا تھا جس انداز میں اس نے اچانک بے رخی کا برملا اظہار کیا اور نگاہیں پھیرلی تھیں وہ شبانہ بیگم کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ کانٹوں پر لوٹ کر رہ گئیں۔ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ نازش کو سنگسار کر ڈالنے سے بھی زیادہ کوئی سخت سزا تجویز کرنے سے دریغ نہ کرتیں لیکن وہ اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئیں۔ نازش کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر انہوں نے خاموشی ہی میں بہتری سمجھی تھی لیکن جو پھانس ان کے دل میں چبھی تھی اس کی خلش انہیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

اس وقت بھی ان کے ذہن میں نازش ہی کا تصور کروٹیں بدل رہا تھا جب ایک شخص نے ان کے قریب آکر بڑے مہذب انداز میں کہا۔

"آپ کا نمبر آگیا ہے' آپ حجرے میں جاکر شاہ صاحب سے ملاقات کرسکتی ہیں۔۔۔"

شبانہ بیگم نے کنکھیوں سے اس دروازے کی سمت نظر اٹھائی جہاں سے روشنی کی ٹھنڈی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس روشنی کے اندر لوبان کا دھواں رقص کرتا نظر آرہا تھا اور عود عنبر کی مسحور کن خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ شبانہ بیگم خوابیدہ انداز میں سنبھل کر اٹھیں۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ایک راہداری سے گزر کر اس کمرے میں داخل ہوئیں جہاں ہر طرف نور ہی نور بکھرا نظر آرہا تھا۔ خوشبو کے لطیف جھونکے ذہن کو تروتازگی بخش رہے تھے۔ ماحول پر ایسا رعب و دبدبہ طاری تھا جس کے سبب شبانہ بیگم نے نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں کی لیکن وہ محسوس کررہی تھیں کہ اس کمرے میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ کہیں قریب ہی وہ شاہ صاحب بھی ضرور موجود ہوں گے جن کے سامنے سر جھکا کر وہ سربلندی حاصل کرنے کے ارادے سے برہنہ پا گھر سے نکلی تھیں۔

نازش کے سلسلے میں اپنی ہار کو جیت میں بدلنے کی خاطر وہ شب و روز اٹھتے بیٹھتے' ہمہ وقت کوئی ایسی ترکیب سوچتی رہتی تھیں جو ان کے دل کی اس خلش کو مٹا دے جو نازش کے دوٹوک فیصلے سے پیدا ہوئی تھی۔ پھر اچانک ہی قدرت نے ان کی رہنمائی شاہ صاحب کے اس حجرے تک کردی جس کے سحرکن ماحول اور عود و عنبر کے لطیف

جھونکھوں نے ان کے دل و دماغ کو پوری طرح مسحور کر لیا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی اپنے دل کی دھڑکنوں کو گن رہی تھیں۔ جب ایک نرم آواز ان کی قوت سماعت سے ٹکرائی۔

"تمہارا نام شبانہ بیگم ہے--- تم خاور کی ماں ہو---؟

"جی ہاں ---" شبانہ بیگم نے خود کو سمیٹتے ہوئے بڑے مہذب انداز میں جواب دیا۔

"کیا چاہتی ہو--- بی بی؟"

"میں نازش نامی ایک لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھی لیکن اس نے انکار کردیا---" شبانہ بیگم نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"اب کیا خواہش ہے تمہاری---؟"

"میں آپ سے دعا کی درخواست کرنے حاضر ہوئی ہوں" شبانہ بیگم نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "آپ کوئی ایسی دعا کریں کہ لڑکی کا ذہن پلٹ جائے' وہ خاور سے شادی کرنے پر رضامند ہوجائے--- یہ میری عزت اور وقار کا مسئلہ ہے---"

ایک لمحے تک حجرے میں خاموشی مسلط رہی پھر وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"تم جس لڑکی کو بہو بنانا چاہتی ہو وہ بھٹک چکی ہے--- اس کا خیال دل سے نکال دو---"

"کیا آپ کی دعائیں بھی اسے راہ راست پر نہیں لا سکتیں---؟" شبانہ بیگم نے عاجزی کا اظہار کیا۔

"جو بات خدا کو منظور نہ ہو اس میں بندے کی ہٹ دھرمی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے--- سر اٹھا کر چلنے والے کبھی نہ کبھی ٹھوکر ضرور کھاتے ہیں--- برا نہ ماننا بی بی--- غرور تکبر کرنا قادر مطلق کے نزدیک کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے وہ عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہے"

"شاہ صاحب---" شبانہ بیگم نے دل مسوس کر کہا "میں بڑی امیدیں لیکر آپ کی چوکھٹ تک آئی ہوں---"

"میں جواب میں تمہیں اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کروں گا کہ مظلوم کی آہ کبھی خالی نہیں جاتی" اس بار معنی خیز انداز میں جواب دیا گیا "ایک بار غلطی کا مرتکب ہوجانے کے بعد دوبارہ غلطی کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ اتنا یاد رکھو کہ توبہ کے دروازے ایک بار بند ہوجائیں تو عاجزی اور انکساری بھی انسان کے کسی کام نہیں آتی--- اولاد اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے اس نعمت کی قدر کرو' ان راستوں پر چلنے سے ہمیشہ گریز کرو جو گھپ اندھیرے اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہوں---"

شبانہ بیگم چونکے بغیر نہ رہ سکیں" مظلوم کی آہ "کے اشارے پر ان کے تصور میں عالیہ کا خیال ایک پل کیلئے ابھرا پھر وہ شاہ صاحب کے دوسرے جملوں پر غور کرتے ہوئے بولیں۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکی--- میری رہنمائی کریں"

"غلطیاں انسان ہی سے سرزد ہوتی ہیں--- بڑائی اسی میں ہے کہ وہ اپنی غلطی کو صدق دل سے تسلیم کرلے" شاہ صاحب نے نرم مگر ٹھوس آواز میں کہا "کسی کو معاف کردینا' اسے سزا دینے کے مقابلے میں زیادہ احسن عمل ہے---"

"آپ کے اشارے میری فہم و ادراک سے بالاتر ہیں" شبانہ بیگم نے انکساری سے کہا۔

"ڈور کا ایک سرا ہاتھ سے نکل جائے تو دوسرے کو زیادہ مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے ورنہ وہ بھی گم ہوجاتا ہے--- پھر بات اتنی الجھ جاتی ہے کہ انسان بے بس ہوجاتا ہے---" تھوڑے توقف کے بعد ٹھوس لہجے میں کہا گیا "غربت قادر مطلق کا انعام ہے--- دولت کی فراوانی بندے کا امتحان ہوتی ہے--- پار وہی اترتا ہے جو ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتا رہے--- دوسرے کے غم پر مسکرانا اس کی بے بسی پر خوشیاں منانا بری بات ہے--- جلنے کا خوف اسی وقت ہوتا ہے جب آگ اپنے دامن تک پہنچ جاتی ہے--- جو پہلے سے دامن بچالے وہی دانشمند کہلاتا ہے--- میں تمہیں دور اندیشی سے کام لینے اور اس کی مصلحتوں کو سمجھنے کی تلقین کروں گا۔ کسی مظلوم کو سہارا دینا عین عبادت ہے--- اس کی رعایت سے جھولی بھرلو

ورنہ---"

جملہ نامکمل رہ گیا تو شبانہ بیگم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' شاہ صاحب کے اشارے ایک بار پھر عالیہ کی نشاندہی کررہے تھے۔ شبانہ بیگم نے جس بے رحمی اور حقارت سے عالیہ کے گھر جاکر اسے اور اس کے والدین کو ذلیل کیا تھا انہیں کبھی اس کا مطلق احساس نہیں ہوا تھا لیکن جب نازش نے ان کی خواہش کو بے رخی سے رد کیا اس وقت ایک لمحے کو ان کے ذہن کے تاریک گوشوں میں عالیہ کا خیال ضرور ابھرا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ خاور کی پسند تھی۔ یا پھر اس لئے کہ اگر شبانہ بیگم نے کبھی اشاروں کنایوں میں بھی اسے اپنی بہو بنانے کا ذکر کیا ہوتا تو عالیہ اور اس کے گھر والوں نے اسے اپنے لئے ایک اعزاز سمجھ کر سر تسلیم خم کردیا ہوتا۔ تمام زندگی اس احسان کے بوجھ تلے دبے رہتے مگر شبانہ بیگم نے مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند لگانا اپنی شان کے خلاف سمجھا تھا۔ حالانکہ عالیہ صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے نازش کے مقابلے میں بدرجہا بہتر تھی مگر غربت اس کی خوشیوں کے راستے میں دیوار بن گئی تھی--- اور جب شبانہ بیگم نے برابر والوں میں بڑے اعتماد اور یقین سے خاور کی خوشیوں کی خاطر دامن پھیلایا تو ان کی درخواست منہ پھیر کر ٹھکرا دی گئی جوڑ برابر کی تھی اس لئے شبانہ بیگم اپنا سا منہ لیکر رہ گئی---

اور---

اب جب شاہ صاحب نے ڈھکے چھپے جملوں میں کسی مظلوم کی آہ کا ذکر کیا اور اسے سہارا دینے کی تلقین کی تو شبانہ بیگم کو اپنی غلطی پر شرمندگی کا احساس ہورہا تھا جسے انہوں نے پتھر سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا وہ خدا کے ایک برگزیدہ بندے کی نگاہوں میں کھرا سونا تھا اور جسے وہ ہیرا سمجھ رہی تھیں وہ بزرگ کی نظروں میں بڑا حقیر گردانا گیا تھا۔ صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا بتایا گیا تھا۔

"کن خیالوں میں گم ہو بی بی---" شاہ صاحب کی آواز سن کر شبانہ بیگم کے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا' دبی زبان میں بولیں

"میں معافی کی خواستگار ہوں پیرومرشد--- آپ جس ہیرے کی طرف اشارہ

کررہے ہیں وہ گم ہوگیا ہے میں نے اسے پرکھنے میں غلطی کی تھی---"

"اسے تلاش کرو---" ٹھوس آواز میں حکم ملا" ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے--- طلب سچی ہونا شرط ہے"

"وہ--- وہ کسی اور کی بن چکی ہے---" شبانہ بیگم نے آہستہ سے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں--- وہ زبردستی کا سودا تھا۔ تمہاری زبان کی کڑواہٹ نے اس کو زندگی کی جن تلخیوں سے دوچار کیا اس کی فہرست بہت طویل ہے--- "خوشبو کے تیز جھونکے کے ساتھ ہی بزرگ کی آواز ابھری تم قسمت والی ہو جو قدرت تمہیں اپنی غلطیوں کی تلافی کا ایک موقع دے رہی ہے' یہ بھی گنوا دیا تو پھر زندگی کے سب سے قیمتی سرمائے سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

"میں سمجھی نہیں---؟" شبانہ بیگم نے سہمے ہوئے لہجے میں وضاحت چاہی "آپ کس سرمائے کی بات کررہے ہیں؟"

"دنیا میں اولاد سے زیادہ قیمتی سرمایہ اور کیا ہوتا ہے---"

شبانہ بیگم جواب سن کر ساری جان سے کانپ اٹھیں۔ وہ پلٹ کر کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ ان کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا۔ ممتا کی تڑپ نے ایک لمحے کو ان کا دماغ جیسے گنگ کردیا ہو پھر انہوں نے تھوڑے توقف کے بعد خود کو سنبھال کر ماحول پر نظر ڈالی تو کلیجہ اچھل کر حلق میں آگیا۔ کچھ دیر پیشتر جہاں نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں اور عود و عنبر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اب وہاں لق و دق ویرانہ نظر آرہا تھا--- اس ویرانے میں ایک نوجوان زمین پر پڑا ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہا تھا۔ وہ جان کنی کی کیفیت سے دوچار تھا۔ شبانہ بیگم کی نظر نوجوان کے چہرے پر پڑی تو ہذیانی انداز میں چیخ اٹھیں۔ اس چیخ کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ ان کی چیخ کی آواز سن کر اکبر برلاس بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

شبانہ بیگم پسینے سے شرابور ہورہی تھیں۔ چہرے کی ساری تازگی جیسے کسی نے نچوڑ کر رکھ دی تھی خوف ان کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ عجیب وحشت کے عالم سے دوچار تھیں۔

"کیا بات ہے بیگم---؟" اکبر برلاس نے بیوی کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا پھر بولے "آپ نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے"

شبانہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا' دیوانوں کی طرح جلدی سے مسہری سے نیچے اتریں اور خواب گاہ کا دروازہ کھول کر تیر کی طرح باہر نکل آئیں۔ پھر ان کے دل کو اسی وقت چین آیا تھا جب انہوں نے خاور کو اپنے بستر پر سوتے دیکھ لیا تھا لیکن وہ اپنے ان آنسوؤں پر قابو نہیں پاسکی تھیں جو اولاد کو زندہ سلامت دیکھ کر خوشی میں ان کی آنکھوں سے بے تحاشہ بہنے لگے تھے۔ چند ثانیے تک وہ خاموش کھڑی خاور کو تکتی رہیں پھر بے اختیار اپنی انا کو قدموں تلے روندتی آگے بڑھیں اور بیٹے کو پوری شدت سے اپنی کشادہ آغوش میں سمیٹ لیا---"

○

پروفیسر کالیا بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتا رہا پھر اس نے آنکھیں کھول دیں' اس کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بڑی تیزی سے میجک بال کے اوپر نیم دائرے کی شکل میں لہرا رہی تھیں۔

جمشید قریب ہی بیٹھا اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گردش کررہا تھا--- "کیا پروفیسر کالیا کسی ایسے ابلیس کو قابو کرنے میں کامیاب ہوجائے گا جو پراسرار شیطانی قوتوں کا مالک ہے---؟"

پروفیسر کے اجڑے ہوئے کھنڈرات نما دفتر میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔

اس نے عہد کیا تھا کہ جب تک وہ ذیشان سے اپنا بدلا نہیں لے لے گا اپنے دفتر کی تزئین و آرائش نہیں کرے گا۔ نہ ہی کسی سے ملاقات کرے گا۔ اس نے جمشید سے یہ بات بڑے دعوے سے کہی تھی کہ اگر اسے جمشید کا اصلی نام معلوم ہوجائے تو پھر جیت اسی کی ہوگی--- اور اب وہ جمشید کا اصلی نام معلوم ہوجانے کے بعد اپنے عمل میں مصروف تھا۔ اس کے تیور اس بات کی غمازی کررہے تھے کہ وہ پراعتماد تھا۔ اس کی پلکوں نے جنبش کرنا بند کردیا تھا وہ پورے انہماک سے میجک بال پر نظریں جمائے بیٹھا اپنے ہاتھوں کو عجیب و غریب انداز میں فضا میں لہرا رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے

ہاتھوں کو جنبش دینا بند کردیا' اس کی آنکھیں یکلخت چمکنے لگیں۔ اس نے اپنے چہرے کو میجک بال سے کچھ اور قریب کرلیا۔ کچھ دیر تک بڑے غور و خوض سے آنکھیں پھاڑے کسی مطلوبہ شے کو دیکھتا رہا پھر وہ ترنگ میں آکر قہقہے لگانے لگا' اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کررہی تھی' وہ خوشی سے سرشار دکھائی دے رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں بدستور میجک بال پر مرکوز تھیں۔

"پروفیسر---" جمشید نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا "کیا تم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے---؟"

"ہاں--- بچی نے ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں کیا' اس نے سچ کہا تھا" پروفیسر نے جمشید کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا "ہمارا مطلوبہ خبیث اس وقت ایک اندھے کنویں میں چارو ناچار چت پڑا ہے' وہ--- شدید عذاب میں مبتلا ہے--- شہد کی مکھیاں اس کے جسم پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور--- وہ خبیث بے بس نظر آرہا ہے۔"

"کیا اس اندھے کنویں میں تم کسی عورت کو بھی دیکھ رہے ہو---؟" جمشید نے تیزی سے پوچھا۔

"ہاں--- کنویں کی دیوار کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی بھی بے سدھ پڑی ہے۔ شاید وہ بے ہوش ہے--- ون منٹ آفیسر" پروفیسر نے میجک بال سے اور قریب ہوتے ہوئے کہا پھر تھوڑے توقف سے بولا "مائی گاڈ--- میں نے اس بے ہوش لڑکی کو پہچان لیا ہے' میری نظریں دھوکہ نہیں کھا رہیں--- یہ وہی لڑکی ہے جس کی تصویر تم نے مجھے دکھائی تھی--- تم نے شاید اس کا نام عالیہ بتایا تھا---"

"پروفیسر کالیا---" جمشید کے جسم میں دوڑنے والی خون کی گردش تیز ہوگئی "لڑکی کو غور سے دیکھ کر بتاؤ--- کیا وہ تمہیں زندہ لگ رہی ہے---"

"ہاں---" پروفیسر نے جواب دیا "وہ سو فیصد زندہ ہے میں اس کی سانس کی رفتار اس کے جسم کی حرکت سے محسوس کررہا ہوں۔"

"کیا تم مجھے اس جگہ کا پتہ بتا سکتے ہو---؟" جمشید نے اضطرابی کیفیت کا اظہار کیا۔

"پریشان مت ہو آفیسر---" پروفیسر نے بڑے پراعتماد لہجے میں جواب دیا "میں نے تم سے کہا تھا کہ جس روز مجھے اس کا اصلی نام معلوم ہوگیا میں اس کے سارے راستے بند کردوں گا--- آج میری جیت کا دن ہے' میں نے اسے اپنے عمل کے زور سے گھیر رکھا ہے' وہ اب میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوسکے گا"

"تم نے ابھی شہد کی مکھیوں اور اس کی بے بسی کا ذکر کیا تھا---" جمشید نے تیزی سے کچھ سوچتے ہوئے کہا "کہیں اس میں بھی اس کی کوئی شاطرانہ چال تو نہیں ہے---؟"

پروفیسر نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا' چند لمحے خاموشی رہی پھر اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"میں پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ اس شیطان نے اپنے سے کسی بہت بڑی طاقت سے پنجہ لڑانے کی حماقت کی تھی جس نے اسے بے بسی سے دوچار کردیا ہے--- لیکن--- میں اس کی آنکھوں میں خباثت کا جنونی رقص دیکھ رہا ہوں۔ اس نے ابھی تک اپنی شکست کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ اپنے بچاؤ کیلئے کسی چور راستے کی تلاش میں ہے--- اس کی تمام تر توجہ عالیہ پر ہے--- شاید وہ عالیہ کی آڑ لیکر فرار ہونے کے منصوبے بنا رہا ہے"

"مگر تم نے ابھی کہا تھا کہ پروفیسر کہ آج تمہاری جیت کا دن ہے--- وہ تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکے گا---" جمشید نے کہا "میں نے غلط نہیں کہا تھا--" پروفیسر نے ٹھوس آواز میں بڑے یقین سے کہا پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولا "مجھے عالیہ کا خیال روک رہا ہے ورنہ اس وقت ایک سنہری موقع میری مٹھی میں ہے--- میں اس مردود کو جلا کر راکھ کر سکتا ہوں جس نے مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی تھی---"

"نہیں پروفیسر--- نہیں" جمشید نے بڑی سنجیدگی سے کہا" میں تمہیں کوئی ایسا قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا جو عالیہ کی زندگی کیلئے خطرے کا سبب بنے--- میں اسے ہر حالت میں زندہ حاصل کرنا پسند کروں گا۔"

"میں تمہاری مجبوری سمجھ رہا ہوں آفیسر--- لیکن اس وقت بازی پوری طرح

میرے اختیار میں ہے' اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر میرا شکار دوبارہ کبھی میرے جال میں نہیں پھنسے گا---" پروفیسر کالیا نے کسمسا کر کہا "میری کوشش یہی ہوگی کہ عالیہ پر کوئی آنچ نہ آنے پائے---"

"جلد بازی سے کام مت لو پروفیسر---" جمشید نے قدرے سخت لہجے میں کہا "تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ تم اسے بوتل میں بھی بند کرکے عمر قید کی سزا دے سکتے ہو--- اس کے علاوہ تم بچی کی آواز کو کیوں فراموش کررہے ہو' اس نے کہا تھا کہ تم اپنا انتقام لینے کی خاطر اسے اپنا قیدی بنا سکتے ہو لیکن اس کا خون نہیں کرو گے--- اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ تمہارے خلاف میدان میں اتر آئے گی---"

"مجھے اس بچی کی آواز میں بھی لقمان (ذیشان کا اصلی نام) کی شرارت محسوس ہورہی ہے" پروفیسر بولا "شاید اسے علم ہوچکا تھا کہ بہت جلد وہ میرے جال میں پھنسنے والا ہے--- تم نہیں جانتے آفیسر وہ بہت مکار اور فریبی ہے' اپنے بچاؤ کی خاطر وہ کچھ بھی کرسکتا ہے--- آج تم مجھے اسے جہنم رسید کرنے سے مت روکو---"

پروفیسر کالیا کے لہجے میں انتقام کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں' اس کے تیور خطرناک ہوتے جارہے تھے' جمشید تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا' وہ ہر قیمت پر عالیہ کو بچانے کی خاطر پروفیسر کو کسی خوفناک قدم اٹھانے سے روکنا چاہتا تھا" لیکن اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتا معصوم بچی کی آواز دوبارہ کمرے میں گونجنے لگی۔

"اپنے ارادے سے باز آجاؤ پروفیسر--- تم جو اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا خواب دیکھ رہے ہو' وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا--- میں نے پہلے بھی تمہیں یہی باور کرانے کی کوشش کی تھی--- میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تم محدود قوتوں کے مالک ہو' ایک وقت میں صرف ایک ہی سمت میں دیکھ سکتے ہو--- تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔

"تم---" پروفیسر نے میجک بال سے نظریں ہٹائے بغیر تلملا کر جواب دیا "تم آج میری توجہ نہیں ہٹا سکو گی--- بہتر ہوگا کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ پروفیسر کالیا کی دشمنی تمہیں بھی بہت مہنگی پڑے گی---"

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" بچی کی آواز نے سوال کیا "کوئی لچک پیدا نہیں کرو گے اپنے ارادے میں---؟"

"نہیں---" پروفیسر نے چیخ کر کہا "میں تمہاری اصلیت بھی سمجھ رہا ہوں"

"تم مرتے دم تک میری اصلیت کا راز نہیں جان سکو گے--- بہرحال میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تمہارے آخری جواب نے میری روح کو حرکت کرنے کا موقع میسر کر دیا ہے--- اب تم اپنی من مانی کرکے بھی دل کی حسرت نکالنے کی کوشش کرلو---"

"میں تمہارے ساتھ سمجھوتا کرسکتا ہوں' ایک شرط پر" پروفیسر نے اپنی کرسی پر کسمساتے ہوئے بلند آواز میں کہا "تم مجھے اپنی اصلیت کا راز بتا دو--- کون ہو تم---؟"

پروفیسر نے اپنے جملے کو بار بار دہرایا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا' اس کی نظریں ایک پل کو بھی میجک بال سے نہیں ہٹی تھیں۔ جمشید موقع کی نزاکت کو محسوس کررہا تھا' اسے اس بات کا خدشہ لاحق تھا کہ پروفیسر کالیا معصوم بچی کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر جلد بازی میں کوئی جوابی کارروائی نہ کرگزرے۔ وقتی طور پر جمشید کے ذہن میں صرف یہی ایک طریقہ قابل عمل تھا کہ وہ کسی طرح سے پروفیسر کی توجہ میجک بال سے ہٹا دے یا پھر میجک بال کو توڑ دے۔ وہ دل ہی دل میں فوری طور پر کوئی فیصلہ کرکے پروفیسر کی جانب صرف ایک قدم اٹھا سکا تھا۔ جب پروفیسر کی سرسراتی ہوئی آواز دوبارہ ابھرنے لگی---"

"آفیسر--- کاش میں تمہیں بھی اس اذیت ناک منظر کی ایک جھلک دکھا سکتا جو میری نظریں دیکھ رہی ہیں--- شہد کی مکھیوں کی کثیر تعداد میرے دشمن کے جسم پر اپنے زہریلے ڈنک مار رہی ہیں' وہ شدید کرب سے دوچار ہے لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل رہی--- ہوسکتا ہے کہ یہ لمحے اس کی زندگی کے آخری لمحے ثابت ہوں مگر وہ خبیث اس وقت بھی ایسے موقع کی تلاش میں ہے جو اسے فرار کا راستہ فراہم کرسکے--- لیکن اب یہ ناممکن ہے' وہ میرے جال سے بچ کر نہیں نکل

سکتا۔ اس بار جیت میرا مقدر بن چکی ہے--- کسی نادیدہ طاقت نے اسے پہلے ہی پچھاڑ رکھا ہے۔ میرے جال کی بندشیں بھی خاصی مضبوط ہیں---"

"پروفیسر---" جمشید نے ٹھوس آواز میں کہا--- "مجھے عالیہ کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ' وہ کس حال میں ہے---؟"

"وہ--- وہ ابھی زندہ ہے مگر شاید ہوش میں نہیں ہے لیکن---" میں کیا دیکھ رہا ہوں' عالیہ کا جسم حرکت کررہا ہے--- وہ لیٹے ہی لیٹے فضا میں بلند ہورہی ہے--- بادلوں کا ایک سیاہ تودہ ہے جس نے اس کے جسم کو سنبھال رکھا ہے--- وہ تیزی سے فضا میں بلند ہوتی جارہی ہے--- اور--- اب وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی"

"پروفیسر کالیا---" جمشید نے اسے مشتبہ نظروں سے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا" کہیں تم مجھے تسلی دینے کی خاطر غلط بیانی سے تو کام نہیں لے رہے ہو---؟"

"مجھ پر یقین کرو آفیسر---" پروفیسر نے تیزی سے جواب دیا' اس کے چہرے پر الجھن اور حیرت کے ملے جلے تاثرات نظر آرہے تھے' اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میری زندگی کا بیشتر حصہ پراسرار علوم کے حصول میں گزرا ہے لیکن اس وقت جو کچھ میری نظروں نے دیکھا وہ حیرت انگیز تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا--- میں اسے قدرت کا کرشمہ ہی کہوں گا--- یہ یقیناً" معجزہ تھا جسے میری گناہگار نظروں نے دیکھ لیا--- لیکن جو کچھ ہوا--- اچھا ہی ہوا--- عالیہ کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد اب میں اپنی مرضی سے اپنا انتقام لے سکوں گا---"

پروفیسر کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہونے لگے' اس کی نگاہوں میں پھر خون کے ڈورے تیرنے لگے' میجک بال کے ایک مخصوص حصے پر نظر جمائے غالباً" وہ اپنے شکار کو پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"پروفیسر---" جمشید نے کچھ سوچ کر اسے مخاطب کیا "تم بچی کی آواز کو فراموش کررہے ہو' اس نے کہا تھا کہ اگر تم نے ذیشان کا خون بہانے کی کوشش کی تو

aazzamm@yahoo.com

وہ مجبوراً" تمہارے مقابلے پر آجائے گی—— ہوسکتا ہے عالیہ کو بھی اسی کی روح نے کسی ممکنہ خطرے سے بچانے کی کوشش کی ہو——"

پروفیسر کالیا نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ اپنا کوئی خطرناک عمل شروع کرچکا تھا' اس کے ہونٹ متحرک نظر آرہے تھے۔ آنکھوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے' وقت کے ساتھ ساتھ اس کے ہونٹوں کی گردش بھی تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی" اس کے چہرے پر اعتماد نظر آرہا تھا' میجک بال پر اس کے ہاتھ اس طرح منڈلا رہے تھے جیسے کوئی چوٹ کھایا ہوا زخمی درندہ اپنے شکار کو—— پھاڑ کھانے کی خاطر اس پر جھپٹ پڑنے کی تاک میں ہو۔

جمشید کسی خاموش تماشائی کی طرح اپنی جگہ کھڑا پروفیسر کو گھور رہا تھا۔ اس نے پروفیسر کو معصوم بچے کے کہے ہوئے جملے یاد دلانے کے بعد زبان بند کرلی تھی۔ وہ پروفیسر کے چہرے پر طاری گہری سنجیدگی کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر نے عالیہ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس پر جمشید نے اعتبار کرلیا تھا۔ حالات کے پیش نظر اس کے پاس پروفیسر کو جھٹلانے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ پروفیسر ہی نے اسے اندھے کنویں میں عالیہ کی موجودگی کے سلسلے میں آگاہ کیا تھا۔ اس کے دل میں کھوٹ ہوتا تو وہ اپنی زبان بند بھی رکھ سکتا تھا۔ پھر اس نے عالیہ کے حیرت انگیز طور پر نظروں سے غائب ہوجانے کی تفصیل بیان کی تھی۔ اس کے بعد بڑے یقین سے کہا تھا کہ اب وہ ذیشان کو اپنی انتقام کی آگ سے جلا کر خاک کردے گا—— لیکن نہ جانے کیوں جمشید کو اس کی کامیابی کا یقین نہیں آرہا تھا۔ معصوم بچی کی آواز میں گونجنے والے جملے اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے—— پروفیسر کالیا کی طرح وہ بھی اس بچی کی اصلیت سے ناواقف تھا لیکن ایک تجربے کار پولیس آفیسر کی حیثیت سے اس کے دماغ میں رہ رہ کر یہی خیال ابھر رہا تھا کہ اگر بچی کو اپنے اوپر اعتماد نہ ہوتا تو وہ بلا وجہ درمیان میں آکر پروفیسر سے کبھی ہمکلام نہ ہوتی۔

کمرے میں اعصاب شکن خاموشی کا راج تھا۔ پروفیسر کالیا پوری توجہ اور بڑے انہماک سے اپنے عمل میں مصروف تھا۔ جمشید کی نظریں اس کے چہرے پر کسی متوقع

فتح کی مخصوص علامتیں دیکھ رہی تھیں لیکن پھر یکلخت پروفیسر کے چہرے پر حیرت و استعجاب کے سائے پھیل کر گہرے ہوتے چلے گئے۔ اس کے ہونٹوں کی حرکت اچانک رک گئی تھی۔ آنکھیں اس طرح پھٹی پھٹی نظر آنے لگیں جیسے اس نے پھر کوئی ناقابل یقین منظر دیکھ لیا ہو—— وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار نظر آرہا تھا۔

"کیا ہوا پروفیسر——" جمشید نے پر تجسس انداز میں سوال کیا"کیا تمہارا شکار ہی ہوا میں پرواز کرگیا——؟"

"میں پاگل ہوجاؤں گا آفیسر——" پروفیسر نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے وحشت ناک لہجے میں جواب دیا "آج جو کچھ ہورہا ہے وہ اس سے پیشتر میری پوری زندگی میں کبھی نہیں ہوا—— اب—— اب وہ خبیث شاید میرے ہاتھوں سے نکل جائے گا—— مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا—— شاید—— شاید میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ خواب ہے"

"مجھے بتاؤ پروفیسر——" جمشید اس کے قریب ہوتا ہوا بولا "تم کیا دیکھ رہے ہو——؟"

"میری بات کا یقین کرو آفیسر—— میں نے اس مردود کو جس جال میں پھانس لیا تھا اس سے کوئی وحشی یا زخمی درندہ بھی نجات حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن میرے جال کی بندشیں کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ کر بکھر گئیں—— میں اس وقت بھی اس عجیب و غریب پرندے کو دیکھ رہا ہوں جو جسامت میں بڑا مختصر ہے لیکن اس کی پراسرار طاقت کا اندازہ لگانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔" پروفیسر نے بدستور میجک بال کو گھورتے ہوئے کسمسا کر کہا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "وہ میرے نادیدہ جال سے ٹکرایا اور میرے جال کی دھجیاں اڑ گئیں—— کچھ دیر پہلے شہد کی مکھیوں کے جس جھنڈ نے میرے شکار پر یلغار کر رکھی تھی اب ان میں سے کوئی ایک بھی نظر نہیں آرہی—— سبز رنگ کا وہ پرندہ اس وقت دائرے کی صورت میں لقمان (ذیشان) کے اوپر فضا میں تیزی سے منڈلا رہا ہے اور—— یہ کیا——" پروفیسر حیرت سے اچھل پڑا" میں نہیں مان سکتا—— یہ ناممکن ہے—— ناقابل یقین—— میں شاید پاگل ہوجاؤں

گا---"

"کیا ہو گیا پروفیسر تم کیا محسوس کر رہے ہو---؟" جمشید نے تیزی سے سوال کیا۔

"تم یقین نہیں کرو گے آفیسر لیکن میری جاگتی آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی ہیں---" پروفیسر کالیا نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا" پرندے کی پرواز کے ساتھ ساتھ لقمان کا جسم حیرت انگیز طور پر گھٹتا جا رہا ہے--- اس کی جسامت ہر لمحہ کم ہوتی جا رہی ہے--- اب وہ صرف بالشت بھر کر رہ گیا--- پرندہ اس کی جانب لپکا--- اس نے لقمان کے لباس کے ایک ٹکڑے کو اپنی چونچ میں دبا لیا--- اب وہ اسے چونچ میں دبائے بڑی آسانی سے اوپر کی جانب پرواز کر رہا ہے--- حیرت انگیز--- حیرت انگیز---"

"کیا ہوا پروفیسر---؟" جمشید نے پوچھا۔

"مجھے اب کچھ نظر نہیں آ رہا--- سب کچھ گھپ اندھیروں میں گم ہو گیا--- میری محنت رائیگاں ہو گئی" پروفیسر نے پاگلوں کی طرح بال نوچتے ہوئے جمشید کی طرف دیکھ کر جواب دیا پھر اس نے میجک بال کو جھلاہٹ میں دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر فضا میں اچھال دیا جو ایک جھناکے کی آواز کے ساتھ زمین پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ پروفیسر کسی ہارے ہوئے کنگال جواری کی طرح اپنا سر پیٹ رہا تھا۔ جمشید نے اسے تسلی دینے کی خاطر کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت معصوم بچی کی آواز دوبارہ سنائی دی' اس نے پروفیسر کالیا کو مخاطب کیا تھا۔

"تم میری بات مان لیتے تو میں درمیان میں کبھی نہ آتی لیکن جیت اب بھی تمہاری ہوئی ہے' تمہارے شکار کو ایسی قید میں ڈال دیا گیا ہے جہاں سے اسے قیامت تک رہائی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ تمہیں اب اس کی طرف سے کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔"

"کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گی کہ وہ پرندہ کون تھا جو اسے بالشتیا بنا کر اپنی چونچ میں دبا کر لے گیا ہے---" پروفیسر نے پوچھا۔

"اس نے جو بھی کیا وہ کسی لازوال قوت کے اشارے پر کیا" بچی نے بڑی سنجیدگی

سے جواب دیا "ہم اس کی مصلحتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں--- مگر وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں اتفاق کی کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور شامل ہوتی ہے' یہ اور بات ہے کہ ہم اسے دیر میں سمجھتے ہیں۔" "کیا اب بھی تم اپنی اصلیت بتانا پسند نہیں کرو گی---؟" پروفیسر نے کہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اب مجھے کم از کم اس بات کا یقین بہرحال آ گیا ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا تھا---"

"مجھے اس سلسلے میں زبان کھولنے کی اجازت بھی نہیں ہے" بچی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا' پھر اس نے جمشید کا نام لیکر کہا "مسٹر جمشید آپ کو اس وقت ہسپتال میں ہونا چاہئے جہاں کوئی بدنصیب اپنا دماغی توازن کھونے کے بعد بے ہوش پڑا ہے---"

"تم نے کہا تھا کہ کسی قوت کے اشارے پر وہ ایک بار پھر ہوش و حواس میں ہو گا---؟" جمشید نے اسے یاد دلاتے ہوئے پوچھا۔

جواب میں کسی بچی کی گھٹی گھٹی سسکیوں کی آوازیں ابھر کر دور ہوتی چلی گئیں۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے---؟" جمشید نے پروفیسر کالیا سے دریافت کیا۔

"فی الحال تم جاؤ آفیسر---" پروفیسر کالیا نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو---"

جمشید نے ایک نظر پروفیسر کو دیکھا پھر پنجوں کے بل گھوم کر اس کے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔



سرجن احتشام بڑی توجہ سے عابد حسین کا علاج کر رہے تھے۔ خاور بھی تقریباً روز ہی ان کے ساتھ ہسپتال میں موجود ہوتا۔۔۔ بیوی کی موت کی اطلاع ملنے کے بعد سے عابد حسین کی حالت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ وہ جب بھی کچھ دیر کے لئے ہوش میں آئے تو جمیلہ خاتون کو دیوانوں کی طرح پکارنے لگتے یا پھر لقمان کا نام لیکر پاگلوں جیسے انداز میں مغلظات گالیاں اور واہی تباہی بکنے لگتے اور بستر سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش شروع کر دیتے۔ ایسی حالت میں ڈیوٹی پر ہمہ وقت مامور میل نرس کو انہیں بمشکل قابو کرکے دوبارہ خواب آور انجکشن لگانا پڑتا۔

سرجن احتشام اس وقت بھی مریض کے پاس کھڑے اس کی ہسٹری شیٹ پڑھ رہے تھے' وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھے جب خاور کمرے میں داخل ہوا۔

"اب مریض کی حالت کیسی ہے۔۔۔؟" اس نے سرجن کے قریب جاکر دبی زبان میں پوچھا' میل نرس بھی عابد حسین کے قریب ہی موجود تھا جو شاید اس وقت نیند کے انجکشن کے زیر اثر دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آرہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں مریض کو دماغی ہسپتال میں داخل کرانا ہوگا" سرجن احتشام نے سنجیدگی سے کہا "یہاں ان کی دیکھ بھال تسلی بخش طور پر ممکن نہیں ہے۔ دورے کی کیفیت میں یہ ہسپتال کے عملے یا دوسرے زیر علاج مریضوں کے لئے خطرناک بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔۔۔"

"کیا آپ کے خیال میں اب ان کا مرض لاعلاج ہوچکا ہے۔۔۔؟" خاور نے عابد حسین کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"لا علاج تو خیر نہیں ہے لیکن تھوڑا وقت ضرور لگے گا" سرجن احتشام نے کہا

"انہیں اگر بیوی کی موت کی اطلاع نہ ملتی تو یہ بہت جلد صحت مند ہوسکتے تھے۔۔۔"

"اب کیا ایسا کوئی علاج نہیں ہے جو ان کی ذہنی حالت پر خوشگوار اثر ڈالنے میں موثر ثابت ہو۔۔۔؟"

"ایک طریقہ ہے۔۔۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"الیکٹرک شاک" سرجن احتشام نے کچھ سوچ کر جواب دیا "مگر میں فوری طور پر اس آخری عمل سے گریز کررہا ہوں۔"

"کوئی خاص وجہ۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ اس طریقہ علاج میں آپ کے مریض کیلئے ففٹی ففٹی چانس ہے" سرجن نے کہا "یا تو ان کی ذہنی کیفیت بہتر ہوجائے یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیشہ کیلئے اپنی یادداشت کھو بیٹھیں۔"

خاور نے کوئی جواب نہیں دیا' ہونٹ چبانے لگا۔

"ایک صورت اور بھی ممکن ہے۔۔۔" سرجن احتشام نے تھوڑے توقف کے بعد خاور کو مخاطب کیا "کیا ان کا کوئی دوسرا عزیز نہیں ہے' "جی نہیں۔۔۔" خاور نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"کیا ان کی بیٹی کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔۔۔؟ سرجن نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "وہ اگر اس وقت موجود ہوتی تو مریض کیلئے الیکٹرک شاک سے کہیں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتی۔۔۔ میں نے کئی کیسز میں مشاہدہ کیا ہے کہ ذہنی مریض کے سامنے اگر اس کا کوئی ایسا عزیز یا دوست جو بہت عرصے سے بچھڑا ہوا ہو اچانک آجائے تو مریض اسے دیکھ کر چونکتا ہے' اس کے ذہن کی گرہیں کھلنی شروع ہوتی ہیں پھر رفتہ رفتہ بھولی بسری باتوں کے ساتھ ساتھ اس کی یادداشت بھی واپس لوٹ آتی ہے۔۔۔ آپ اسے نیچر کیور (NATURE CURE) بھی کہہ سکتے ہیں۔"

کیا مریض کو ذہنی ہسپتال میں منتقل کرنے سے کوئی خوشگوار اثر پڑے گا؟ خاور نے موضوع بدل کر دریافت کیا۔

"امید پر دنیا قائم ہے' قبل از وقت یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا---"

سرجن احتشام کے جانے کے بعد بھی خاور عابد حسین کے بستر کے قریب کھڑا ان کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا' اس کے ذہن میں عالیہ کا تصور بھی جاگ رہا تھا' وہ سوچ رہا تھا کہ اگر عالیہ اس وقت مل جاتی تو عابد حسین کی ذہنی حالت بحال ہوسکتی تھی لیکن---

"اتنی سنجیدگی سے کس خیال میں غرق ہو---؟"

جمشید کی آواز سن کر خاور چونکا پھر اسے وہ باتیں بتانے لگا جو اس کے اور سرجن احتشام کے درمیان ہوئی تھیں عالیہ کا ذکر کرتے وقت اس کی آواز فرط جذبات سے بھرا گئی۔

"میل نرس کہاں ہے---؟" جمشید نے بات کا رخ بدلنے کی خاطر دریافت کیا۔

"وہ شاید سرجن احتشام کے ساتھ باہر گیا ہے---" خاور نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا پھر کچھ یاد کرکے بولا "پروفیسر کالیا نے ذیشان کا اصلی نام معلوم ہوجانے کے بعد کیا تیر مارا---؟"

"ذاتی طور پر وہ ذیشان یا لقمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا لیکن ذیشان کا خطرہ اب بہرحال ٹل چکا ہے---"

"کیا مطلب---؟" خاور چونکا "تم یہ بات اس قدر یقین سے کس طرح کہہ رہے ہو---؟"

جمشید نے جواب میں تفصیل بتانی شروع کی مگر اس سے پیشتر کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا باہر سے میل نرس کی تیز آواز ابھری۔

"ٹھہرئیے جناب--- مجھے بتایئے' آپ کو کس سے ملنا ہے---؟"

"کیا اس کمرے میں عابد حسین نام کے مریض داخل نہیں ہیں---؟" کسی نے ٹھوس اور وزنی لہجے میں دریافت کیا۔

"ہیں---" میل نرس کی آواز سنائی دی "لیکن آپ اندر نہیں جاسکتے۔ ڈاکٹر نے مریض کے ساتھ کسی کے ملنے جلنے پر پابندی لگا رکھی ہے---"

"شاید اس لئے کہ قسمت کی ستم ظریفی نے اس مظلوم کو ذہنی مریض بنا دیا ہے---"

"جب آپ کو علم ہے تو پھر آپ بغیر اجازت اندر جانے کی کوشش کیوں کررہے ہیں---؟" میل نرس کی آواز میں تلخی تھی۔

"ٹھیک ہے--- میں باہر رکا جاتا ہوں--- تم اس خاتون کو اندر لے جاؤ---" ٹھوس اور نرم آواز میں کہا گیا۔

"مجھے افسوس ہے جناب میں آپ دونوں میں سے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا" میل نرس نے خشک لہجے میں کہا "آپ ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر سے ملاقات کرکے معلوم کرسکتے ہیں کہ کسی کو بھی مریض سے ملنے کی اجازت نہیں ہے"

"خاتون کے حوالے پر جمشید چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ تیزی سے کچھ سوچتا ہوا باہر کی جانب نکلا۔ اس نے دروازے پر کھڑی ہوئی خاتون کو دیکھا تو اس طرح حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جیسے اسے اپنی قوت بینائی پر دھوکہ ہورہا ہو--- اس نے عالیہ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی جو کمرے کے باہر سر جھکائے کھڑی تھی۔ میل نرس اس کے راستے میں حائل نظر آرہا تھا۔

"دیکھئے صاحب---" میل نرس نے جمشید سے شکایت کی "یہ محترم صورت و شکل سے اچھے خاصے بزرگ نظر آرہے ہیں لیکن اندر جانے کی ضد کررہے ہیں۔"

"کس کی بات کررہے ہو---؟" جمشید نے آہستہ سے پوچھا۔

اس بار میل نرس کے چونکنے کی باری تھی' اس نے تیزی سے گھوم کر اس سفید ریش بزرگ کی نشاندہی کرنی چاہی جو ایک لمحہ پیشتر عالیہ کے ساتھ موجود تھا لیکن اب دور دور تک اس کا نام و نشان بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"خاتون---" اس نے عالیہ کو مخاطب کیا "آپ کے ساتھ جو بڑے صاحب تھے وہ کہاں گئے---؟"

"میرے ساتھ تو کوئی نہیں تھا---" عالیہ نے اداس لہجے میں جواب دیا اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ خواب کی کیفیت سے دوچار ہو۔

میل نرس چکرا کر رہ گیا' عالیہ کا جواب اس کیلئے قابل یقین نہیں تھا اس لئے کہ وہ اپنی نگاہوں سے اس نورانی چہرے والے سفید ریش بزرگ کو دیکھ چکا تھا جو عالیہ کے ساتھ ساتھ قدم ملاتا ہوا کمرے میں جانے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن پلک جھپکتے ہی غائب ہوگیا۔

"سرجن احتشام کہاں ہیں۔۔۔؟" جمشید نے موقع کی پراسرار نزاکت کو بھانپتے ہوئے میل نرس کو مخاطب کیا۔

"وہ فرسٹ فلور پر ایک سو اٹھارہ نمبر کے کمرے میں ایک مریض کو دیکھ رہے ہیں" میل نرس نے جواب دیا پھر جمشید کو یقین دلانے کی خاطر بڑی سنجیدگی سے بولا "آپ میری بات پر اعتماد کریں ڈپٹی صاحب' وہ بزرگ اور یہ خاتون۔۔۔۔"

"باتیں کم کرو۔۔۔" جمشید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ہدایت جاری کی سرجن احتشام سے جاکر کہو کہ میں آیا ہوں' وہ اپنے مریض کو دیکھنے کے بعد مجھ سے ملتے ہوئے جائیں۔۔۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔۔۔" میل نرس عالیہ کو کنکھیوں سے گھورتا ہوا فرسٹ فلور کے زینوں کی طرف قدم اٹھانے لگا وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتا بھی جارہا تھا۔

"آپ اندر تشریف لے آئیں۔۔۔" جمشید نے عالیہ کو مخاطب کیا۔

"آپ۔۔۔" عالیہ نے پہلی بار جمشید کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو حیرت کا اظہار کیا" آپ۔۔۔ شاید نرگس کے منگیتر ڈی ایس پی جمشید ہیں۔۔۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے پہچان لیا۔۔۔" جمشید نے سکون کا سانس لیا۔

"کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ میں اس وقت کہاں ہوں اور مجھے یہاں کون لایا تھا۔۔۔؟" عالیہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال آپ اندر تشریف لے چلیں۔ آپ کو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ یہ کیا جگہ ہے اور آپ کو یہاں کیوں بلایا گیا ہے" جمشید نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی اور عالیہ کا ہاتھ تھام کر کمرے میں داخل ہوگیا۔

خاور نے خلاف توقع عالیہ کو جمشید کے ساتھ اندر داخل ہوتے دیکھا تو وہ بھی

خوشی اور صدمے کی ملی جلی کیفیتوں سے دوچار ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ عالیہ کی نگاہیں خاور سے چار ہوئیں تو اس کے دل کی دھڑکنیں بھی یکلخت تیز ہوگئیں۔ ایک ثانئے تک وہ حیرت سے خاور کو تکتی رہی پھر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

جمشید نے نگاہوں کے اشارے سے خاور کو خاموش رہنے کی تاکید کی پھر عالیہ کو لے جاکر عابد حسین کے بستر کے قریب کھڑا کردیا۔ عالیہ نے باپ کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھا تو کچھ دیر تک گم صم کھڑی دل کی دھڑکنوں کا شمار کرتی رہی پھر بے اختیار باپ کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔ اس کے ذہن میں ماضی اور حال گڈ مڈ ہونے لگے' اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اڈ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اس معجزہ پر غور کررہی تھی جس نے اسے موت کے منہ سے نکال کر زندگی کی دہلیز پر لاکھڑا کیا تھا۔ کچھ دیر قبل وہ ایک اندھے کنویں میں ذیشان کے سامنے مجبور و بے بس کھڑی اپنی اذیتناک موت کا انتظار کررہی تھی اور اب باپ کے سینے سے لگی زندگی کی خوشگوار حرارتوں کو محسوس کررہی تھی۔ ماضی کی تلخ یادیں ایک ایک کرکے اسے یاد آرہی تھیں۔ موت اور زندگی کے درمیان فاصلے کب سمٹے۔۔۔؟ کس طرح وہ ذیشان کے پراسرار چنگل سے نجات حاصل کرکے آزاد ہوئی۔۔۔؟ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ سب کچھ ایک بھیانک اور ڈراؤنا خواب لگ رہا تھا جس کے طویل دورانیے میں اس کی بے شمار مسرتوں نے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا تھا۔

خاور اور جمشید دور کھڑے عالیہ اور عابد حسین کو دیکھ رہے تھے کہ سرجن احتشام میل نرس کے ساتھ قدم اٹھاتا کمرے میں داخل ہوا۔ شاید میل نرس نے اسے کچھ بتا دیا تھا جو اس نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ دریافت کرتا خاور نے دبے قدموں اس کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

"یہ لڑکی عابد حسین کی گم شدہ بیٹی عالیہ ہے جو خوش قسمتی سے یہاں تک خود ہی پہنچ گئی۔۔۔"

"گڈ۔۔۔" سرجن احتشام نے خوشی کا اظہار کیا "میرا خیال ہے کہ بیٹی کو دیکھ کر مریض کے ذہن پر خوشگوار اثر پڑے گا"

"کیا ہم مریض کو ہوش میں لانے کی خاطر---" جمشید نے کچھ کہنا چاہا

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی" سرجن احتشام نے جمشید کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا" مریض کو جو خواب آور انجکشن دیا گیا تھا اس کے اثرات زائل ہونے کا وقت ہوچکا ہے--- مریض کو کسی وقت بھی ہوش آسکتا ہے---"

سرجن کا اندازہ غلط نہیں تھا "عابد حسین نے دس بارہ منٹ بعد ہی کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھیں' میل نرس سرجن احتشام کے اشارے پر تیزی سے بستر کے قریب چلا گیا مبادا دیوانگی کی کیفیت میں عابد حسین عالیہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ خاور اور جمشید کے علاوہ سرجن کی نظریں بھی مریض پر جمی ہوئی تھیں۔

عابد حسین کچھ دیر تک پلکیں جھپکا جھپکا کر چھت کو گھورتے رہے پھر جب انہیں احساس ہوا کہ کوئی ان کے سینے سے لگا سسک رہا ہے تو انہوں نے بڑی تیزی سے ہاتھ بڑھا کر عالیہ کے بالوں کو اپنے پنجے میں جکڑ لیا اور ہذیانی آواز میں بولے

"اب تو میری گرفت میں آگیا ہے--- نابکار--- میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا' تو نے میری جمیلہ کو مجھ سے چھین لیا تھا۔ اب میں تجھے کچا چبا جاؤں گا--- تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلاؤں گا--- ہا ہا--- ہاہا--- ہاہا---"

عابد حسین نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگانا شروع کر دیا۔ میل نرس لپک کر درمیان میں آگیا۔ اس نے عابد حسین کے ہاتھ کو پوری قوت سے پکڑ لیا تھا لیکن ان کی گرفت سے عالیہ کے بال چھڑانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

"یہ میں ہوں ابو---" عالیہ نے کراہتے ہوئے کہا "آپ کی بدنصیب بیٹی---"

"عالیہ---" عابد حسین نے عالیہ کے نام کو کوئی بار دہرایا پھر اس کے بالوں کو ہاتھوں کے شکنجے سے آزاد کرتے ہوئے حسرت بھرے انداز میں بولے "ہاں--- ہاں--- یہ نام میرا سنا ہوا ہے--- عالیہ--- عالیہ--- میری معصوم بچی جسے ایک شیطان--- ایک خبیث مجھ سے چھین کر لے گیا تھا--- نہ جانے وہ کہاں ہوگی---؟"

"میں آپ کی نظروں کے سامنے ہوں ابو---" عالیہ نے روتے ہوئے کہا "مجھے

غور سے دیکھئے--- مجھے پہچانئے' میں ہی آپ کی عالیہ ہوں---"

"تم--- عالیہ ہو---؟" عابد حسین نے اسے بہت غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولے "نہیں--- تم عالیہ نہیں ہو تم--- لقمان ہو--- وہی خبیث لقمان جو اپنی شیطانی قوت کے زور پر مجھ سے میری پھول جیسی بچی کو چھین کر لے گیا تھا' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا---"

عابد حسین نے خود کو میل نرس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی' ان کی نگاہیں عالیہ کے چہرے پر مرکوز تھیں ان کی وحشت میں پہلا جیسا جنون نہیں تھا--- دیوانگی کی کیفیتیں بتدریج کم ہوتی جارہی تھیں۔ شاید عالیہ کا دھندلایا ہوا نقش ان کے ذہن پر ابھرنے لگا تھا۔

"ڈاکٹر---" جمشید نے سرجن احتشام کو دبی زبان میں مخاطب کیا "آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا مریض پہلے کے مقابلے میں کچھ بہتر نظر نہیں آرہا---"

"محسوس کررہا ہوں---" سرجن احتشام نے عابد حسین کو دیکھتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ اب مریض کو پوری طرح ہوش و حواس میں آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی---"

"خاور گم صم کھڑا کبھی عابد حسین اور کبھی عالیہ کو دیکھ رہا تھا' میل نرس نے پوری قوت سے عابد حسین کو پکڑ رکھا تھا' کچھ دیر تک وہ خود کو چھڑانے کی جدوجہد کرتے رہے' عالیہ کو لقمان سمجھ کر واہی تباہی بکتے رہے لیکن عالیہ کی مستقل آہ و زاری نے ان کی وحشتوں میں ایک خوشگوار تبدیلی نمایاں کر دی۔ انہوں نے چیخنا چلانا بند کر دیا' میل نرس سے جدوجہد بھی ترک کردی' سکتے کی حالت سے دوچار چپ چاپ حیرت سے آنکھیں پھاڑے عالیہ کو گھورتے رہے پھر ان کی آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے--- بھولی بسری یادیں یکے بعد دیگرے ذہن کے پردوں پر اجاگر ہوئیں تو ان کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

عالیہ--- میری بچی--- میرے سینے سے لگ جا "اس بار عابد حسین نے بڑے جذباتی انداز میں کہا" تو مجھے چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھی؟

عالیہ روتی ہوئی باپ سے لپٹ گئی۔ سرجن احتشام کے اشارے پر میل نرس نے عابد حسین کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ عابد حسین نے ہاتھوں کو آزاد ہوتے ہی عالیہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ آنکھیں پوری شدت سے برسنے لگیں۔ دل کا غبار چھٹ رہا تھا۔ درد کی شدتیں کم ہورہی تھیں۔ غم کے سائے سمٹ رہے تھے اور مسرتوں کی نئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔

"مبارک ہو مسٹر جمشید---" سرجن احتشام نے بڑی سنجیدگی سے کہا' عابد حسین اب خدا کے فضل سے ہوشمند نظر آرہے ہیں--- جو کام میری دوائیں نہ کرسکیں وہ ایک بیٹی نے کر دکھایا--- یہ بھی ایک معجزہ ہی ہے---"

خاور بدستور عابد حسین اور عالیہ کو دیکھنے میں مصروف تھا جو ایک دوسرے سے لپٹے اشکوں کی زبانی ایک دوسرے کو اپنی بپتا سنا رہے تھے' وہ بہت ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اس وقت اسے عالیہ کی ماں کی یاد بڑی شدت سے آرہی تھی جو بستر پر پڑی پڑی بیٹی کی واپسی کے انتظار میں آنکھیں فرش راہ کئے رہی پھر مایوس ہوکر زندگی سے تمام ناطے توڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آنکھیں موند لیں۔ اسی لیے جب خاور جمیلہ خاتون کے بارے میں سوچ رہا تھا عابد حسین نے بڑی دل شکستہ اور بھرائی ہوئی آواز میں عالیہ سے کہا۔

آج اگر تمہاری ماں زندہ ہوتی تو تمہیں دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ ساتی--- لیکن--- وہ مجھ سے بھی روٹھ کر ساتھ چھوڑ گئی---"

"قسمت کو یہی منظور تھا ابو---" عالیہ نے باپ کو دلاسہ دینے کی خاطر اپنے آنسو پیتے ہوئے جواب دیا "اب آپ ہی میرے لئے سب کچھ ہیں---"

عین اسی وقت دروازے پر آہٹ ہوئی' خاور نے پلٹ کر دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا--- شبانہ بیگم اور اکبر برلاس دونوں اندر داخل ہورہے تھے۔ شبانہ بیگم کے چہرے پر کسی بپھرے ہوئے طوفان کی جھاگ اڑاتی لہروں کے بجائے ممتا کا درد لرزتا نظر آرہا تھا' اکبر برلاس کی نگاہوں میں خوشیاں رقص کررہی تھیں۔

جمشید اور سرجن احتشام بھی شبانہ بیگم اور اکبر برلاس کی خلاف توقع آمد پر حیران نظر آرہے تھے۔ عابد حسین نے شبانہ بیگم کو دیکھ کر ایک سرد آہ بھری۔ زبان سے کچھ نہیں کہا' عالیہ نظریں جھکا کر اپنے دل کی دھڑکنیں سمیٹنے لگی "آنٹی' آپ---" جمشید نے کچھ کہنا چاہا لیکن شبانہ بیگم اس کا جملہ کاٹتے ہوئے بولیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے پہلی بار ایک ذمہ دار اور فرض شناس افسر ہونے کا ثبوت دیا۔ اگر تم نے مجھے عالیہ کی بازیابی کی اطلاع نہ دی ہوتی تو مجھے تم سے ہمیشہ شکایت رہتی--- تمہارا فون موصول ہونے کے فوراً" بعد ہی میں نے تمہارے انکل کو یہ خوشخبری سنائی تھی---"

جمشید کو شبانہ بیگم کی بات سن کر تعجب ہوا مگر وہ پروفیسر کالیا کے دفتر میں جن پراسرار حالات سے دوچار ہوچکا تھا اس کے پیش نظر اس نے شبانہ بیگم کو فون کرنے والی بات کی تردید نہیں کی--- جن قوتوں نے زیشان یا لقمان کو زیر کیا تھا' عالیہ کو اندھے کنویں سے نکال کر ہسپتال تک پہنچایا تھا شاید وہی لازوال قوتیں شبانہ بیگم کو بھی ان کی غلطیوں کے تدارک کا موقع فراہم کررہی تھیں۔ خاور بھی ماں کی بات سن کر چونکا تھا لیکن موقع کی نزاکت محسوس کرکے اس نے بھی زبان بند ہی رکھی۔

عابد حسین نے شبانہ بیگم کو دیکھ کر جس انداز میں سرد آہ بھری تھی اس نے ماحول کو کچھ دیر کیلئے سوگوار کر دیا تھا۔ خود شبانہ بیگم بھی دل ہی دل میں کٹ کر رہ گئی تھیں۔ انہوں نے ہسپتال کے کمرے میں داخل ہوتے وقت عالیہ اور عابد حسین کے درمیان جمیلہ خاتون کے سلسلے میں ہونے والی گفتگو سن لی تھی جس نے ان کے وجود کو ہلاک کر کے رکھ دیا تھا۔ خواب میں شاہ صاحب سے ہونے والی باتیں بھی ان کے ذہن میں تازہ تھیں۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑی رہیں پھر ایک نظر خاور پر ڈالی جو سر جھکائے کسی سوچ میں غرق تھا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر انہوں نے عالیہ کو بڑے جذباتی انداز میں سینے سے لگا لیا۔ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"تم کسی بات کا غم نہ کرو بیٹی--- آج سے میں تمہاری ماں ہوں" پھر شبانہ بیگم

کی آواز فرط جذبات سے رندھ گئی "ہوسکے تو مجھے معاف کر دینا--- میں تمہاری قصوروار ہوں"

"مجھے گناہگار نہ کیجئے--- قصور آپ کا نہیں میری قسمت کا تھا" عالیہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا شبانہ بیگم کے طرز عمل پر اس کا دل بھر آیا تھا۔

خاور اور عابد حسین بھی شبانہ بیگم کے اس محبت آمیز سلوک پر خوشگوار حیرت سے دوچار تھے۔ جمشید بھی قدرت کے اس معجزہ پر ششدر رہ گیا جس نے شبانہ بیگم کے پتھر دل کو پگھلا کر موم بنا دیا تھا۔ اکبر برلاس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو انمول ہیروں کی مانند جھلملانے لگے--

اور قدرت----

اپنی کاری گری پر خندہ زن تھی---!!

ختم شد

